

..... اور ایک بُت شکن پیدا ہوا

(حصہ اول، حصہ دوم)

(سلطان محمود غزنوی کے جہاد اور جاسوسوں کی جذباتی اور واقعاتی داستان)



عنایت اللہ



.... اور ایک بُت شکن پیدا ہوا

جلد اول

(پہلا اور دوسرا حصہ)

سلطان محمود غزنوی کے جہاد اور جاسوسوں کی جذباتی اور واقعاتی کہانیاں

عنایت اللہ

علم و عرفان پبلشرز

34 - اردو بازار، لاہور، فون: 7232336 - 7352332

www.ilmoirfanpublishers.com E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

۱۳	اور ایک بت شکن پیدا ہوا	۱۳	نام کتاب
۵۶	جب مسلمان مسلمان سے نکر آیا	۵۶	مصنف
۸۷	روائیں	۸۷	ناشر
۱۱۰	مذہب، مجرم اور مجاہد	۱۱۰	مطبع
۱۵۱	ایک ہی منزل کے مسافر	۱۵۱	سر ادق
۲۰۹	بہشت ایک رات کی	۲۰۹	سن اشاعت
۲۳۵	باپ کا باپ	۲۳۵	قیمت
۲۵۸	چار کنواریوں کی حویلی	۲۵۸	
۲۸۳	حق جب باطل کے زور سے میں آیا	۲۸۳	
۳۲۹	جب دشمن پر اعتبار کیا	۳۲۹	

علم و عرفان پیشہ

7.4۔ اردو بازار لاہور فون: 7232336، 7252332

سیونہ سکاں بلیکیشن

غزالی سٹریٹ، ٹیڈہ روڈ، 40۔ 41، پلازا، لاہور
فون: 3584 722۔ 3584 723۔ 3584 724۔ 3584 725۔ 3584 726

پیش لفظ

”داتا امان فروشوں کی“ کے اس سلسلے کا تعلق سلطان محمود غزنوی کے دور کیا جا رہا ہے سلطان محمود غزنوی کے متعلق کچھ وضاحتیں بہت ضروری ہیں۔

سب سے پہلے اُس بے انصافی اور حاندل اور تعصب کی تفصیل اُس میں جس سے سلطان محمود غزنوی کی شخصیت اور جہاد کی تاریخ سچ کی گئی ہے جن کتابوں نے انگریزوں کے دور حکومت میں دس چھتیس برس کی ہیں، انہیں ہندوستان کی تاریخ میں سلطان محمود غزنوی کے سترہ حملے پڑھائے جاتے تھے۔ نمایاں تاثر یہ دیا جاتا تھا کہ محمود غزنوی لوٹ مار کے لیے ہندوستان آتا تھا اور بے انداز زر و جواہرات اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ دلیل یہ دی جاتی تھی کہ اُس کا مقصد لوٹ مار نہ ہوتا تو وہ یہاں کچھ کر حکومت کرتا جس طرح اس کے بعد آنے والے مسلمانوں نے کی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ اُس کے بیشتر حملے ہندوستان کے بڑے بڑے مندروں پر ہوتے تھے جنہاں کے وہ بُت توڑ کر واپس چلا جاتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مندروں میں اُس دور میں زوہرات مٹا رہی تھیں اور ان کی نسبت زیادہ سوتے تھے اس لیے تاریخ میں یہ مفروضہ شامل کر لیا گیا کہ سلطان محمود مندروں پر صرف زر و جواہرات کے لیے حملے کرتا تھا۔ اس مفروضے کے ساتھ یہ جھوٹ شامل کر لیا گیا کہ بعض بُت بہت بڑے سائز کے تھے جاندر سے کھوکھلے تھے۔ ان کے اندر خزانے بھرے ہوتے تھے۔

تھانیر اور سومات کے بڑے بُتوں کے متعلق خاص طور پر لکھا گیا ہے کہ ان کے اندر سونا بھرا ہوا تھا اور سونے کے لیے ہی سلطان محمود نے یہ بُت توڑے تھے۔ غیر جانبدار اور غیر تعصب مورخوں نے جن کا تعلق یورپ سے تھا، اہل حقیقت بیان کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ تمام بُت ٹھوس تھے۔ ان میں سے جو زیادہ اہم اور مقدس تھے وہ بھی سٹی کے بنے ہوئے تھے اور ان پر کالسی چڑھائی گئی تھی۔ تھانیر کے بُت کو سلطان اپنے

ساتھ غزنی لے گیا تھا اور اسے توڑ کر اس کے ٹکڑے گھوڑ و ڈک کے میدان میں پھینک دیتے تھے۔

سومات کے بُت کے متعلق غیر تعصب مورخوں نے لکھا ہے کہ سلطان نے اس کے دو ٹکڑے کیے، پھر دو کے چار چار کے آٹھ آٹھ کے سولہ اور سولہ کے تیس ٹکڑے کر کے انہیں باہر پھینکا اور ان پر سے اپنی فوج گزاری تھی۔

انگریزوں کے دور حکومت میں نصابی کتابیں ہندو مصنفوں کی لکھی جاتی تھیں انگریزوں کا محکمہ تعلیم ان کتابوں کو منظور کر لیا کرتا تھا کیونکہ خود انگریز کی دلچسپی اس میں تھی کہ مسلمانوں کی تاریخ کو سچ کیا جائے۔ انگریزوں نے خود بھی ہماری تاریخ کا چہرہ سچ کیا۔ سید احمد شہید کو ڈاکو کہا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو ”ہندوستانی سپاہیوں کا غدر“ کہا۔ کھنکھتے کا ایک سہول انگریزوں کا من گھڑت اور بے سند یا قصہ ہے۔ انگریزوں نے اپنے اس قصہ کو چھپا کر بھی نہیں لکھا کہ ہندوستان میں جو سخت برطانیہ کے لیے اگر کوئی قوم خطرہ نہ سکتی ہے تو وہ مسلمان ہیں۔ انگریزوں کا یہ قصہ صحیح ثابت ہوا۔

ہندو سلطان محمود غزنوی کو مرد مجاہد اور بُت شکن کہیں کہتے؟ ہندو تاریخ دانوں نے اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا ہے۔ انہوں نے انگریزی حکومت سے یہ فائدہ اٹھایا کہ سلطان محمود کے جہاد کو گھٹانے کے طریقے سے نصابی کتابوں میں شامل کیا۔ یہی کتابیں مسلمان بچے بھی پڑھتے رہے۔ سلطان محمود کی تاریخ کو سترہ حملوں تک محدود رکھا گیا۔

پاکستان بے غرض وجود میں آیا تو بھی وہی نصاب رائج رہا اور سلطان محمود غزنوی سترہ حملوں کی درجہ سے ہی جانا بچھا جاتا رہا۔ اب بھی آپ کو نصابی کتابوں میں وہی کچھ ملے گا جو انگریزوں کے دور میں لکھا گیا تھا۔ پاکستان میں نصابی کتابیں لکھ کر سکولوں کا بول کے لیے منظور کرانا ایک کاروبار ہے۔ اس میں لین دین کا خیال رکھا جاتا ہے کچھ ایسا جاتا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کمال تک مستند ہے اور پچھلے برس کے کیا اثرات قُرب ہوں گے۔

نصابی کتابوں کے علاوہ (آزادی سے پہلے) جو کتابیں عام مطالعہ کے لیے لکھی گئیں، ان میں بھی سلطان محمود کو لٹریچر ہی ظاہر کیا گیا۔ یہ زہر پاکستان میں بھی پھیلا گیا۔ مثلاً ۱۹۷۷ء میں

تو اُس نے یہاں بیٹھ کر حکومت کیوں نہ کی؟۔ اس سوال کا جواب آپ کو ان کہانیوں میں ملے گا جو ہم پیش کر رہے ہیں۔ وہ جب ہندوستان میں آتا تھا تو پہلے مسلمان حکمران غزنی کی سلطنت پر کیسے نہ کیوں حملہ کر دیتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی طرح سلطان محمود کے بھی اپنی قوم میں دشمن موجود تھے جو اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ سلطان ادھر ادھر ہو تو غزنی پر قبضہ کر لیا جائے۔ ہندوستان میں ہر فتح کے ساتھ ہی اُسے پیغام ملا کرتا تھا کہ غزنی پر فلاح نے حکم کر دیا ہے۔ یہ ایک مسلسل خانہ جنگی تھی جو سلطان محمود کو لڑنی پڑی۔ وہاں ایسا فرد نہ ملتا تھا کہ اس کی نہیں تھی۔ انہوں نے سلطان محمود کو کبھی ہمت ہی نہ دی کہ وہ ہندوستان میں باقاعدہ اپنا دارالحکومت قائم کر سکتا۔

یہ تو کیا گیا ہے کہ سلطان محمود نے ہندوستان پر حملے کیے تھے مگر یہ کہ یہ کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ ہندوؤں نے غزنی پر کتنے حملے کیے تھے جنہوں میں پہلے ہندوؤں نے کی تھی بڑا بڑا جے پال نے غزنی پر پہلا حملہ سلطان سلجوق کے دو چوکومت میں کیا تھا سلطان سلجوق کی زندگی خفا و فساد کی۔ اُس نے اپنے بیٹے سلطان محمود کو وصیت کی تھی کہ ہندوستان کے مہاراجوں کی جی قوت سے اپنی سلطنت کو بچانا چاہیے۔ ہر تو انہیں چین سے نہ بیٹھنے دینا۔ وہ غزنی کو نہیں اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں اگر غزنی ہاتھ سے نکل گیا تو ہندو عیسائیوں کے ساتھ اتحاد کر کے خانہ کعبہ تک نہیں گئے۔ یہ خیال رکھنا کہ ہمارے حملے انتقامی جذبے کے تحت نہ ہوں بلکہ ان کا مقصد شہرت پرستی کا خاتمہ ہو۔ ہندوستان میں محمد بن قاسم کے وقت کے مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنایا جا رہا ہے تم ہندومت کا خاتمہ کرو۔

ابوہریرہؓ، خروستہؓ، گروہیؓ، عیسیٰؓ اور ان جیسے کسی اور مورخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ سلطان محمود غزنویؒ اولیا کا مقصد تھا اور وہ اس وقت کے ایک ولی شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا اثر تھا۔ اُس وقت کی تحریروں سے یہ چلتا ہے کہ سلطان شیخ خرقانیؒ کے دل جایا کرتا تھا لیکن اُس نے کبھی بھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ خود سلطان محمود ہے۔ وہ خرقانیؒ کے ہاں اپنے آپ کو سلطان محمود کا نام نہ لایا بلکہ ظاہر کیا کرتا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک بار شیخ ابوالحسن خرقانیؒ نے اُسے پہچان لیا تھا اور یہ کہا تھا۔ ”مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ غزنی کا سلطان اپنا نام خود کو بن کر آتا ہے۔ یہ سچے مسلمان کی نشان دہی ہے۔“

پاکستان میں انگریزی زبان میں ایک کتاب چھپی ہے جو ۱۹۲۷ء میں ہندوستان میں چھپی تھی۔ اس کا مصنف محمد حبیب لی۔ اسے ”آکسن“ نام۔ اہل کی ہے جو علی گڑھ یونیورسٹی میں تدریس اور سیاست کا پروفیسر رہ چکا ہے۔ یہ کتاب سلطان محمود غزنویؒ کی زندگی اُس کے کردار اور اس کے کارناموں نمایاں کا ایک تجربہ و مطالعہ ہے۔ پیش لفظ میں اس مسلمان مصنف نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے سلطان محمود غزنویؒ کو برگزیدہ شخصیت سمجھنا شروع کر دیا ہے جس سے مصنف (محمد حبیب) کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اس مصنف نے کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ:

○ محمود غزنویؒ اپنے باپ سلجوق بن کاوشانیس تھا اور یہ اُسے خود بھی شک تھا جس سے

وہ بہت پریشان رہتا تھا۔

○ محمود غزنویؒ ایک لوہی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو سلطان کے باپ سلجوق بن کاوشانیس کی بیوی نہیں تھی۔

○ محمود غزنویؒ کو فرد خدایہ اسلام کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ لادینیت میں یقین رکھتا تھا۔

○ محمود غزنویؒ ہندوستان میں لوٹ مار کے لئے آیا کرتا تھا۔

○ محمود غزنویؒ روز حساب پر یقین نہیں رکھتا تھا۔

○ محمود غزنویؒ نے مرتے وقت کوئی ہوتی تمام دولت کا اپنے سامنے ڈھیر کر دیا اور وہ

بہت زیادہ۔

○ محمود غزنویؒ عام شہزادوں جیسا شہزادہ تھا اور شراب اور عورت کا شہوانی تھا

○ محمود غزنویؒ صرف ہندوؤں کے خلاف ہی نہیں لڑا بلکہ وہ مسلمانوں کے خلاف بھی لڑا کیونکہ اُس کا مقصد اپنی سلطنت کی توسیع تھا۔

اور ایسے ہی کچھ اور الزامات میں جو صرف ایک مصنف نے نہیں رہتے بہت سے مصنفین نے محمود غزنویؒ پر عائد کیے ہیں۔ ہمارے نیچے ان الزامات سے واقف نہیں تو پھر بھی سلطان محمود غزنویؒ کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ اُس نے ہندوستان پر سرور چلنے کیے تھے۔

سلطان محمود غزنویؒ اگر واقعی بُت شکن تھا اور وہ ہندوستان میں اسلام پھیلانا چاہتا تھا۔

اُس وقت کی تحریروں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سلطان محمود قرآن کا لابلابل اور مذہبی قانون کا شیدائی تھا۔ ایک اور یونانی مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ میدان جنگ میں اس کی فوج ہمیشہ تھوڑی ہوتی تھی اور اکثر یوں ہوا کہ وہ دشمن کے ہاتھوں ہار جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے اس کی دلت اس نے ہر بار یوں کیا کہ گھوڑے سے کود کر آواز ادا کرے اور ہرگز وہ رکعت نفل پڑھے۔ دعا مانگی اور گھوڑے پر سوار ہو کر لہذا وار سے اعلان کیا۔

”مجھے خدا نے اشارہ دیا ہے۔ فتح ہماری ہے۔“ اور ہر فتح انہی کی ہوئی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی جہاں کہیں حملہ کرتا جمہور کے مبارک روز کیا کرتا تھا اور وقت وہ ہرگز نہ تھا جب کہ وہیں جمہور کا شعبہ دیا جا رہا ہو تا تھا سلطان محمود غزنوی ہر حملے سے پہلے میدان جنگ میں دو رکعت نفل پڑھا کرتا تھا۔

”داستان ایمان فروشوں کی“ کے اس سلسلے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ محمد بن قاسم کے بعد ہندوستان میں اسلام کی شمع روشن کرنے والے سلطان محمود غزنوی کے جمیع حالات زندگی اور جہاد کی مکمل تفصیلات پیش کی جائیں تاکہ سلطان کے خلاف جو بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا گیا ہے۔ اسے افسانہ نہ سمجھا جائے۔

بعض قارئین نے سلطان محمود کی اس سلسلہ وار داستان کا موازنہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی کامیابیوں سے کیا اور دونوں میں ایک فرق کو محسوس کیا ہے۔ جواب میں عرض ہے کہ عام اور عقیدے کے لحاظ سے دونوں سلطان ایک جیسے تھے۔ سلطان ایوبی مسلمانوں کے خلاف لڑتا رہا اور سلطان محمود کی زندگی اسلام کے دوسرے بڑے دشمن ہندو کے خلاف لڑتے گزر گئی۔ دونوں کو یورپی مورخوں اور موجودہ دور کے جنگی مبصروں نے دنیا کے بہترین جرنیل کہا ہے۔ دونوں کٹر مسلمان تھے اور دونوں قرآن سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

دونوں میں جو فرق نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں نے جس جس ماحول میں جہاد کیا، وہ مختلف تھے۔ علاقے مختلف تھے جنگوں کے پس منظر مختلف تھے۔ سلطان ایوبی کے دور میں صلیبوں اور یوڈیوں نے اپنی زمین اور تربیت یافتہ لڑکیاں مسلمان علاقوں میں بھیج رکھی تھیں اور ان کے جاسوس بھی موجود اور سرگرم تھے۔ سلطان محمود کی کامیابیوں میں بہت کوئی ایسا ہندو جاسوس مرد یا عورت نہیں ملے گی جو غزنی کی سلطنت میں گئی ہو۔ مہاراجے اپنے جاسوس

غزنی نہیں بھیجتے تھے۔ اس کے برعکس ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں سلطان محمود کے جاسوس موجود رہتے تھے۔ یہاں کے مسلمان ان کی مدد کرتے تھے۔

دونوں سلطانوں کے جاسوسوں میں ایک فرق تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ایمان، کردار اور فرض کے پختے تھے۔ جہاں قربان کر دیتے تھے۔ ایک دوسرے کو دھوکہ نہیں دیتے تھے اور دشمن کے حسین حال میں کمر ہی آتے تھے۔ اس کے برعکس سلطان محمود کے بعض جاسوس ہندوؤں کے حال میں پھنس جاتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ہندوؤں کی شعبہ بازی تھی جسے آپ سرگرم کر سکتے ہیں۔ اُس زمانے میں ہندوستان کی ہار گری ساری دنیا میں مشہور تھی۔ اس شعبہ بازی میں لڑکیاں بھی بہت مال کی جاتی تھیں۔ سلطان محمود کے بعض جاسوس شعبہ بازی اور جادوگری کو ایک آدمی کی کرامات سمجھ لیتے تھے۔

ان کی ناکامی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں کچھ مسلمان راستے پر مسلمان تھے۔ وہ ہندو مہاراجوں کے درباری اور مخبر تھے اور اس طرح خامی دولت کما لیتے تھے۔ یہ لوگ غزنی کے جاسوسوں کو پکڑ دیتے یا اپنے ساتھ بلا لیتے تھے۔

یہاں کے ہندوؤں کے اندر کی دنیا طلسم ہوشیار سے کم نہیں تھی۔ مذہب کے پر سے میں بدکاری اور عیاشی ہوتی تھی۔ پنڈت مہاراجوں اور ان کی فوجوں کے بالائی افسروں پر چھائے رہتے تھے حکم پنڈتوں کا چلتا تھا۔ یہاں انسانی قربانی بھی دی جاتی تھی۔ پنڈت جس کسی لڑکے کی طرف اشارہ کر دیتے، اُس کے مال باپ کو وہ لڑکے پنڈتوں کے حوالے کر دیتی پڑتی تھی۔ غزنی کا جو جاسوس اس طلسم میں چلا جاتا، وہ اپنے فرض اور اپنے مذہب کو بھی بھول جاتا تھا۔ اس کے باوجود سلطان محمود غزنوی کا نظام جاسوسی بڑا کارآمد تھا۔ گو سلطان صلاح الدین ایوبی جتنا کارآمد نہیں تھا۔

ہم ہمارے تاریخ کی بہت سی کتابوں سے مدد اور خوشی سے مدد کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں میں میدان جنگ کے جو احوال و کوائف اور سلطان کی جو جنگی چالیں بیان کی گئی ہیں، وہ ہم نے اُس دور کے واقعہ نگاروں اور اس کے بعد کے جنگی مبصرین کی تحریروں سے حاصل کئے ہیں۔ ان میں کوئی بھی تفصیل میں گھڑت نہیں۔ ہمارا مقصد حقیقت کو سامنے لانا ہے اور ہم کہانی پر اس لیے پیدا کرتے ہیں کہ یہ ہے اور نوجوان بھی کبھی سے یہ ہیں اور غلط فہمیاں رفع ہو جائیں

نے اپنے بیٹوں کی پراسریت زندگی اور مشاغل پر نظر رکھنے کے لیے ترتیب یافتہ جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو سلطان کو باقاعدگی سے رپورٹیں دیتے رہتے تھے۔ کوئی شکایت بھی کوئی ناروا حرکت کرے، سلطان اُسے بڑی سخت سزا دیتا تھا۔ (یعنی رگدہری)

”سلطان اپنی پراسریت زندگی میں اسلامی اصولوں کی پابندی کرتا تھا۔“ (ابن الاثیر محلی) ”نہ نکاح کے خواہ صورت غلام ابوالخیر ایاز کے ساتھ سلطان محمود کی محبت کو شاعر دل اور قصیدہ گوؤں نے رومانی رنگ دیا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ ایاز بے شک خوبصورت تھا لیکن اس کے ساتھ سلطان کی محبت اُس کی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے تھی۔ ایاز کی قابلیت اور فرض شناسی سے متاثر ہو کر سلطان نے اُسے ایک صوبے کا گورنر مقرر کیا تھا۔“

(چهارمقالہ کلیات الطبر - فرخی - نظام سمرقندی - شیخ فرید الدین الطبر - زکریا محمود ایاز) ”سلطان جتنا دانشمند تھا، اتنا ہی بہادر تھا۔ میدان جنگ میں جہاں دشمن کا دباؤ زیادہ جتنا دہاں سلطان خود آگے ہو کر حملہ کرتا تھا۔ اُس کی ذاتی شجاعت کا اثر یہ تھا کہ اس کے سپاہی لڑتے ہوئے مالوس کن حالات اور دشواریوں میں بھی ایسی بے جگری سے لڑتے تھے کہ توقع شکست فتح بن جاتی تھی۔“ (آداب الملوک - غلپی)

”سلطان عدل و انصاف کے معاملے میں بڑا سخت تھا کسی کا اُس کے ساتھ خون کا رشتہ کیسی کا اور بچا عہدہ اور رتبہ سلطان محمود کے عدل و انصاف کو موڑ تو نہیں سکتا تھا۔ سلطان محمود کے اپنے بیٹے سٹو نے ایک تاجر سے قرض لیا اور مقررہ مدت گزر جانے پر ادائیگی سے پس کشش کرنے لگا۔ تاجر نے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ سٹو اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ سلطان کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اُسے عدالت میں نہیں بلایا جاتے گا۔ اُس نے قاضی پر قاضی کے سامنے جانے سے انکار کر دیا۔ سلطان کو اطلاع ملی تو اُس نے اپنے بیٹے کو گرفتار کر کے عدالت میں بھیجا۔ قاضی نے اس سے قرض واپس لے لیا اور جرم بھی کیا۔“ سیاست نامہ - غانی - فرخی سبط ابن الجوزی)

اعلیٰ نگین فوج کا اعلیٰ افسر تھا۔ اس نے اسلام کے منافی ایک حرکت کی سلطان کے حکم سے اُسے سرعام کوڑے لگائے گئے۔ (سیاست نامہ - غانی سبط ابن الجوزی) عامل نیشاپور نے اپنے رتبے اور سرکاری حیثیت کے رعب میں ایک عورت کے ساتھ

سلطان محمود غزنوی کے خلاف ایک اور الزام بھی ہے جس کا ذکر نصیبی کتابوں میں خاص طور پر لایا گیا ہے۔ یہ ہے فردوسی کا شاہنامہ۔ روایت ہے کہ محمود غزنوی نے فردوسی سے شاہنامہ لکھنے کو کہا اور بے دریغ انعام کا وعدہ کیا تھا مگر شاہنامہ لکھا گیا تو سلطان نے انعام کا وعدہ پورا نہ کیا۔ یہ غم فردوسی کو لے بیٹھا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان محمود شاہنامہ اپنی مدح میں لکھنا چاہتا تھا۔

غیر جانبدار مورخوں نے اس واقعہ کی تردید کی ہے تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ یہ واقعہ من گھڑت ہے۔ سلطان محمود کو اپنی مدح میں شاہنامہ لکھوانے کی فرصت اور جوش ہی نہیں تھی اس کی عمر ہندوستان میں ہندوؤں کے خلاف اور اپنے مال اقتدار پرست غداروں اور ایمان فروشوں کے خلاف لڑتے گزرتی۔

ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ سلطان محمود چاہتا تھا کہ ایسا شاہنامہ لکھا جائے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا اور آخر میں سلطان محمود کا ذکر اس طرح آئے کہ اُس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام کفرستان تک پہنچایا اور سلطان کا ذکر رسول کے غلام کی حیثیت سے آئے لیکن فردوسی نے جو شاہنامہ لکھا، وہ ہندوستان اور سلطانوں کی مدح سرائی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا چنانچہ سلطان محمود نے اس شاہنامہ کو قبول نہ کیا۔ بہر حال یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فردوسی کے شاہنامہ کا واقعہ سلطان محمود کو برا کر بے کے لینے لگتا تھا۔

سلطان محمود کے متعلق مختلف مورخوں اور تاریخ دانوں نے جو کچھ کہا ہے، وہ مختصر سے پیش کیا جاتا ہے:

”سلطان سب کا پکا تھا۔ اپنا ارادہ پورا کر کے رہتا، اور مخالفت کم ہی برداشت کرتا تھا لیکن اپنے افسروں کے مشوروں اور تجاویز پر اور اُن کے ذاتی مسائل اور امور پر غور کرتا اور کام کی کوئی تجویز نہیں کرتا تھا۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کے افسر اُس کا نام ہمیشہ احترام سے پکارتے رہے۔“ (ابن الاثیر سبط ابن الجوزی - یہی)

”سلطان خوش چشم پرور نہیں تھا۔ وہ وزارت اور دیگر عہدے صرف انہیں دیتا تھا جو ان کے اہل ہوتے تھے۔“ (یہی)

سلطان کے مات بیٹے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت کی وہ خصوصی نگرانی کرتا تھا۔ اُس

میتوں کو سلطان نے زندہ جلا دیا تھا۔ اس نے ہائی، قراسی اور بھائی فرقوں کی تمام کتابیں سارے ملک کی تلاشی لے کر جمع کیں اور آگ لگا دی۔ (ابن الاثیر ابن الجوزی، مجمل)

سلطان نے ہندوستان میں ہندوؤں کو کبھی بھی اسلام قبول کرنے کا حکم نہ دیا۔ یہ کام عالم اور مبلغ کرتے تھے جو سلطان کی فوج کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ اس نے ہندوستان میں ویران مسجدیں آباد اور شی مسجدیں تعمیر کیں اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ ہندوؤں کو اسلام سے روکنا شروع کریں۔ (ابو البیہقی، مولوی دکار اللہ، گروہ ۱)

"سلطان کی فوج میں جو ہندو دستے تھے، ان کے لیے غزنی میں اس نے مذہبی آزادی کا حکم دے رکھا تھا۔ اس سلوک سے متاثر ہو کر بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (المعارف، رسالہ الفخران)

سلطان محمود غزنوی کی تاریخ کو نسخ کر کے اسے رسوا کر کے اور زہر خواہرات کا اثر ثابت کرنے میں ہندوؤں کے علاوہ ان مسلمانوں کا بھی اہم حصہ ہوا۔ ان واقعات، زہر خواہرات اور سلطان کی خواہش مندرجہ ذیل ہیں۔

ہم دس کمائیوں کا جو مجموعہ پیش کر رہے ہیں ان میں آپ کو وہ نام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور آپ کی نوجوان نسل کے اس مطالبے کو پورا کرنے میں کوئی کمی نہ رہے۔ اس میں سنہی خیزی اور سپنس ہوا اور یہ جذبات میں عمل پیرا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کمائیوں اس قومی جذبے کو بھی زندہ و بیدار کریں گی جسے ہمارے ملک میں مذہبی لذت دینا کرنے والی فحش کمائیوں سے ختم کیا جا رہا ہے۔

عنایت اللہ

مدیر ماہنامہ "حکایت لاہور"

یہ فیصلہ کر لیا۔ عورت کے سلطان محمود سے شکایت کی۔ سلطان نے عامل فیشاپور کے ڈپٹی اور حیثیت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے سرعام کوڑوں کی سزا دی اور سرکاری حیثیت سے برطانت کو دیا۔ (سیاست نامہ، مجموعہ الانساب)

"سلطان محمود نے فخر پر خود ایک کتاب لکھی تھی اور علم کو دربار میں جمع کر کے ان سے فخر اور نظام شریعت پر کتابیں لکھوائی تھیں۔ (حاجی خلیفہ، امام محمود بن شہابان، حکایت السلاطین)

"سلطان مذہب کا پابند تھا۔ ناز باقاعدگی سے پڑھتا اور ہر صبح کا آغاز تلاوت قرآن سے کیا کرتا تھا۔ رمضان کے مہینے میں اپنی جائیداد کی مالیت اور نقد رقم پر اٹھائی فیصد کوٹہ ادا کیا کرتا تھا۔ کوٹہ کی رقم اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ کسی علاقے میں زلزلے اور سیلاب وغیرہ سے تباہی آجائے تو کوٹہ کی یہ رقم ہی متاثرہ علاقوں کی امداد اور آباد کاری کے لیے کافی ہو جاتی تھی۔ (فرخی، حاجی خلیفہ، امام مسعود)

"ذاتی حجب سے غریبوں اور معذوروں کی مدد کرتا تھا۔ طلبہ کو دیکھتے دیتا تھا۔ ہندوستان پر حملوں کے لیے جاتا تو بہت سے لوگ رضا کارانہ طور پر ساتھ چلے جاتے اور لڑائی میں جیتے جیتے تھے۔ سلطان ان رضا کاروں کو فوج کی خواہشوں کی نسبت زیادہ بخوار دیا کرتا تھا۔ (سبط ابن الجوزی)

"بڑائی کسی ہی خوفناک صورت کیوں نہ اختیار کرے اور دشمن کا دباؤ کتنا ہی کیوں نہ بڑھ جائے سلطان محمود تہم کر کے ناز پڑھ لیا کرتا تھا۔ وہ حج کے لیے ترستار ایکن چوڑیاں ایسی تھیں کہ اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ حاجیوں کے جو قافلے حج کو جاتے اور آتے تھے، ان کی حفاظت کے لیے فوجی دستے بھیجا کرتا تھا۔ یہ قافلوں پر حملے کرتے تھے۔ سلطان نے ڈیکوؤں کے سرداروں کے ساتھ یہ سودا کر لیا تھا کہ حاجیوں کے قافلوں پر وہ حملے نہ کریں۔ (ابن الجوزی، بحار غزنی کے خزانے سے رقم لے لیا کریں۔ (ابن الاثیر، فرشتہ)

"سنی عقیدے کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتا تھا۔ سلطان نے افسر مقرر کر رکھے تھے جو ان لوگوں کو سزا دیتے تھے جو سنی عقیدے کے خلاف کوئی نیا عقیدہ پھیلاتے پھرتے جاتے تھے۔ ہائی اور قراسی عقیدوں کے پیروکاروں اور مسلمانوں کو وہ بڑی سخت سزائیں دیتا تھا۔ پھر بھی باز نہ آتے تو انہیں سرعام سزائے موت دی جاتی تھی۔ باطل عقیدوں کے بعض

اور ایک بُت شکن پیدا ہوا

یکم نومبر ۹۷ مطابق ۱۰ محرم ۵۵ ہجری کے روز اُمتِ رسول اللہ کا وہ
بروہما پیدا ہوا جسے تاریخ بتائے لیکن کے خطاب سے پہچانی گئی ہے یہ تھا سلطان محمود
غزنوی۔

دن صدیاں گزر گئی ہیں محمود غزنوی کا نام زندہ ہے۔ وہ پیغامِ زندہ ہے جو وہ غزنی
سے لے کر اُس وقت ہندوستان میں آیا تھا جب یہ کفرستان تھا اور یہاں جہنم اور
اُس کے خداؤں کے بتوں کی حکمرانی تھی۔ یہ وہ عظیم پیغام تھا جو خدائے دوا بجلال
نے اپنے رسول کو غازی میں زیاہذا یہ پیغام ایک شمع تھی جسے غازی کی تاریکی نے نور
بخشا تھا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد خدا کے رسول ہیں۔ اور یہ بھی

کہ کوئی انسان کسی انسان پر حکومت نہیں کر سکتا۔
محمود غزنوی کا نام زندہ ہے، عظیم پیغامِ زندہ ہے، سوماتِ زندہ ہے، ہندوستان
کے وہ سارے مندروں کے بت کدے زندہ ہیں جن کے بت غزنی کے محمود نے توڑ
کر باہر پھینکے اور ان کے کباروں سے کہا تھا کہ سنی اور پتھر کے بت انسان کے برابر
ہو سکتے۔ ان میں خدائی کی ذرا سی بھی رست باقی ہے تو انہیں کہو کہ اپنے ٹوٹے ہوئے
مکڑے جوڑ کر میرے جہنم کے مکڑے کریں۔

بتوں کے مکڑے جڑنے کے محمود کے مکڑے ہونے کے محمود نے ان ٹکڑوں
کے اوپر سے اپنی فوج گزاری۔ پیادہ بھی، سوار بھی۔ اُس نے کھائیس میں بھی
یہ مظاہرہ کیا۔ سومات میں بھی کیا۔ جہنم کے خدا اسلامی فوج کے پاؤں تلے پس کر
سکی کے درے اور پتھر کے ریزے بن گئے۔

پتھر محمود غزنی میں مر گیا۔ ہندوستان کے مندروں کی گھنٹیاں اور گھنٹوں

اٹھے۔ جہنم نے ٹوٹے ہوئے بتوں کی جگہ نئے بت کھڑے کر دیئے۔

یہ ٹوٹے ایک ہزار سال بعد، دسمبر ۱۹۷۷ میں اسی ہندوستان سے، اسی بُت
کدے سے یہ آواز اٹھی۔ ہم نے اسلامی شجاعت اور روایات کا بت توڑ
دیا ہے۔

گزرے ہوئے ماہ و سال میں ہمارے کئی اور بت ٹوٹ گئے ہیں۔
ایمان کا بت، قوی کردار کا بت، وقار کا بت، روایات کا بت، اُمتِ رسول کی وحدت
کا بت۔ ہمارا کوئی بت سلامت نہیں رہا۔ جہنم کے بتوں نے جہنم کے بتوں نے
ہم پر ایسا ظلم طاری کیا ہے کہ ہم سب بھڑکھڑی مٹی کے بت بن گئے ہیں جنہیں خود
پیدا کردہ آندھیاں کھاتی اور اڑاتی چلی جا رہی ہیں۔

فہمیدیں جو محمود غزنوی نے سیاں بنائی تھیں وہ ویران ہیں۔
وہ بت خانے جو اُس نے ویران کیے تھے وہ آباد اور پُر رونق ہیں۔
اور بت یہ طعنے دے رہے ہیں کہ مُسلم کا خدا کوئی نہیں!

باطل کے بت کوڑنے والے کیسے ہوتے ہیں، حق کا بت کس طرح ٹوٹا ہے،
ان سوالوں کا جواب دھونڈنے کے لیے ماضی کے اُن تاریک گوشوں کو کھوجنا
ضروری ہے جن تک تاریخ کی آنکھ نہیں پہنچتی۔ اور چونکہ ان گوشوں تک تاریخ
کی آنکھ نہیں پہنچتی اور سچائی اُسی گوشوں میں ہوتی ہے، اس لیے باطل ان گوشوں پر
تاریکی کے زیادہ دیر پردے ڈال دیتا ہے کہ سچائی دبی رہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ باطل
شک کی تاریخ کا چہرہ سج ہوا اور آج کے دور کے دو گنڈ گونڈ تاریخ والوں نے بھی لکھ
دیا کہ محمود غزنوی کو زور و جاہلرت اور خزانوں سے لپکھی تھی، اور بت اس لیے توڑتا تھا
کہ ان کے اندر زور و جاہلرت اور بیش قیمت ہیرے بھرے ہوئے تھے جو ہندو عقیدت
کے طور پر ان میں ڈالے تھے۔ سومات کے بت کے متعلق بھگتوں کا کیا مگر غرض مسلم
موتوں نے کچھ ایسے کہ بت اندر سے کچھ کھلا نہیں نکھوس تھا۔ محمود غزنوی نے
اسے آٹھ ٹکڑوں میں توڑا اور باہر پھینکا جہاں اس کی فوج نے لغرت کے اظہار

کر اس حال تک پہنچا دو جہاں انسان کٹے کے منہ سے ہڈی چھین کر اپنے بھوکے بچے کے منہ میں ڈال دیا کرتا ہے۔

ایران کے اس بادشاہ نے عمل و انصاف کو ملک بدر کر دیا اور نوشیرواں غلام کے لگائے ہوئے شجر کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا اور اسکے خاندان کو مجبور کر دیا کہ وہ ایران سے نکل جائیں چنانچہ یہ لوگ ایران سے نکل کر ادھر ادھر پھیر گئے یروش سے فرس پر گرے توجہ دھر کو منہ آیا ادھر کا رخ کر لیا۔ دیو معاش نے انیس بکھیر دیا، خانہ بدوش کر دیا۔ انصاف کے علو دار بے انصافی کا شکار ہوئے بڑے مرتے گئے بچے جوان ہوتے گئے اور سلیس ردوش اور نمودار ہوتی ہیں۔

اسی نسل کا ایک شخص قرار اکرم بن قرار اسلان، گھٹا ہوا جوان چہرے پر بکا و اجلا کی غفلت کے نقوش نمایاں مگر سنگہ ست اور روزی کا ستلاشی بخارا کے ایک جنگل سے گزر رہا تھا کسی سٹو ٹھکانے کی تلاش میں جا رہا تھا ٹھک گیا اور ایک درخت تلے بیٹھ گیا قریب گھنی جھاڑیاں اور گھنے پڑتھے۔ ان کی اوٹ سے لٹے پتھوں کے بننے کھینے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک کو معلوم تھا کہ یہ کوئی خانہ بدوش خاندان ہے۔ وہ لیٹ گیا۔

بچے بننے کھینے دوڑ نکل گئے خاموشی طاری ہو گئی۔ اس خاموشی سے ایک مترجم آواز ابھری۔ آواز جوان تھی اور متحس بھی۔ کوئی صورت ظاہر نہ کر رہی تھی قرار اکرم پر وجد سا طاری ہو گیا۔ اس کی تھکن دور ہونے لگی۔ سستے سستے وہ بدک اٹھا اور اٹھ کر دوڑ پڑا بھاڑیوں سے گھوم کر ادھر گیا جہاں خانہ بدوشوں نے دو پتھر پڑنے، پیوند گئے خیمے لگا رکھے تھے ایک خیمے کے باہر ایک جوان لڑکی قرآن پڑھ رہی تھی۔ وہ اپنی آواز کی طرح دلکش اور حسین تھی۔ دو بوڑھے آدمی الگ بیٹھے ریتاں بنا رہے تھے چند عورتیں اور دو چار مرد بھی تھے۔ قرار اکرم کو دیکھ کر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ ان کے درمیان چلا گیا۔

”آپ کی اس بیٹی نے ایک آیت غلط پڑھی ہے۔“ اکرم نے بوڑھوں سے کہا۔
”بچہ اجازت ہو تو اس کی غلطی درست کر دوں؟“

کے لیے ان آٹھ کمزوں کے کئی ٹکڑے کیے، پھر پوری فوج انیس بیوی ہولی گزر گئی۔ باطل دروغ سے فروغ پاتا ہے، اور جب باطل شکوں کی اولاد دروغ کو برحق ملان لیتی ہے تو حق کے بت ٹوٹ جاتے ہیں۔

تاریخ کے تاریک گوشوں میں جھانکئے۔ ایک ہزار سال پہلے کے عینی شاہدوں کی تحریریں پڑھیے۔ یہ تحریریں کھنی کھنی سی ہیں مگر غور کرنا تو کہاں کی مکمل ہو جاتی ہے۔ بکھری بکھری کڑیاں بھی ملتی ہیں جنہیں ایک دوسری سے ملاؤ تو اس دور کے کئی واقعات کا پس منظر در روشن کی طرح چمکتا سامنے آ جاتا ہے۔ تاریخ لاچرہ بکاڑا نہیں جانتا، تاریخ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا جس مٹی میں شہیدوں کا خون اور مظلوموں کا خون ریز لیں جاتا ہے، اس مٹی کے ذرے بولتے ہیں شہیدوں اور مظلوموں کی رُو میں مٹی کو زبان دے دیتی ہیں۔ پاک مٹی کی آواز سننے کے لیے ایساں کی بھینٹ دے کر رہتے۔ اس آواز کو نہ کھینے کے لیے دل در مار میں اللہ کا نور ضروری ہے۔

ایساں کی بصیرت نہ ہو، دل در مار میں اللہ کا نور نہ ہو تو ہم اللہ کے دھکائے ہوئے اُن لوگوں میں شامل کر دیئے جاتے ہیں جن کے متعلق قرآن نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا اور دماغوں کو سرسہر کر دیا ہے کہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں آگ کا عذاب اور اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ عذاب کس قدر بھیانک ہے۔

۹۴۷ء دو چار سال پہلے یا دو چار سال بعد کا واقعہ ہے ایران کے بادشاہ نوشیرواں عادل کا سنہری دورِ مذہب گزری ختم ہو چکا تھا اور اس سرزمین پر اب اُن کی حکمرانی تھی جنہیں انصاف سے نفرت اور آسرت سے محبت تھی۔ وہ بادشاہ تھے اور انسانوں کو اپنا غلام سمجھتے تھے۔ انسانوں کو غلام بنانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ عدل و انصاف کی بساط لیٹ کر پھینک دو۔ رعایا کو بھوکا رکھو۔ انیس بات نہ کرنے درجی کا کلا گھونٹ دو۔ انصاف اس سے کہو جو بادشاہ کے گیت لگائے خوشامیوں کا نور پیدا کر دے۔ مشیر اور وزیر اسی نور سے منتخب کرو۔ انسانوں کو تنگدست رکھو

پرٹا کو جوا کرتے تھے جو قافلوں پر حملہ کر کے سردوں اور عورتوں کو کپڑا لاتے تھے خوبصورت لڑکیاں اسیروں اور بادشاہوں کے اسراؤں کے گھر میں حرموں کے لیے یا حرموں کی ملازمت کے لیے یا سامانوں کے لیے رکھی جاتی تھیں تجبہ خافوں والے بھی ان کے خریدار ہوتے تھے۔

”کبھی سائیںس کرخانہ بدوشوں کی کسی لڑکی نے کہنے سے انکار کیا ہوا، حکم نے کہا۔ آپ نے اس کی بات کیوں مانی؟“

”یہ ایسی باتیں کرتی ہے جن سے ہم ڈر جاتے ہیں۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔ ”تم جانتے ہو ہم لوگ مذہب کے اتنے پکے نہیں ہوتے کسی آدمی کو اس کی خوبصورتی کی قیمت اچھی مل جائے اور وہ اس قیمت پر بیوی کو طلاق دے دے تو اس آدمی کا کیا مذہب ہو سکتا ہے لیکن ہم مسلمان ہیں اسلامی اصولوں کے ہم پابند تو نہیں پھر بھی قرآن اور خدا سے ڈرتے ہیں یہ لڑکی کبھی ہمیں کوئی خواب سناتی ہے کبھی کہتی ہے کہ اسے جنگل میں ایک سفید ریش، نورانی چہرے والے بزرگ نظر آئے تھے اور کہتے تھے کہ کسی کی زر خرید لوٹدی نہ بننا، نکاح نہ بھو کر بیوی بنا کیونکہ تم اس بچے کو جنم دگی جو بچکلے ہوئے انسانوں کو راستہ دکھایا۔“ ایسے خواب ہر کوئی دیکھتا ہے۔ قرار حکم نے کہا۔ میں بھی ایسے خواب دیکھا کرتا ہوں۔“

”دو چاند پہلے کی بات ہے، ہم نے لڑکی کا سودا کر لیا تھا، ایک بوڑھے نے کہا۔ خریدار کے پاس رقم کم تھی۔ ہم نے سونے کے دینار مانگے تھے جو اس کے پاس پورے نہیں تھے۔ لڑکی کو ہم نے جسے کے اند بھرا کر دو آدمی پرے

پر رکھ دئے کیونکہ لڑکی کسی بھی کر بھاگ جاؤں گی، ہم نے پہرہ کھڑا کر دیا تو اس نے کہا۔ ”میری کوکھ سے ناجائز بچہ نہیں لے گا۔ اس سے پہلے تم سب سب تباہ ہو جاؤ گے۔“ ادھی رات کو ہم سب گھٹاؤں کی گرج سے جاگ اٹھے، بارش اتنی طوفانی کہ جسے ازاد کر گئے بجلی کرکے کئی توپل دہل گئے، پھر ایسی کرکڑی ہوئی کہ

وہ رات کے لیے رک گیا۔ وہ کوئی عالم فاضل نہیں تھا لیکن خانہ بدوش چونکہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ اس لیے ان میں وہ عالم گنا تھا۔ باتیں داستان گوئی کے انداز سے کرتا تھا سننے والے مسحور ہوئے جابجے تھے جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی مفضل کی رونق کم ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے عورتیں انھیں پھر مرد ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ آخر میں دونوں بوڑھے رہ گئے انہوں نے حکم سے ذرا زور دے کر کہا کہ وہ

ان کے ساتھ رہے۔ حکم نے محسوس کیا جیسے وہ اسے کسی ذاتی مقصد کے لیے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ وہ ان کے کس کام آ سکتا ہے۔

”ہمارے ہاں سردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی ہے۔ ایک بوڑھے لے کہا۔ مرد جتنے بھی ساتھ ہوں اچھا ہوتا ہے۔ ہمیں صرف درندوں کا خطرہ نہیں ہوتا، انسان درندوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ لڑکی جس کی آواز پر آدھراڑے تھے ہمارے لیے بڑی ہی نازک اور خطرناک ذمہ داری بنی ہوئی ہے۔ تم نہ اس کی جوانی اور اس کا حسن دیکھا ہے۔ ہمارے خاندان کے سارے مرد بیویوں والے ہیں۔ باقی سب بچے ہیں۔ اس لڑکی کے لیے ہمیں خاندان نہیں ملتا تم ہمارے ساتھ رہو اور اس کے ساتھ شادی کر لو۔“

”مجھ سے پہلے تمہیں باہر کا کوئی آدمی نظر نہیں آیا؟“ حکم نے پوچھا۔ ”مجھ جیسے کسی اور کو لڑکی کیوں نہ دے دی؟ باہر کا میں پہلا ہی آدمی سیان آیا ہوں؟“ ”آتے رہے ہیں۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔ مگر وہ خریدار تھے ایک دھڑ سے بڑھ کر بولیاں دے گئے ہیں۔ ہم نے ایک بد قیمت لے کر لڑکی دینے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر لڑکی نہیں مانی اس نے خود کشی کی دھمکی دی تو ہر چپ ہو گئے۔

”اُس دور میں امیر کبیر لوگ لڑکیاں خرید کرتے تھے۔ ایرانی اور ترک خانہ بدوشوں کی لڑکیاں زیادہ خوبصورت ہوتی تھیں اس لیے لوگ خانہ بدوشوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ لڑکیاں فروخت ہونے کو محبوب نہیں سمجھتی تھیں کیونکہ یہ رواج تھا خریدار انہیں باقاعدہ منڈی میں بیٹھتے تھے۔ غلاموں کی بھی منڈی لگا کرتی تھی۔ ترکوں اور غلاموں کے سوداگر عام طور

”میرے پاس لڑکی کی قیمت دینے کے لیے کچھ بھی نہیں“۔ قرار اہمک نے خالی ہاتھ دکھا کر کہا۔ آپ مجھے التکی راہ میں تو یہ لڑکی نہیں دیں گے؟“
”تمہیں ہمارے ساتھ رہنا پڑے گا۔ بوڑھے نے کہا۔ ہمارے خاندان میں ایک مرد کا اضافہ ہو جائے گا۔ ہر رات ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا ہے۔ لڑکی کو کم چھپا پھرتے ہیں۔ برو جتنے زیادہ ہوں گے خطرہ اتنا ہی کم ہوگا۔“

قرار اہمک کی شادی اس لڑکی کے ساتھ کر دی گئی۔
”تمہیں حاصل کرنے کے میں نے اپنی اور اپنی آزادی کی قیمت دی ہے۔“ پہلے رونا لگم نے اپنی بیوی سے کہا۔ میں اپنے آپ کو قید میں رکھنے والا آگئی نہیں میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میرے دل میں تمہاری اتنی محبت پیدا ہو گئی ہے کہ میں آگے نہیں جاسکتا۔ تمہارے چہلنے مجھے تمہارے متعلق سب کچھ بتایا تھا اور کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ شادی کروں اور میں رہوں۔ اگر کسی وقت میرا دل میاں سے اچاٹ ہو گیا تو میرے ساتھ چلی چلو گی؟“
”کیا میں نے آپ کو خدا اور رسول کے نام پر اپنا غاوند قبول نہیں کیا؟“
اس کی بیوی نے جواب دیا۔ ”میرا جینا سزا آپ کے ساتھ ہے۔ یہ لوگ اب مجھے اپنا قیدی بنا کر نہیں رکھ سکتے۔ میں نے آپ کو دیکھا تھا تو میرے دل نے کہا تھا کہ یہ آدمی تمہیں اپنی بیوی بنا نا چاہے تو اسے قبول کر لیتا۔“
”تمہارے تم کہتی ہو کہ تمہیں جنگل میں ایک سفید ریش نورانی صورت بزرگ ملے تھے جنہوں نے تمہیں کہا تھا کہ تم ایک بچے کو جنم دو گی جو بھٹکے ہوئے انسانوں کو راستہ دکھائے گا۔“

وہ سنس پڑی اور لولی۔ ”یہ میری خواہش ہے کہ ایسے ہی بچے کو جنم دوں۔ یہ خواہش اتنی شدید ہے کہ مجھے آوازیں سنائی دیتی ہیں کہ تیری نسل کا ایک آدمی جو تیرا جیسا بھی ہو سکتا ہے تیرے بیٹے کا بیٹا بھی ہو سکتا ہے راہ حق میں اتنا نام پیدا کرے گا کہ دنیا اسے بھول نہیں سکے گی۔“

ہم سب کی جینیں نکلی گئیں بسا تھ ہی سارا جنگل دن کی طرح روشن ہو کر اندھیرا ہوا۔ ایک درخت کا بہت بڑا شاخ کو کرکڑا گرا۔ پھر بار بار زمین اور آسمان روشن ہوتے اور بجلی کرکڑی تھی۔ چھینے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ سب جیتے چلتے اور بچوں کو ڈھونڈنا اور انہیں سینے سے لگاتے پھر رہے تھے صرف یہ لڑکی تھی جو بے خوف تھی ایک جگہ کھڑی چلا چلا کر کہہ رہی تھی۔ ”کوئی آدمی اذان دو جہاں جہاں ہو وہیں جمعے میں گر پڑے۔ میں کوئی اذان دینے لگے۔ باقی سب قیامت کی باتیں ہیں، پانی اور کیچڑ میں سجدے میں گر پڑے۔“

”طوفان بہت دیر بعد تھا۔ ہم نے اس سے زیادہ خوفناک طوفان بھی دیکھے ہیں۔ ہماری چھت آسمان ہے۔ آسمان ہی ہمیں لغتوں سے نوازتا ہے اور یہی آسمان ہم پر کبھی کبھی آفت بھی نازل کرتا ہے مگر ہم کبھی ڈرتے نہیں تھے۔ اس رات ہم نے دوں پر جو دھشت طاری ہوئی وہ کچھ اور معنی رکھتی تھی۔ صبح ہوئی۔ سب ایک جگہ ٹھہرتے درے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ لڑکی ہم سب کو قیام سہی لگا ہوں سے دیکھتی آہستہ آہستہ ہمارے آگے سے گزری اس کی آنکھوں میں جانے کیا اثر تھا کہ ہم سب نے نظریں نیچی کر لیں۔ ہمیں اس کی دھمکی یاد آنے لگی۔ ”میری کوکھ سے ناجائز پوچھ نہیں لے گا۔ اس سے پہلے تم سب تباہ ہو جاؤ گے۔“ لڑکی کے ہاتھ میں سی قرآن تھا جو یہ آج پڑھ رہی تھی۔“

”ہم نے خیمے سنبھالے۔ سلمان اکٹھا کیا اور اسے خشک کرنے لگے۔ بہت دیر بعد دو گھوڑے سوار آئے۔ وہ سونے کے دینار لے آئے تھے۔ انہوں نے پھلی ہمارے آگے پھینک کر کہا۔ ”گن لو اور لڑکی ہمیں دے دو۔ میں نے تھلا تھلائی اور گھوڑے سوار کو دے کر کہا۔ ”ہم لڑکی نہیں دیں گے۔ لے جاؤ اپنا سونا۔“ دوسرے گھوڑے سوار نے دو دینار اور میرے آگے پھینک کر کہا۔ ”اور بولو جو قیمت مانگو گے دیں گے۔“ ہم نے لڑکی نہ دی۔“

”یہ کس کی بیٹی ہے؟“
”یہ تمہارے ہے۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔ ”میری بیٹی ہے۔“

میرے دل کی آواز تھی جو مجھے ابھی گنتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری خواہش پوری ہو جائے گی۔
”دل سے یہ وہم نکال دو کہ تم ایسے بچے کو جنم دو گی جو بڑا ہو کر نام پیدا کرے گا۔“
”اچھا“ ایسی خواہشیں تمہارا دماغ غراب کر دیں گی۔“

اُس رات کا طوفانِ بادِ باران اور بجلی کا کوندنا محض اتفاق ہو سکتا تھا۔ یہ آسمانی آفت اس کے ذرا بعد آئی جب اس لڑکی کے خریدار آئے تھے اور لڑکی نے اپنے خاندان کو تباہی سے ڈرایا تھا لیکن یہ اتفاق جو خدا کا اشارہ بھی ہو سکتا تھا، کام کر گیا۔ دراصل حکمِ حقیقت پسند آدمی تھا۔ اس نے اسے کوئی معجزہ نہ سمجھا۔ البتہ اپنی بیوی کے متعلق اسے یقین ہو گیا کہ عقیقہ سے کی جاتی ہے اور اس کا حُسنِ جسمانی کم اور روحانی زیادہ ہے۔

”اچھا“ خاندان بدوشوں کے ساتھ رُٹا شادی کے دوسرے سال اُس کا پلا بچہ پیدا ہوا۔ اس کا نام انہوں نے سبکتگین رکھا۔ بچے کی ماں کا یہ وہم اور گہرا ہو گیا کہ یہ بچہ نام پیدا کرے گا۔ اچھا بعض اوقات اپنی بیوی کی باتیں سن کر سہنس پڑتا تھا۔
”تمہارا دل ابھی اس خاندان بدوش زندگی سے اجاٹ نہیں ہوا؟“ ایک مذکورہ جوان بیوی نے قرار اچھا سے پوچھا۔

”میرا دل تو اجاٹ نہیں ہوا“ اچھا نے جواب دیا۔ ”یہ سوچ آتی ہے کہ بچے کو میں اس جانوروں جیسی زندگی سے دور لے جاؤں۔ یہ کیا زندگی ہے جہاں دل کی طرح پیٹ بھڑا اور خطرہ سے بھاگتے پھرتا۔“

”میں جانتی تھی کہ میری خواہش بھی پوری ہوگی۔“ اس کی بیوی نے کہا۔
”میں تمہاری دنیا سے واقف نہیں کیا کوئی ایسی جگہ مل سکتی ہے جہاں پردہ بڑا ہو تو اسے کچھ بڑھایا لکھا جاسکے؟“
”کسی کے گھر کو کمری مل سکتی ہے۔“ اچھا نے کہا۔ ”خدا کی زمین تنگ نہیں ہے۔“

”تم نہیں جانتی کہ غریبوں کی اولاد باطل شکن نہیں شکم پرودہ ہو کرتی ہے۔“
”اچھا“ نے کہا۔ ”یہ کافی ہے کہ خود حق پر رہو اور باطل کی کشش سے بچو۔ جہاں رہنا خاندان بدوش ہو گا اُس کا بیٹا بھی خاندان بدوش ہو گا یا کسی امیر کے گھر کسی غلیظ کام پر لو کر ہو گا۔“
”تو کیا میں وہم میں مبتلا ہوں؟“

”خواہش جو پوری نہ ہو سکے وہم بن کر انسان کا دل بہلائے رکھتی ہے۔“ اچھا نے کہا۔

”اُس مذکورہ میری غلطی درست کرنے آئے تھے۔“ بیوی نے کہا۔ ”تم نے مجھے ان آیتوں کا ترجمہ سنایا کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ بتوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں میرے ساتھ ہو جائیں۔ میں آپ کو سیدھی راہ پر بنے چلوں گا۔۔۔۔۔۔ یہ الفاظ میرے دل میں اچھب گئے اس کے بعد میں قرآن میں پڑھ سکی یہ ایک آواز انسانی دیتی رہی کہ تو ایک ابراہیمؑ کو جنم دے گی۔ میں نے رات خواب میں ایک نورانی صورت بزرگ کو دیکھا۔ وہ تمہاری طرح میری ہی غلطی درست کر کے مجھے پڑھا رہے تھے جو تم نے درست کی ہے۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم خوبصورت بچہ بغیر عقل کے چاستی ہو یا بد صورت بچہ جو عقل والا ہو میں نے سنبھلا کر کہا کہ میں وہ بچہ چاہتی ہوں جو حضرت ابراہیمؑ کی طرح اسحاقؑ پرست ہو کہ اُس کا باپ حق پر نہ ہو تو اُس سے بھی الگ ہو جائے میں نے اس بزرگ سے کہا کہ خدا مجھے لڑکی دے تو وہ اتنی بد صورت ہو کہ کوئی خریدار اور کوئی راکو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔“

”تم اپنے قبیلے کے رسم و رواج کے خلاف کس طرح ہو گئی ہو؟“
قرار اچھا نے کہا۔ ”خاندان بدوشوں کی لڑکیاں فروخت ہونے کو ناپسند تو نہیں کرتیں۔“
”مگر انہیں میرے دل میں یہ بات کیوں پیٹھ چھٹی تھی کہ میں شادی کر کے ایک اچھا کی بیوی بن کے رہوں گی۔“ بیوی نے جواب دیا۔ ”مجھے کسی نے کوئی سبق نہیں دیا۔“

انکم نے اُس سے پوچھا۔ اُسے ایک ہاتھ پر اٹھایا، اور دیا میں اتر گیا۔
بچے کو پانی سے اوپر رکھا۔ وہ ایک ہاتھ اور ہاتھوں سے تیرنے لگا۔ اس کی بیوی
بھی دریا میں اتری۔ دریا کا رخ ادھر ہی تھا جدھر وہ جا رہے تھے۔ سواروں
نے گھوڑے کنارے پر روکے اور انہیں لٹکا کر اُگمرودہ دریا کے وسط میں چلے
گئے تھے۔ اس کے پانی کُھ گہرا تھا۔ وہ گل گئے۔

ایک شہر میں وہ داخل ہوئے تو ہر کسی کی نظریں ان پر اٹھتی تھیں۔ یہ
الحکم کی بیوی کی کشش تھی چونکہ کپڑوں سے دونوں غریب اور پرہیزی لگتے تھے
اس لیے لڑکیوں کو اور زیادہ خوبصورت لگتی تھی۔ محلہ کی بیبی کو کورلوں کے
داموں فرید بھی جاسکتا ہے اور اُسے بے خوف و خطر اغوا بھی کیا جاسکتا ہے۔
یہ اس لڑکی کی خوبصورتی کا ہی کرشمہ تھا کہ قرار انکم کو گھوڑوں کے ایک بہت
بڑے سوداگر کے محل جیسے مکان میں ملازمت مل گئی۔ ملازمت کے ساتھ اُسے
اصطبل کے ساتھ ایک جھونپڑا بھی دے دیا گیا۔ الحکم اصطبل میں کام کرنے لگا۔
اس کی بیوی بچے کی خاطر جھونپڑے میں رہتی لیکن اُسے زیادہ دن فارغ نہ
رہنے دیا گیا۔ اُسے محل میں کام کرنے کے لیے بلایا گیا۔

اُسے ایک بڑھیا کے سپرد کیا گیا جس نے اُسے سٹایا اور اسے اپنے پاس
سے ایسا لباس پہنایا جس میں اُس کے بازو اور پرستے گردن اور سینے کا بالائی
حصہ ٹہاں رہے۔ یہ شہزادیوں کا لباس تھا جو اُسے پسند نہ آیا لیکن بڑھیلے
اُسے کہا کہ آغا گندی خادمہ کو پسند نہیں کرتے۔ اس نے یہ لباس پہن لیا اس
میں اُسے خود شک ہونے لگا کہ وہ خانہ بدوشوں کی بیٹی نہیں۔ اس کے بال ہل
کر نکھرے اور اُس کے شانوں پر بکھرنے لوائے پتہ چلا کہ اُس کے بال ریشم جیسے
علامہ اور چمکدار ہیں۔

بڑھیا اُسی وقت اُسے آنا کے پاس لے گئی۔ ادھر عمر آنا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
اُس کے اشارے پر بڑھیا بائیں بل گئی۔ آقا نے لڑکی کو قریب بیٹھنے کو کہا۔ لڑکی کھڑی

پس نے بچہ دیا وہ اس کی ریزی بھی دے گا۔
”مگر میں چوری چھپے یہاں سے نکھن پڑے گا۔“ بچے کی ماں نے کہا۔ ”یہ لوگ
تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ تم مجھے شہت لے جا رہے ہو۔ تمہیں انہوں نے
میر کی قیمت کے طور پر اپنے ساتھ رکھا تھا۔... میں تمہیں طریقہ بتاتی ہوں۔ کل صبح کنڈیا
چھنے کے بہانے نکلیں گے پھر واپس نہیں آئیں گے۔“

انہوں نے ایسے ہی کیا۔ اُس دن بچے کی عمر چھ ماہ ہو چکی تھی۔ میاں بیوی بچے
کو اٹھا کر سب کو یہ بتا کر گئے کہ لڑکیاں چھنے جا رہے ہیں۔ دوپہر تک واپس نہ آئے
تو بڑھوں کو شک ہوا۔ انہوں نے روتاؤں کو گھوڑوں پر سوار کر کے ان کی
تلاش کو روانہ کر دیا۔ ایک شک تو یہ تھا کہ ڈاکوؤں کے ہتھے نہ چڑھ گئے ہوں۔
لڑکی کا حُسن اس کے لیے بہت بڑا خطرہ تھا۔ اتفاق سے کسی مسافر نے گھوڑوں
کو بتا دیا کہ اس نے ایک آدمی اور بڑی خوبصورت جوان لڑکی کو دھتیا بچہ اٹھاتے
غلاں طرف جاتے دیکھا ہے۔

انہوں نے اس شک پر ادھر کو گھوڑے دوڑا دیئے کہ الحکم اُن کی لڑکی کو
کہیں اور لے جا رہا ہے۔ الحکم اُذا اس کی بیوی پیدل جا رہے تھے۔ راستہ ناموار
اور دشوار تھا۔ ان کے ایک طرف دیا تھا۔ انہیں گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں
سنائی دیں۔ گھوم کے دیکھا۔ وہ گھوڑے سرپٹ دوڑے آ رہے تھے۔ ذرا اور
مہنے انہیں پہچان لیا۔ سواروں نے تلواریں نکال لی تھیں۔ اس
سے کا پیر چل گیا۔ الحکم نہتہ تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی کہ ہتھیار ساتھ
نہیں لایا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔

دوڑتی ہوئی کوڈ جاؤ بیوی نے کہا۔
”پانی گہرا ہے،“ الحکم نے کہا۔ ”تیر بھی ہے۔ وہ گھوڑے دیبا میں ڈالیں
جے۔“

”میں کستی ہوں دیبا میں کوڈ جاؤ۔“ بیوی نے یوں کہا جیسے اُسے خدا
سے اشارہ ملا ہو۔ بچے کو تم کپڑوں میں اس کے بغیر تیر سکوں گی۔“

میں معصومیت اور اپنے خوابوں کو بچائیں سکی تھیں، انہوں نے اس لڑکی کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ فیصلہ تو خدائے ذوالجلال کا تھا کہ اس بچے کی ماں گناہ کے پرستاروں سے محفوظ رہے۔ اس کے لیے خدائے ان دو عورتوں کو سبب بنایا جو گناہوں میں ڈوب چکی تھیں یہ انکم کی بیوی کے ایمان کا اثر تھا۔

”میں زیادہ دیر یہاں رکھ نہیں سکتی۔ اس سے زیادہ کچھ بتائیں سکتی“ عورت نے کہا۔ ”فوراً چل جاؤ۔“ اور وہ چلی گئی۔

انکم نے حیرت سے اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ بیوی نے اُسے بتا دیا کہ آج دن اس پر کیا لڑی بنے مگر انکم سوچ میں پڑ گیا۔ بیوی نے اسے کہا کہ اٹھ چلیں۔ انکم چلنے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے بیوی سے کہا کہ یہ عورت اس گھر کی خادوم معلوم ہوتی ہے۔ یہ کسی اور نیت سے یہاں آئی تھی۔ انکم نے کہا کہ وہ آقا سے ملے گا۔ بیوی جلد کرنے لگی کہ انہیں یہاں نہیں رکنا چاہیے۔

وہ دو آدمی جنہیں قتل اور اغوا پر مامور کیا گیا تھا شرب پی رہے تھے۔ ہتھیار ان کے پاس تھے۔ ایک غریب کا قتل اور اس کی بیوی کو اٹھا لانا ان کے لیے کوئی مہم نہیں تھی۔ انہوں نے شام سے پہلے جھوٹری دیکھ لی تھی۔ انہیں کسی قانون کا ذریعہ نہیں تھا۔ وہ خوش تھے کہ انہیں انعام ملنے کا ذریعہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ لٹھے اور انکم کی جھوٹری کی طرف چل پڑے۔ وہ ہنستے کھیلتے جا رہے تھے جھوٹری کا دروازہ بند تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم لڑکی کو پکڑ لیتا۔ اُس نے دروازہ کھولا۔ ”اے راندھیرا تھا۔ ایک نے گرج کر کہا۔“

”اٹھنا دے۔“ مگر اندھیرے میں کوئی نہیں ہوئی جو اب میں کوئی آواز نہ سناؤں۔ دی۔ انہوں نے ایک بار پھر لالکا۔ اب کے بھی خاموشی رہی۔ اندھیرے میں ٹھنڈاواں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ شاید غلط جھوٹری میں آگئے تھے۔ وہ دوسرے جھوٹری سے دیکھنے چلے گئے۔

انکم اور اس کی بیوی شہر سے چل گئے تھے۔

”ہم پر خدا کی زمین تنگ ہو گئی ہے۔“ انکم نے کہا۔ اس کے لیے جس میں ماویسی تھی۔ ”ماویس نہ ہو میرے بچے کے باپ۔“ اس کی بیوی نے کہا۔ ”تم یہ تو نہیں مانتے کہ مجھے خدا کی طرف سے اشارے ملتے ہیں۔ مجھے خدا کی ذات پر یہ اقتدار ہے کہ ہم گناہگار نہیں تو ہمیں سزا نہیں مل سکتی۔ میرے دل میں کوئی خوف نہیں۔ میں نے اُس بچے کو جنم دیا ہے جس کا اشارہ مجھے قرآن سے ملا ہے۔“

”تم باطل ہو۔“ انکم نے اسے غصے سے کہا۔ ”خدا ہم پر اسی لیے ناراض ہے کہ تم دعویٰ کرتی ہو کہ تم نے پیغمبر کو جنم دیا ہے۔ جیسا خدا سے نکل دو قرآن کو تو عینہ سمجھو۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ تم سے شادی کر لی ہے۔ بیوی بد صورت ہو تو اچھی رہتی ہے۔ سب اب میں تمہاری حفاظت کروں یا کہیں کام کر کے تمہارا پیٹ بھروں۔“

”میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔“ اس کی بیوی نے کہا۔ ”تم قرآن کے معنی بھی جانتے ہو اور ایسی باتیں کرتے ہو۔“

انکم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے دل پر افسوس اور غصے کا قبضہ تھا۔ اس نے مذہب اور خدا سے رشتہ توڑ دیا تھا۔

”واپس چلے چلیں۔“ انکم نے پوچھا۔ ”کہاں؟“

”تمہارے قبیلے میں۔“ انکم نے جواب دیا۔ ”وہ لوگ وہیں ہوں گے یا کہیں ہوں جائیں گے؟“

”پھر کہوں نہ گھوڑوں والے آقا کہہ اس چلے جائیں۔“ اس کی بیوی نے کہا۔ ”میں اپنے جسم سے تمہیں بہت دولت کما دوں گی۔ تم آنکھیں بند رکھنا یہی سمجھتے رہنا کہ تمہاری بیوی نیک اور پاک ہے۔ کیا تم مرد ہو؟ کیسے مرد ہو؟ میں اپنے بچے کو تمہیں سروسنیں بخشنے دوں گی۔“

”پس یہ دعا کر دو کہ بچہ زندہ رہے۔“ انکم نے غصے سے کہا۔

”بچہ زندہ رہے گا، اور ایک روز ابراہیم کی طرح تمہیں کے ٹاکر میرے باپ! جو علم مجھے ملے گا۔ وہ خدا نے تمہیں نہیں دیا میرے ساتھ کچھ اور۔ میں تمہیں یہ سہرا دے

اس نے کبھی عالم کا نام لے کر کہا۔ اُسے ان کی شاگردی میں بھلاؤ۔ اگر بچے کی پہچانی نہ کبھی تو یہ یاگل ہو جائے گا۔ اس میں سپاہیانہ جوہر بھی ہیں۔ علم کے ساتھ اگر اس نے سپہ گری سیکھ لی تو یہ بچہ تمام پیدا کرے گا۔ یہ دودھ جگ و جگ کا ہے۔ مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں اور کفار مسلمانوں کو غلام بنانے اور اسلام کو مٹانے کی ترکیبیں کر رہے ہیں۔ غریبوں کی قسمت اتنی اچھی تو نہیں ہوتی لیکن اس بچے کو موقع مل جائے تو یہ کسی خطے میں اللہ کی حکمرانی قائم کر دے گا، مگر اسے ایسا موقع مل نہیں سکے گا۔ یہ عمل و انصاف کی باتیں کرتا ہے۔ میں نے اسے ایسا سبق کبھی نہیں دیا تھا۔

”یہ سبق اسے میں نے دیا ہے۔“ قرار اکرم نے کہا۔ ”میں کم علم انسان ہوں۔ میں ایرلنڈ کے بادشاہ نو شروال عادل کی نسل سے ہوں۔ باپ دادا مجھے اُس دند کی جو باتیں سناتے تھے وہ میں اس بچے کو سناتا رہتا ہوں۔ قرآن میں بھی اس نے یہی پڑھا ہے۔“

”اے بھارالے جاؤ۔۔۔ امام نے کلمہ میں خط لکھ دیتا ہوں۔ وہاں نہیں بڑا اچھا ذریعہ معاش بھی مل جائے گا۔۔۔ اور خیال رکھنا۔ اکیلے نہ چل پڑنا۔ ان علاقوں میں ڈاکوؤں اور رہزنوں کا بہت خطرہ ہے۔ تمہارے پاس کوئی دولت نہیں لیکن تساری بیوی بہت قیمتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیوی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ بچے بھی اٹوا ہوتے اور غلاموں کی منڈی میں فروخت ہو جاتے ہیں۔ تھوڑے دن ٹرک جاؤ۔ کوئی قافلہ تیار ہو جائے تو اس کے ساتھ جانا۔“

اُس زلمے میں لوگ ڈاکوؤں سے بچنے کے لیے قافلوں کی صورت میں سفر کیا کرتے تھے۔ اکیلے دھکیلے مسافر رہزنوں کے ہاتھوں لٹ جاتے تھے۔ کبھی بھی قافلوں پر بھی حملے ہوتے تھے لیکن تانے والے بن کر مقابلہ کرتے، باقاعدہ سوکر لڑا جاتا اور بچ نکلنے کی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔ خوبصورت عورتوں اور کمسن بچوں کو فروخت کیا جاتا تھا جن حکموں اور بادشاہوں کو ڈاکوؤں کا قلع قمع کرنا چاہیے تھا دی ان کی انگوٹھی ہوتی عورتوں اور بچوں کے خریدار ہوتے تھے۔ امام نے ٹھیک کہا تھا۔ حکم کی بیوی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کا بچہ کسی کی وجہ سے ایک دولت تھی جو اکیلے سفر کرتے نہ لٹ سکتی تھی۔

یہ لے جاؤں گا۔ وہ کچھ نہ کچھ بولتی رہی اور دونوں چلتے گئے۔ اس کی حالت نہایت ہی ہلکی جابری تھی جیسے زبان بے قابو ہو گئی ہو۔ حکم پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اُس رات سے ان کی ننگی خانہ بدوشی کی صورت اختیار کر گئی۔ فرق یہ تھا کہ وہ جنگلوں کی بجائے شہروں میں رہتے تھے۔ حکم کو کہیں نہ کہیں نوکری مل جاتی تھی۔ سال در سال کچھ کم کر رہے کہیں اور چلے جاتے تھے۔ پچہ چار سال کا ہوا تو اس کی ماں نے حکم سے کہا کہ اب کہیں مستقل ٹھکانہ نہ کریں جہاں بچے کو کسی مسجد یا کسی استاد کے پاس بٹھا دیا جائے ورنہ یہ بھی بڑا ہو کر ہماری طرح در بدر مارا مارا پھرتا رہے گا۔ ایک آدھ سال پہلے ان باپ نے بچے کو قرآن کے سبق دینے شروع کر دیے تھے۔ ان بچے کو بڑی عمدہ سے دیکھتی رہتی تھی۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ بچہ اسی عمر میں عقل کی باتیں کرنے لگا تھا۔ سبق میں پوری دل چسپی لیتا تھا۔ ماں اسے حاف تھرا رکھتی تھی۔

کبھی قصے میں ماں کی خواہش بھی پوری ہو گئی۔ وہاں اک مسجد کے امام نے بچے کو اپنی شاگردی میں لے لیا۔ بچے کی ماں اور اس کا باپ امام کی خدمت اور مسجد کے کچھ بھلا کر رہے گئے۔ امام جب پہلے روز بچے کو پڑھانے لگا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ کسی نام بچے کو لاسبق نہیں دے رہا۔ حکم مذہبی تعلیم کے پہلے مرحلے سے بچے کو گزار لایا تھا۔ ان کے اگلے مرحلے میں لے گیا جہاں پانچ چھ سال کی عمر کے بچے سن رہے تھے۔ بچہ جو سوال پوچھتا تھا، ان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنی پیدائش کے ساتھ خدا کے کچھ علم بھی لایا تھا۔ یہاں بچے نے کم و بیش چار سال تعلیم حاصل کی۔

بچے کی عمر دس گیارہ سال ہو چکی تھی۔ وہ قرآن اور اس کی تفسیر اور حدیث پڑھ چکا تھا۔ اس نے اپنے استاد سے مزید تعلیم لینا چاہی تو انہوں نے کہا۔ ”یہاں میرا علم ختم ہو گیا ہے۔“ بچہ ایک سوال پر سر ہچکچاتا تھا۔ ”میرا تفسیر عمل کے مکمل ہو سکتا ہے، اللہ اور اس کے رسول کا پیغام بزرگ و شیر جاہز ہے، میں ساری دنیا میں قرآن کا پیغام کہیں طرح پہنچا سکتا ہوں۔“ اور ایسے بہت سے والے تھے جو بچہ پوچھتا تھا اور امام پریشان ہو جاتا تھا۔ قرار اکرم اُ۔۔۔ ایک مذہب امام نے بچے کے باپ سے کلمہ بچے کو بھارالے جاؤ۔۔۔

کئی قافلہ سوار نہ ہوا، ایک قافلہ وہاں سے گزرا جس میں مدین سومرد، خود تیس اور بچے تھے۔ ان میں زیادہ تر سوار تھے تو اپنے محافظ ساتھ لائے تھے۔ وہ بلخ اور بخارا جا رہے تھے۔ الحکم اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ قافلے میں شامل ہو گیا۔

سفر کی پہلی رات آئی قافلے نے ایک وادی میں پڑاؤ کیا۔ کھانا پکا سب نے کھایا اور دن کی مسافت کے تھکے ماندے مسافر سو گئے۔ تین چار آدمی میرے پر کھڑے کر دیے گئے تھے۔ پہرہ دار چٹانوں پر اونچے گاہ کے ارد گرد گھوم پھر رہے تھے۔ اُسی رات کے قریب انہیں گھوڑوں کے باپ سائل تھے جو ان کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ پہرہ داروں نے کانوں میں تیر ڈال لیے اور چند ایک ایسے آدمیوں کو جگایا جو جوان تھے قریب آنے والی آواز میں کسی قافلے کی نہیں تھیں یہ کسی محاذ کو جاتی ہوئی فوج ہو سکتی تھی یا ڈاکو۔

وادی میں مشعلیں نظر آئے لگیں یہ سواروں کے ہاتھوں میں تھیں۔ سواروں نے قریب آ کر گیندوں اور پھیلوں کی طرح جینا شروع کر دیا اور گھوڑوں کو مار ڈگادی۔ پہرہ داروں نے تیر چلا دیئے۔ ایک دو سوار گرے لیکن ڈاکو طوفان کی طرح آئے بعض مسافروں کو جا گرنے کی بھی سہلت نہ ملی۔ وہ گھوڑوں تلے پھلے گئے۔ قافلے میں جوڑنے کے قابل تھے، انہوں نے مقابلہ کیا، ڈاکوؤں نے شعلیں پھینک دی تھیں جو زمین پر پڑی جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں ساری وادی نظر آتی تھی۔ ماؤں نے بچوں کو سینوں سے دھکیا اور جدھر نہ آکا بھاگ انہیں بعض بچے جیسے چلائے اکیلے اکیلے بھاگ اُٹھے۔ الحکم نے اپنی بیوی کو بازو سے پکڑا اور اسے کسی طرف گھسیٹ کر لے گیا۔ پورا ان کے ساتھ چلا تھا لیکن الحکم اپنی بیوی کو بڑی مشکل سے ایک چٹان کے پیچھے لے گیا تو وہاں دیکھا کہ پورا ان کے ساتھ نہیں ہے۔ ماں نے دادیلاپا کیا تو الحکم نے اسے سنٹی سے کہا کہ وہ خاموشی سے چھپی رہے ورنہ ڈاکو اسے پکڑ لے جائیں گے اسے چھائیوں میں چھپا کر الحکم اپنے بچے کی تلاش میں نکلا۔ وہ خال ہاتھ تھکا گے بڑھنے سے ڈرتا بھی تھا خیر گاہ میں قتل و غارت ہو رہی تھی۔ عورتیں چیخ رہی تھیں۔ بچے چلا رہے تھے ڈاکو

گھوڑوں سے اُتر آئے تھے۔ اور وہ سامان سمیٹ رہے تھے، آدراں میں سے بعض اپنے کام کی عورتوں اور بچوں کو لے جا رہے تھے۔

ڈاکوؤں کے گھوڑے چلے گئے، آدراں کے ساتھ قافلے کے گھوڑے اور اونٹ بھی چلے گئے۔ رات گزر گئی۔ صبح بچے کھکھے لوگ جو رات ادھرا ادھر چھپ گئے تھے، باہر آئے خیر گاہ میں لاشیں پھری ہوئی تھیں قیمتی سامان اور تمام جانور غائب تھے کچھ بچے مرے ہوئے اور کئی لاپتہ تھے، آدراں عورتیں صرف وہ موجود تھیں جنہیں بھاگنے اور چھپنے کا موقع مل گیا تھا۔ ان میں الحکم کی بیوی بھی تھی۔ وہ دیوانگی کے عالم میں اپنے بچے کو دھونڈ رہی تھی۔ اُسے پرتو نہ ملا، اپنے کا باپ بل گیا مگر وہ نہ سنیں تھا۔ اُس کے پیلوں پر بھی پرتو نہ لگی تھی۔ لاش خون میں لت پت تھی۔ بیوی ہلکا ہی باغل ہوئی، لاشوں کو پکھڑے ہوئے سامان اور گرے ہوئے حصین کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ ہر کسی سے پوچھنے لگی۔ ”تم نے میرا بچہ دیکھا ہے؟ سب سے زیادہ خوبصورت تھا۔“

وہاں سب کی حالت یہی تھی۔ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ چٹانوں پر چڑھی، اتری، جھاڑیوں کو ٹوٹی پھرتی، اوادلوں میں بھاگتی پھری، اس کی دلدوز اور گہراش آواز دور دور تک سنائی دیتی تھی۔ ”سیکھیں... سیکھیں... آجادر ایسی ماں کے پاس آجادر۔“

لشہر انا قافلہ خوف سے کانپا، آہ وزاری کرتا چل پڑا چلا گیا اور دھواں میں غائب ہو گیا۔ پیچھے جب گدھوں، بھڑوں اور گیندوں نے لاشوں اور جان بلب زخمیوں پر ہل بولا، اوادلوں میں ایک نسوانی پکار سنائی دے رہی تھی۔ ”سیکھیں... سیکھیں۔“ اور جب دو چادر و زلف وادیاں پھری ہوئی بڑیاں رہ گئیں تو بھی یہ نسوانی پکار سنائی دیتی رہی۔ ”ایسی ماں کے پاس آجادر... سیکھیں... سیکھیں۔“

اس راستے سے گزرنے والے قافلہ ڈاکو، بہن اور فوجی بہت مدت تک یہ پکار سننے رہے۔ انہوں نے کئی کسانیاں گھیر لیں اور اس آواز کو کسی کی بدروح کر کر ادھر سے گزنا چھوڑ دیا۔

کبھی کے پاس نہیں رہی.... بولو.... تازہ مل رہے ہیں ایک سوینار.... بہت مٹھوڑے ہیں.... بولو“

یہ لڑکیاں غلام ہو رہی تھیں۔ غریب لڑکیاں برباد ہو رہی تھیں۔ قحب خانوں والے، رانکوں کو قفس اور گانا سکھانے والے اور ان میں اسرافہ را اور حاکموں کے حرموں کے کارندے بھی تھے۔

اس سے ذرا پرے ایک اور منڈی مٹی ہوئی تھی یہاں آدمی فروخت ہو رہے تھے۔ ان میں بچے بھی تھے۔ غریب لڑکیوں کو دیکھ کر بچے تھے جس طرح مویشی خریدنے سے پہلے دیکھے جاتے ہیں قیمت بکوں کی زیادہ تھی۔ یہ آٹھ دس بچے تھے۔ سب دوسرے تھے۔ ان کی عمریں آٹھ سے بارہ تیرہ سال تک تھیں۔ صرف ایک بچہ ایسا تھا جس کی اسکھوں میں آنسو نہیں تھا۔ چہرے پر اداسی تھی۔ یہ سب بچے اُس قافلے سے اٹھائے گئے تھے جس کے ساتھ انکم اپنی بیوی ادب بچے کے ساتھ جلا تھا۔ عورتیں بھی اسی قافلے کے ساتھ تھیں۔

یہ بچہ جو روٹیں رہا تھا دوسروں سے زیادہ خوبصورت تو نہیں تھا لیکن دوسروں کی نسبت اچھا لگتا تھا۔ اس کی عمر بارہ سال کے لگ بھگ تھی۔ غریب لڑکیوں میں حاجی نصر نام کے ایک بڑے آدمی کے نوکر بھی موجود تھے۔ انہیں کسی وقت حاجی نصر نے لے لیا تھا کہ وہ بچہ لڑکے غلاموں کی بجائے دو چلنے والے غریب بچے تھے۔ اس نے ہر ایک بچے کو دیکھا ان میں دھلا جاسکے اور وہ بڑے ہو کر فلاح رہیں۔ اس کے ان خاص آدمیوں نے بچوں کو دیکھا تو فوراً حاجی نصر کو اطلاع دی۔ وہ آیا اُس نے ہر ایک بچے کو دیکھا ان کے رونے سے وہ گھبرا گیا۔ اسے یہ پتہ چلا کہ اس بچہ کا نام اس تھا، روٹیں رہا تھا۔

”ان رونے والے بچوں میں خوبصورت بھی ہیں مگر انہیں بھلا، آسان نہیں ہوگا۔“

حاجی نصر نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ”یہ بچہ لے لینے میں“

اُس نے بچہ غریب لیا۔ بچہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ بچہ کو کشتی لے گیا۔

”ناراض کیا ہے بچے؟“ گھر لے جا کر حاجی نصر نے پوچھا۔

”بچہ نہیں“

قرآن حکم لگا تھا۔ زندہ ہوتا تو اپنی بیوی کو وہاں سے گھسیٹ کر لے جاتا اور اسے بتا کر غریبوں کے بیٹے بادل شکن نہیں شکم پر درہوا کرتے ہیں۔ تم دل میں جس خواہش کو جگر کے خون سے پیکتی رہی ہو وہ پوری ہونے والی تھی ہی نہیں۔ یہ خواہش وہم بن کر تھیں کبھی سفید ریش اور نورانی چہرے والے بزرگ کی صورت میں نظر آتی رہی کبھی تم نے خواب دیکھے اور انہیں حقیقت سمجھ لیا جہاں دولت، دھوکے اور گناہ کی حکمرانی ہوتی ہے وہاں عقل و دانش والوں کی قسمت سو جاتی ہے۔ نام وہ پیدا کرتے ہیں جن کے پیٹ بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ میرے بچے کی ماں! قرآن کے اشارے ہم جیسے خانہ بدوشوں کے بچوں کے لیے نہیں ہوتے۔

”خواہش تھی مادہم خواب تھا، حقیقت، جو کچھ بھی تھا۔ قرآن حکم کی بیوی کے ساتھ چلا گیا تھا، اور اس یار میں منہ آتا تھا۔“ ”بچہ نہیں“ جسے لوگ کسی کی بدروح کی آواز سمجھتے رہتے۔ پھر یہ ماں اور اس کی پکار تاریخ کی تاریکی میں گم ہو گئی۔

اسلام نے غلاموں کی خرید و فروخت اور کسی کو غلام بنا کر رکھنے کی ممانعت کر دی تھی مگر یہ احکام خلافت راشدہ سے آگے نہ چل سکے۔ خلافت تو قائم رہی مگر شہنشاہیت کی صورت اختیار کر گئی۔ پھر سازشوں کا مرکز بنی۔ سلطنت اسلامیہ ملکوں اور استوں میں بٹ گئی اور خلافت برائے نام رہ گئی۔ خلیفہ کی کوئی قوت نہیں تھی۔ کسی کا بھی چاہتا تو خلافت کا احترام کرنا تھا۔ ورنہ سن مانی کا دور دورہ ہوتا۔ حرم اور غلامی کی بدلتیں پھر سے شروع ہو گئیں۔ دولت والوں کے حرموں میں لڑکیاں اور کام کرنے کے لیے غلام ہوتے تھے جس کے پاس لڑکیاں اور غلاموں کی افراط ہوتی اسے انسانی دولت مند اور قابل احترام سمجھا جاتا۔

کلام کے ایک میدان میں لوگوں کا جہوم تھا۔ بولیں دی جا رہی تھیں کچھ غلام ہوتا تھا۔ جہوم کے سامنے چند ایک فیصہ کھڑے تھے۔ ان کے آگے گاڑی کا جوتہ تھا۔ تین چار لڑکیاں اس جہوم پر کھڑی تھیں۔ ایک آنی ایک لڑکی کے کندھے پر اٹھ رکھ کر بلند آواز سے کشتہ غریب سال ایدھی اپنے گھر سے آئی ہے جسے دیکھو کوئی بیماری نہیں۔

”ستارے ماں باپ زندہ ہیں؟“

”معلوم نہیں“۔ سبکیں نے جواب دیا۔ ”میں سوچا ہوا تھا۔ قافلے پر حملہ ہوا تو میری آنکھ کھل گئی گھوڑے ہمارے درمیان سے گزر گئے میں بھاگ اٹھا ایک آدمی نے مجھے پکڑ لیا اور وہاں سے دوڑے جا کر میرے ہاتھ پاؤں رستی سے باز نہ کیے پھر ہمیں یہاں لے آئے۔“

”ستارہ باپ کیا کام کرتا تھا؟“

”امیروں کے گھروں میں نوکری چاکری۔“

”تم روکیوں نہیں رہے؟“

”جواب دینے سے پہلے میں آپ سے پوچھنا ہوں کہ آپ کا کیا نہہیب ہے؟“

”میں مسلمان ہوں۔ حاجی نصر نے جواب دیا۔ ”میں حاجی ہوں۔“

”پھر مجھے نہیں بلکہ آپ کو روچائیے۔“ بچے نے جواب دیا۔ ”آپ کا حج قبول نہیں ہوا۔ مجھے میرے باپ نے بتایا تھا کہ قرآن حکیم کا یہ حکم ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کو اپنا غلام نہیں بنا سکتا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا ہے کہ میں روکیوں نہیں رہا..... مجھے یہ نہیں چل رہا کہ روڈوں یا بنسوں یا کیا کروں۔ اگر میری عمر آپ کی طرح نکتہ ہوئی تو میرے لیے فیصلہ کرنا آسان ہوتا۔“

حاجی نصر بک اٹھا۔ اسے قضا توقع نہ تھی کہ اس عمر کا بچہ ایسی غفلت سے جواب دے گا۔ اس نے بچے سے پوچھا کہ اسے یہ باتیں کس نے بتائی ہیں بچے نے جواب دیا کہ اس کا استاد ایک اہم سجدہ ہے۔ اس نے امام کا نام بتایا اور کہا ”میرے باپ نے مجھے عمل و انصاف کے بہت سبق دیے ہیں جو کہ انہوں کی شکل میں تھے۔ میرا باپ کہا کرتا تھا کہ وہ نوشیرواں عادل کی اولاد سے ہے میری ماں مجھے کہا کرتی تھی کہ اسے خوابوں میں ایک نورانی صورت بزرگ نظر آتے ہیں جو اسے بتاتے ہیں کہ وہ ایک نئے کوہِ زمردی کے جو باطل شکن جوگہ اور حق کی آواز دہر دہر کر رہا ہے گا بزرگ نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ پورے زمین و آسمان کی میری اولاد سے ہوگا۔“

”تم اپنی ماں کے اس عقیدے پر یقین رکھتے ہو؟“

”ستارہ! یہ سچ کامل ابنِ ابراہیم کتاب الانساب اپنا نام (مختصر سبکیں)

”اپنی ماں کے عقیدے پر کس طرح یقین رکھ سکتا ہوں۔“ سبکیں نے جواب دیا۔ ”غلام کا کیا عقیدہ ہو سکتا ہے؟ کیا آپ نے مجھے جانور سمجھ کر نہیں فرمایا؟ جانوروں کا کوئی عقیدہ نہیں ہوتا۔“

”جیشک تم میرے غلام ہو سکیں میں جانوروں کی طرح سے تم سے بہت اوپر رکھوں گا۔“

— حاجی نصر نے کہا ”تم کوئی کام کر سکتے ہو؟“

”مجھے ماں باپ بچا کر کسی عالم کے پاس لے جا رہے تھے۔ بچے نے جواب دیا۔ ”میرے استاد نے انہیں کہا تھا کہ مجھے بخیر لے جا کر اس عالم کی شاگردی میں بٹھا دیں۔“

”میں تمہیں اپنے بچوں کے امانت کے حوالے کر دیتا ہوں۔“ حاجی نصر نے بچے سے متاثر ہو کر کہا ”تم اس کے لوکر ہو گے اور تم ان سے تعلیم و تربیت بھی لے سکو گے۔“

سبکیں کی اپنی بھی بولی کتاب پند، ماہ میں مختصر سا ذکر ہے کہ وہ تین سال تختہ میں رہا۔ اس دوران حاجی نصر تختہ سے باہر ماہ کتاب الانساب میں کچھ تفصیل ملی ہے۔ سبکیں بیمار ہو گیا تو حاجی نصر نے اسے تختہ میں ہی رکھ دیا اور خود غیر حاضر ہو گیا بھی پرانی عمر سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حاجی نصر کا منصب یا کادبار کیا تھا، سوائے اس کے کہ وہ امیر کبیر اور اثر و سوغ والا آدمی تھا۔

سبکیں جب امانت کے پاس گیا تو امانت نے اسے ایک لوکر یا غلام سے بڑھ کر کوئی اہمیت نہ دی لیکن پہلے ہی روز بچے نے اپنی اہمیت جاری۔ امانت نے خبر چننا اور حاجی نصر کے ایک بچے نے قرآن کا کوئی کٹھا غلط پڑھا۔ سبکیں نے خود بچے کی تیسیم کرنے کی ہمائے امانت کو بتایا امانت جیلن ہو کر بیٹھ گیا اور نوکر ہے اور یہ قرآن پڑھنے والے کی غلطی درست کر سکتا ہے۔ اس نے سبکیں سے پوچھا کہ اس نے قرآن کہاں پڑھا ہے۔ سبکیں نے اسے اپنے متعلق اپنی ماں اور اپنے باپ کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ امانت نے اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ حاجی نصر اپنے بچوں کو مذہب کی اتنی زیادہ تیسیر نہیں دلانا چاہتا تھا جتنا انہیں پابی بنانے کا ارادہ تھا۔ بچوں کو گھوڑ

آری مسلمان تھا۔ حکومت ایسی ظالم تھی کہ لوگ ترک سے دوسرے علاقوں کو بھاگے
جدا رہے تھے۔ ان میں سے بعض خانہ بدوش ہو گئے اور باقی غلاموں کی منڈی میں
فروخت ہوئے۔ ترک چونکہ جسمانی لحاظ سے تنومند اور دماغی لحاظ سے مستعد اور
عقل مند ہوتے تھے، اس لیے ان کی قیمت زیادہ تھی ان کے رنگ گورے ہونے
کی وجہ سے اچھے بھی لگتے تھے غزنی، بلخ، بخارا اور مرو و عوارج کے علاقوں میں ترک غلام شہو
تھے اور ترکوں کے متعلق یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ غلام ہی ہوتے ہیں اور یہ بڑے اچھے
غلام ہوتے ہیں۔

”تم ان ترک غلاموں میں سے ہوجن کے متعلق ان علاقوں کے لوگ کہتے ہیں کہ بڑے
اچھے ہوتے ہیں۔“ ایٹیکنس نے ایٹیکنس سے کہا جو اس کے دربار میں غلاموں کی طرح
کھڑا تھا۔ تم مجھ پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تم ونا دار غلام ہو۔ وہ چپ ہو گیا۔
ایٹیکنس نے آٹا کے سامنے سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ ایٹیکنس اس کے قریب آ
کر گرج کر بولا۔ ”مرا پر کرو سینہ پورا کھولو میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو۔ تم
ترک ہو میں بھی ترک ہوں۔“ ایٹیکنس اس طرح سے چونک اٹھا۔ ایٹیکنس نے اسے
بازو سے کپڑا اور اپنے برابر بٹھایا۔

”حاجی نصر نے مجھے بتایا ہے کہ تم اسے پاس علم بھی ہے عمل بھی۔“ ایٹیکنس
نے اسے کہا۔ ”انسان صرف علم سے مکمل نہیں ہوتا نہ صرف عمل سے مکمل ہوتا ہے۔
اصل وصف عمل ہے مگر علم کے بغیر کسی عالم کی رہنمائی کے بغیر عمل ناکام رہتا ہے اور
صرف علم انسان کو گوشہ نشینائی میں جھپٹے رکھتا ہے۔ تم میں دونوں وصف ہیں۔“
”مجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں جس سے اتنے بڑے ملک کا حاکم بنا رہوں۔“ ایٹیکنس
نے کہا۔

”تم میں یہی خوبی کچھ کم نہیں کہ تم ترک ہو اور تم غلام ہو۔“ ایٹیکنس نے کہا۔ ”میں
بھی ترک ہوں اور میں بھی غلام تھا تم پر جو گزری ہے وہ کچھ پر گزریگی ہے۔ میرا دل نہیں
میرا ہی گزرا ہے جیسا تم گزرا ہے۔ تم مسلمان مان باپ کے گھر پیدا ہوئے ہو،
میرے مان باپ مسلمان نہیں تھے۔ میں غلامی میں مسلمان ہوا کی نے مجھے یہی مسلمان

سواری پیرمازی اور تیرنلی بھی کھائی جاتی تھی۔ ایٹیکنس نے بھی سپہ گری کی تربیت
یعنی شروع کر دی۔

بچے اسے بہت پسند کرتے تھے، کیونکہ وہ نہیں کچھ تھا اور باتیں بہت اچھی
کرتا تھا۔ آٹا میں نے دیکھا کہ حاجی نصر کے بچے باپ کی دولت کی وجہ سے نہ پڑھنے میں
دل چسپی لیتے تھے نہ سپہ گری میں، اور ایٹیکنس میں فکری جو ہر موجود تھے۔ آٹا میں
نے اس کی تربیت میں زیادہ دلچسپی لی۔ شروع کر دی۔

چودہ برس کی عمر میں ایٹیکنس پختہ کار سپاہی بن چکا تھا اور علم بھی اس نے بہت
حاصل کر لیا تھا۔ آٹا میں نے اسے اسلام کی تاریخ سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔
حاجی نصر واپس آیا تو وہ ایٹیکنس کو سپاہی نہ سکا۔ وہ اب بارہ سال کی عمر کا
نحاس پونہیں ہو کر تندرست اور جوان تھا۔ حاجی نصر نے اس کی سپہ گری کی مہارت اور گھوڑوں کی
دیکھی کہ وہ حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ اسے حاجی نصر نے کوئی فکری قسم کا کام دے دیا۔
بعض تحریریں سے بہتر چلتا ہے کہ اسے غلاموں کی تربیت اور نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔
وہ تھوڑے سے وقت میں حاجی نصر کا بہت راست بن گیا۔

اُس وقت ایٹیکنس بھرا کا گورنر تھا اور حکومت عبداللہ کا کی تھی، ایٹیکنس
حاجی نصر کا دوست تھا۔ ۹۵۹ھ (۱۵۴۸ء) میں حاجی نصر ایٹیکنس سے ملے گیا تو ایٹیکنس
اس کے ساتھ تھا۔ اُس وقت ایٹیکنس کی عمر بیس سال ہو چکی تھی۔ (بعض مؤرخ عمر
زیادہ بتاتے ہیں) یہ پہلا موقع تھا کہ خانہ بدوشوں کا بیٹا جسے ڈاکوؤں نے اغوا کیا
اور فروخت کر کے غلام بنایا تھا، ایک گورنر سے بلا گورنر ایٹیکنس نے حاجی نصر سے
کہا کہ وہ اپنا یہ غلام اسے دے۔ حاجی نصر ایسے قیمتی غلام سے دست بردار ہونے کے
لیے تیار نہیں تھا۔ ایٹیکنس نے اسے بہت زیادہ قیمت پیش کی جو حاجی نصر نے قبول
کر لی۔

اُس دور میں ایٹیکنس، ایٹیکنس، ایٹیکنس قسم کے ہم ترکوں کے ہو کر رہے تھے۔
ایٹیکنس کی چونکہ ماں ترک تھی اس لیے اس کا نام ماں نے ترک کے چوں کے مطابق
رکھا تھا اُس وقت ترک میں اسلام پھیلا نہیں تھا۔ کوئی کوئی گھرانہ یا کوئی کوئی

کیا چاہتا ہوں۔“

ایٹیکنس ہنس بڑا اور لولہ۔ میں اس کیفیت میں سے گزر چکا ہوں میں بھی نہیں جانتا تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ پھر میرا ذہن صاف ہو گیا۔ تینیں جدی پتیل چلے جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو۔۔۔۔۔ آج سے تم اپنے آپ کو غلام نہ سمجھو۔“

سیکٹگیں کے سینے میں ایک تڑپ، عقیدے کی اور کچھ سمجھنے اور کچھ کر لے کی تھی۔ اُسے اسکا کھلی کلم نہ تھا کہ اس کی ماں نہیں، باپ نہیں اور وہ غلام ہے۔ اُس نے یہ دیکھ لی تھا کہ اُس کے اندر ایک عظیم مقصد پرورش پا رہا ہے اور اسے اپنے ذہن میں واضح کرنا ہے۔ اس تڑپ کے ساتھ جوانی کی تپش تھی۔ وہ اپنے آپ میں جہاں قوت کا اُبال بھی محسوس کرتا تھا اس کی توجہ جوانی کے جذبات کی طرف کو نہیں آتی تھی لیکن یہ تغیر اور یہ انقلاب اُسے بے چین رکھتا تھا۔

دوسری شام، سورج غروب ہونے سے پہلے وہ اسپٹل سے ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا لے کر سواری کے لیے باہر نکل گیا۔ شہر سے دور جا کر اُس نے گھوڑا سرپٹ دوڑا دیا اور اس سے جھانپاں پھلانگنے لگا۔ اسے دور سے کسی عورت کی چیخ سنا دی اور گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کے پلو بھی اُس نے اُدھر دیکھا ایک سوار گھوڑے سے گر رہا تھا۔ اور گھوڑا بے لگام ہو گیا تھا۔ سیکٹگیں سمجھ گیا کہ گھوڑا کی زین ڈھیلی ہو گئی ہے اور سوار کے دائیں بائیں لڑھکنے اور ہٹھلنے کی وجہ سے گھوڑا ڈر کر بے قابو ہو گیا ہے۔ سیکٹگیں نے اپنے گھوڑے کھنڈرے اُدھر کر کے اڑ لگائی۔ وہ گھوڑا کبھی دائیں کبھی بائیں کو جاتا تھا۔ سیکٹگیں نے دیکھ لیا کہ سوار مرد نہیں عورت ہے۔ وہ چیخ چلا رہی تھی۔ سیکٹگیں کا گھوڑا اُس کے قریب پہنچا تو وہ چلائے لگا۔ راکبوں سے پاؤں نکال لو۔۔۔۔۔ لگام کھلی چھوڑ دو۔ بد کے ہوئے گھوڑے نے جب اپنے نعا تب میں ایک اور گھوڑے کو دیکھا تو وہ اور زیادہ تیز ہو گیا۔ لگے دیکھا نہ انسان تھا گھوڑے کا، نہ اُدھر کو ہو گیا۔ سیکٹگیں نے اپنے گھوڑے کی رفتار اور تیزگی اور گھوڑے کو بد کے ہوئے گھوڑے کے پلو میں لے گیا تب اُس نے دیکھا

نہیں بنایا تھا میں نے ایک عالم سے اسلام کے اصول لئے تھے میرے دل میں تڑپ تھی پیاس سی تھی میں نے اس عالم کے ہتھ پر سیرت کر لی اور اسلام قبول کیا اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اسلام کسی انسان کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی انسان کو اپنا زخیر یا غلام بنائے اور جو حکمران اور حاکم ہوتے ہیں انہیں خدا نے لوگوں کا اور قوم کا خادم کہا ہے حکومت صرف اللہ کی ہے۔۔۔۔۔ اگر میں مسلمان نہ ہوتا اور اگر میرے دل میں علم اور عمل کی تڑپ نہ ہوتی تو میں اس منصب تک نہ پہنچ سکتا۔“

میسری میں مجھے کما کرتی تھی کہ تم بڑے ہو کر اپنا کردار اُسے۔ سیکٹگیں نے کہا۔ ”وہ کبھی تھی کہ تم حق کی تلواریں سے باطل کو کاٹو گے۔ وہ مجھے قرآن کی رسالت بابر دکھاتی اور سنا تی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ تم اپنے بنائے ہوئے خداؤں کو پوجتے ہو جو سن نہیں سکتے جو بول نہیں سکتے آدیں نہیں صحیح راستہ دکھاؤں گا۔۔۔۔۔ میں مجھے کما کرتی تھی کہ تم ان لوگوں کو جو ان خداؤں کو پوجتے ہیں جو سن نہیں سکتے جو بول نہیں سکتے میں اُس مسموم کی راہ دکھاؤ گے جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔۔۔۔۔ میرا باپ کہا کرتا تھا کہ تسلی میں کا عقیدہ صحیح ہے لیکن اس کی خواہش غلط ہے غریب کا پونا پیدا نہیں کر سکتا اور اس میں عورت اور بہت نہیں ہوتی کہ وہ ہڈیاں بیوں سے ٹکر لے اور لوگوں کو اپنے عقیدے کا قائل کرے یہ نہیں ہو سکتا۔“

”یہ ہو سکتا ہے۔“ ایٹیکنس نے کہا ”غرب کے شہزادان اور گندھینے آدھی دنیا سے اپنا عقیدہ منہ کر اللہ کی حکومت قائم کر سکتے ہیں تو بنڈا کا امیر الامرا کی نہیں کر سکتا؟ تم غازی بدوشوں کے بیٹے اور غلام میری برابری میں کس طرح آ بیٹھے ہو؟ کوئی غلام ایسا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ تساری میں کے خواب حقیقت بن سکتے ہیں یہاں تک نہیں سنارے ایمان اور کردار نے پہنچا ہے میں نے تم میں وہ جو ہر دیکھ لیے ہیں جو تیس اور اوپر لے جائیں گے۔“

”لیکن مجھے اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہیے۔“ سیکٹگیں نے کہا ”میں کسی منصب، تاج یا تخت میں۔۔۔۔۔ میں کچھ چاہتا ہوں جو میرے نہیں چل سکا۔“

میں لین چاہتے ہیں، اس لیے بنیاد میں جو فوج ہے اس میں اپنے حامی سالار
وغیرہ متعین کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکمران صرف نام کے مسلمان ہیں عیش و عشرت
میں بڑے ہوتے ہیں اور یہ لوگ مذہب کی توہین کرتے ہیں۔ ابا کا ارادہ یہ ہے کہ
مجموعہ معنوں میں اسلامی سلطنت قائم کی جائے جس سے متعلقہ رہے تھے کہ کام کا
نوجوان ہے۔

گھر کے قریب پہنچے تو ایک آدمی کھڑا تھا جو بڑے والا معلوم ہوتا تھا اس نے
دونوں کو دیکھ کر دونوں کے کپڑوں سے پانی پٹکا دیکھا۔ لڑکی کا حلیہ بدلا ہوا اور بال
بکھرے ہوئے اور بے ترتیب دیکھے تو اس کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا۔ اس کے
قریب جا کر دونوں گھوڑوں سے اترے۔

”کھان سے آ رہی ہو؟“ اس آدمی نے لڑکی سے پوچھا۔ اور یہ کون ہے؟
”اور تم کون ہو جو حاکموں کی طرح مجھ سے پوچھتے ہو؟“ لڑکی نے کہا۔ گھوڑا
بے تاب ہو گیا تھا، اور مجھے دریا میں لے گیا تھا یہ میرے پیچھے آیا اور دھیا سے
نکل لایا۔ لڑکی نے سبکیں کو بازو سے پکڑا اور اُسے اپنے گھر لے گئی۔

”کون ہے یہ؟“ سبکیں نے پوچھا۔

”میرا بیگنہ۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ابھی سے مجھ پر حکم چلانے لگا ہے۔۔۔
تم اس سے نہ ڈرنا۔ وہ ایک کمرے میں چلے گئے تھے۔ لڑکی نے بے ساختگی سے
سبکیں کے سامنے آکر اس کے ہاتھ پکڑ لیے اور پوچھا۔ ”تماری بیوی ہے؟“
”نہیں۔“

”کوئی لڑکی کبھی تمہیں اچھی لگی ہے؟“
”لڑکیوں کی طرف کبھی دھیان نہیں دیا۔“

”میں اچھی نہیں لگتی؟“

سبکیں جب چپ کھڑا اور اس کی نظریں جھک گئیں

تم نے کیا سمجھا ہے؟ لڑکی نے پوچھا۔ مجھے بے حیا سمجھا ہے؟۔۔۔ بے شرم
سمجھا ہے؟۔۔۔ سبکیں اگر مجھے کسی کچھ سمجھا ہے تو میں پھر کبھی تماری صورت

کر یہ کوئی جوان لڑکی ہے اور کسی امیر و بزرگی بیٹی ہو سکتی ہے۔ سبکیں نے اُس کے
گھوڑے کی پانکھوں سے پکڑا جہاں گھوڑے کا منہ تھا اور اُس نے لڑکی سے
کہا کہ وہ اس کے گھوڑے پر کود آئے۔

اس کوشش کے دوران گھوڑے دریا میں چلے گئے۔ لڑکی پانی میں گر پڑی۔
کیونکہ گھوڑے ایک دوسرے سے دُور ہو گئے تھے۔ دونوں دُک گئے۔ سبکیں دھیا
میں کودا لڑکی تیر رہی تھی۔ سبکیں نے اُسے پکڑ لیا۔ کیونکہ یہ دریا بہاؤ میں ہونے کی
وجہ سے بہت تیز تھا۔ اور پانی بہت ٹھنڈا تھا۔ وہ لڑکی کو اپنے اوپر ڈال کر باہر نکل
آیا۔ پھر دونوں گھوڑوں کو پانی سے نکالا۔ لڑکی کو ڈرا ہوا ہونا چاہیے تھا لیکن وہ
ہنس رہی تھی۔

”تم احمق جو ادا رہو؟“ سبکیں نے کہا۔ ”تماری موت یقینی تھی۔“
”میں اُس باپ کی بیٹی ہوں جو احمق نہیں رہتا ہے۔“ لڑکی نے جواب دیا۔
”میں بنیاد کے حاکم البتیس کی بیٹی ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ انعام دلاؤں گی۔“
”میرے لیے یہی انعام بہت ہے کہ میں نے اپنے گھر کی بیٹی کو موت کے منہ
سے نکال لیا ہے۔“ سبکیں نے کہا۔ ”میں تمہارے گھوڑے کی زمین کس
دیتا ہوں۔“

دونوں ہم سفر تھے۔ لڑکی خوبصورت تھی۔ سبکیں میں بھی جسمانی کشش تھی۔
دونوں شاہسوار تھے۔ لڑکی نے سبکیں کے ساتھ اپنے گھوڑے کی زین کسی
اور دونوں گھر کو چل پڑے۔ راستے میں لڑکی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔
سبکیں نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔

”رات آتا آپ کا ذکر کر رہے تھے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”وہ شاید تمہیں اپنی
فوج میں کوئی عہدہ دے گا۔“

”اپنی فوج؟“ سبکیں نے کہا۔ ”اُن کی اپنی فوج کیسے ہو سکتی ہے؟ فوج
تو حکمران کی ہوتی ہے۔“

”آج کے کچھ اور سوچ رکھا ہے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”وہ حکومت کو اپنے ہاتھ

میری مدح کی آواز ہے۔ اپنے دل کو اتنا مرہ نہ کرو سبکدوش! ... اگر تم میری محبت کو جہانی یا محض جذباتی سمجھتے ہو تو یہی سمجھ لیکن میری محبت کو ٹھکانہ دینا۔ میں اس شخص کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔

نہیں دیکھو گی یہ

”تم کسی اور کی منگیتر ہو“

”یہ میرے باپ کا فیصلہ ہے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”یہ آدمی مجھے پسند نہیں۔ یہ مجھے لوندی بنا کے رکھے گا۔ یہ مجھے کیا کرتا ہے کہ گھوڑہواری چھوڑ دو۔ مجھے اپنے حرم کی ریت بنانا چاہتا ہے۔ مجھے مناشی کی ایک خوبصورت چیز سمجھتا ہے مجھے ایسا مرد چاہیے جس نے منادی طرح لڑکیوں کی طرف کبھی دھیان نہ دیا ہو اور جو میزے ساتھ گھوڑا دوڑائے، میرے ساتھ دریا میں کود جائے۔ میں حرموں کے بادشاہوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ اسلام کا زوال اس روضہ شروع ہوا تھا جس روضہ تم نے عورت کو سنگھارا اور زیبائش کی زنجیروں میں باندھ دیا تھا۔ تم عورت کو اپنے سفلی جذبات کی تسکین کا ذریعہ بنا کر خوار ہوئے۔ اپنے اوپر شراب کا نشہ طاری کر کے تم ذات کو غفلت سمجھ رہے ہو۔ عورت ایک طاقت ہے مگر تم نے عورت کو اپنی کمزوری بنا رکھا ہے۔ ... سبکدوش احرم کی عورتوں کے بطن سے جو بچے پیدا ہوئے ہیں وہ غلبہ اسلام کے پاسان نہیں ہوتے ہو سکتے ہی نہیں ہیں اُس بچے کو جنم دوں گی جو اسلام کو دور و دور تک پھیلانے کا مگر مبلغ اور عالم بن کر نہیں، مجاہد اور تیغ زن بن کر۔“

”میری ماں بھی ایسے ہی خواب دیکھ کر تھکی“ سبکدوش نے کہا۔ ”مگر اُس کا بیٹا غلاموں کی مندی میں نکلا ہوا۔“

”اسلام کے پاسان تم جیسے غلام ہوں گے میرے باپ جیسے غلام ہو چکے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میرے باپ نے تمہیں بتایا نہیں کہ وہ بھی غلاموں کی مندی میں نکلا ہوئے تھے، آج اُن کا رتبہ اور منصب دیکھ لو۔ اُن کے آرامے اور اُن کا عقیدہ دیکھ لو۔“

”تمہیں کس نے بتایا ہے کہ تم جس عظیم بچے کے جنم کے خواب دیکھ رہی ہو وہ بچہ میرا ہوا۔“ سبکدوش نے کہا۔ ”یہ جوانی کا جوش ہے شباب کا خاب ہے۔“

”یہ میرے دل کی آواز ہے۔“ لڑکی نے جوشیلی سی ہنسی سے کہا۔

سبکدوش دلوں سے نکلا تو وہ اپنے اندر عجیب سی پہل محسوس کر رہا تھا۔ ایک نواس کا علم ادھورا تھا جو اُسے پریشان رکھتا تھا۔ اُس کے دل میں ایک طرم ادھار کا مقصد تھا جو ابھی پوری طرح واضح نہیں ہوا تھا۔ اب اس لڑکی نے اُس کے ایسے جذبات کو بیدار اور مشتعل کر دیا جن کے متعلق اُسے علم ہی نہیں تھا کہ اُس میں موجود ہیں۔ اُس پر غل سا طاری ہو گیا۔ اُسے صرف اپنی ماں کے جسم کا لمس یاد تھا جس کے ساتھ ملگ کر وہ سکون کی خند سویا کرتا تھا۔ خند نہ آتی تو سکون ایسا ملتا جو اُس کی رنج میں اتر جاتا تھا۔ دوسرا جسم اس لڑکی کا تھا جسے اُس نے دیا سے نکالتے اپنے بازو میں لیا اور اپنے ساتھ لگایا تھا۔ اُس وقت اس نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا تھا، سوائے اس کے کہ اس لڑکی کو بچانا اُس کا فرض ہے۔ اب لڑکی نے اُس کے ساتھ جو باتیں کیں ان سے اُس کی ذات میں بھونچال جیسے جھٹکے آنے لگے۔

”کسی وجہ سے کہ دولت والوں نے حرم آباد کر رکھے ہیں۔“ اُس نے سوچا۔ عورت ایک قرار ہے، سکون کا سرچشمہ ہے، ایک غما ہے۔ انسان ٹھوڑے سے محسوس نہیں ہوتا۔ قانع نہیں ہوتا۔ وہ دوسری عورت لاتا ہے۔ عیسوی اور چوتھی لانے کے لیے ناجائز طریقوں سے دولت کھاتا ہے۔ بادشاہوں کا خوشامدی بننا اور انعام پانا ہے۔ پھر بھی تسکین نہیں ہوتی تو ایسا ان بلام کر دیتا ہے۔ اپنے مذہب اور قوم کے دشمن کے آگے بھی جاسجدے کرتا اور زور و جاہلرت سے بھولیاں بھرتا ہے۔ یہ تباہی موت سے شروع ہوتی ہے اور شراب تک پہنچاتی ہے۔ ... کیا میں بھی اسی راہ پر چل پڑوں گا؟

”عورت زیبائش کی چیز نہیں۔“ اُسے الٹیں کی مٹی کے الفاظ یاد آئے۔

”عورت بہت بڑی طاقت ہے جسے ان لوگوں نے اپنی بہت بڑی کمزوری بنالیا ہے۔“ سبکدوش کو اپنی ماں اور اُس کی باتیں یاد آنے لگیں اور اس کے اندر

”یہی کہتے ہوئے اُس نے غصے سے کہا۔ ”بھاگو یہاں سے۔ آئندہ اصل سے بغیر اجازت گھوڑا نہ گھولنا۔“

”تم اپنے دل کے غلام آؤ۔“

”میں تمہارا ستر میں تن سے جڑا کر دوں گا۔“ بگٹگین کو غلام سمجھتے ہوئے لڑکی کے منگیتر نے جو جوان کی عمر سے کچھ آگے چلا گیا تھا، تلوار نکال لی۔

بگٹگین کے کمر بند میں لباً بنجر تھا۔ اُس نے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر بنجر نکال لیا اور بولا۔ ”ذیرھ ما تھ لہی تلوار کو ذیرھ بالشت لباً بنجر میرے قدموں میں نہ گراوے تو نہ مارے آگے جھک جاؤں گا۔ بڑے شوق سے میرا ستر تن سے جدا کر دینا مگر اس سے پہلے اپنی منگیتر سے پوچھ آؤ کہ وہ نہیں قبول بھی کرتی ہے یا نہیں۔“ اس آدمی نے بگٹگین کے تصور دیکھے۔ ذرا سی دیر گھبراہ اور غصے میں تلوار نیام میں ڈال کر بہت تیزی سے چلا گیا۔ بگٹگین نے بنجر کمر بند میں ڈالا، اور گھوڑے پر سوار ہو کر اصل پہل کی طرف چلا گیا۔ نام گہری جوی کی تھی۔ اپنے کمرے میں پہنچای جاتا کہ بگٹگین کی طرف سے بلا دا آگیا۔ وہ انہی کپڑوں میں جو ابھی خشک نہیں ہوئے تھے، چلا گیا۔

”ابو اساق سے تمہارا کیا بگڑا ہوا ہے۔“ بگٹگین نے پوچھا۔

بگٹگین نے سارا واقعہ سنا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اس کی بیٹی نے اُسے کیا کہا ہے۔ اپنی بگٹگین کو یہ صاف گنتی پسند آئی۔

”اپنی بیٹی کا ماتھ میرے ماتھ میں نہ دیں۔“ بگٹگین نے کہا۔ ”میری کوئی حیثیت نہیں مگر اپنی بیٹی کی شادی اس آدمی کے ساتھ کرنے کی غلطی بھی نہ کریں۔“

بگٹگین گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ”تم جاؤ بگٹگین!“

”اگر آپ ناراض ہیں تو میں معافی نہیں مانگوں گا۔“ بگٹگین نے کہا۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا میں جھوٹ جیسے گناہ کا بھی مرکب نہیں ہوا۔

بگٹگین نے مسکرا کر اٹھ کر کہا کہ چلے جاؤ۔

وہ قوت بیدار ہونے لگی جو ماں نے پیدا کی تھی۔ ایک ایسی عورت کی پیدا کی ہوئی قوت جو بہت خوبصورت تھی۔ اسے سودا گروں نے سونے کے درہم و دینار پیش کیے تھے مگر اُس نے بھی اینٹگین کی بیٹی کی طرح سوچا تھا کہ وہ ریائش کی چیز نہیں۔ اسے اُس بچے کو جنم دینا ہے جو ابلا ستر کی طرح اپنے باپ سے اور اپنے قبیلے سے کسے ٹاکر تم ان بتوں کی پوچھا کرتے ہو جو سن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں یہ لڑکی بھی یہی کہتی ہے۔

”کیا ہر عورت ایسی ہی خوش فہیوں اور وہموں میں مبتلا ہوتی ہے؟“

نویں درواں عادل کو ایک عورت نے ہی جنم دیا تھا۔ بگٹگین کے اندر سے یہ آواز اُٹھی۔ یہ آواز اس کے استاد کی بھی جو چھوٹی سی سبک کا نام تھا۔ اس میں اُس کی یاں اور اُس کے باپ کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ یہ اُس کے بچپن کی آوازیں تھیں۔ یہ تعلیم و تربیت کی آوازیں تھیں۔ ”عورت کو نفیر سج اور میاشی کا ذریعہ بنا لو تو طارت بن زیادہ کمین فام اور نوشیر وال پیدا نہیں ہوا کرتے ہیں۔“

وہ سر جھکائے ہوئے انہی خیالوں میں گم چلا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی اور گھوڑے کے آگے آگے پیدل جا رہا تھا۔ لڑکی اُس کے دل پر غالب آتی چلی جا رہی تھی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ لڑکی بہت اچھی ہے اور وہ اسے پھر بھی ملے گا۔ ضرور ملے گا۔

”اوئے بھٹرو۔“

علم و شس کی جھیل میں کسی کی بھاری آواز کا پتھر آن گرا۔ اُس نے ٹک کر دیکھا۔ لڑکی

کا منگیتر بڑی تیزی سے آ رہا تھا۔ بگٹگین کے پاس آ کر ٹک گیا۔

”عاجی نصر کے بیٹے ہوئے غلام کی آئندہ یہ حرات نہ ہو کہ شہزادیوں کے گھروں میں جا گھسے۔“ اس شخص نے کہا۔ ”تم ہمہ سے غلام ہو۔ اگر تم نے حاکم بناراک کی بیٹی کو گھوڑے سے گرنے سے بچا دیا اور اسے دریا سے نکالا ہے تو یہ بہت بڑا فرض تھا۔ اس کا تمیں انعام نہیں مل سکتا۔ اگر تم اسے نہ بچا سکتے تو ہم تمیں قید خانے میں ڈال کر بھوکا کر دیتے۔“

”میں آنا دیوں۔“ بگٹگین نے بڑبڑاہی سے کہا۔ ”اور غلام تم ہو۔“

ایک سینہ گزریا۔ سبکدین الینگین کے دل میں اتنا اُتر گیا تھا کہ اُس کا معیہ خاص اور شیریں گیا۔ الینگین نے اسے اپنا ایک منصوبہ ان الفاظ میں بتا دیا تھا۔ ”مسلم قوم کا شیرازہ بکھریا جائے قوم ریاستوں اور چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بٹ گئی ہے کفار انیس عیاشیوں کا عادی بنا کر انیس ایک دوسرے کا دشمن بنا رہے ہیں خلافت جو قوم کے مرکز کی علامت تھی ایک برائے نام منصب بن کر رہ گئی ہے۔ ہمارا حکمران عبداللہ کہ ہے اس کی زندگی میں ہی اس کی گدی کے امیدوار اور ان کے حامی آپس میں لڑنے لگے ہیں میرا ارادہ یہ ہے کہ عبداللہ کے مرنے کے بعد اس کے کس بیٹے کو تخت پر بٹھاؤں مگر اس کا بڑا بیٹا امیر منصور ایسا نہیں ہونے دے گا میں اس صورت میں منصور کا تختہ الٹ کر غزنی میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر دوں گا۔“ آپ کی فوج چویناں (بخارا میں) ہے آپ کا ساتھ دے گی؟“ سبکدین نے پوچھا۔

”سلطان عبداللہ سے ملاں میں“ الینگین نے جواب دیا۔ ”اُس کی نسبت وہ میرا حکم ماننے میں خوشی محسوس کرتے ہیں میرا ارادہ یہ ہے کہ غزنی کو مرکز بنا کر ارد گرد کی مسلمان ریاستوں کو متحد کر لوں اور کفار کے خلاف جہاد کا آغاز کر دیا جائے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو وہ وقت دور نہیں جب اسلام کی تحریکیں جو کمزور ہیں بنی ہوئی ہیں نکل کر غائب ہونے لگے گی معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے حکمران جو ہمارے لیے کھاتے ہیں لغبن (درہ خیبر) کے راستے ہم پر حملے کے لیے پرتوئل رہے ہیں۔“

”غزنی کا تختہ الٹنے کا کام آپ مجھے سونپ دیں۔“ سبکدین نے کہا۔ ”اُس کے لیے میں بہت بڑی فوج کی ضرورت نہیں۔ منصور اور اس کے حامی جاکموں کو گرفتار کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ منصوبے کے عملی بیوروں اور خطروں پر غور کر لیں۔“ اُس نے ذرا سوچ کر کہا۔ ”آپ بتلائیے۔ اتنے بڑے منصوبوں کی کامیابی کے لیے رازداری ضروری ہوتی ہے۔ آپ کا یہ منصوبہ مجھے آپ کی مٹی سا چمکی ہے۔ اسے اس سے بے خبر ہونا چاہیے تھا۔ اب آپ محتاط ہو جائیں۔ اگر آپ نے اپنے ماز چھپا

دوسری شام الینگین کی بیٹی (کسی تاریخ میں اس کا نام نہیں ملتا) حسب معمول گھوڑ سواری کے لیے نکل گئی۔ سبکدین بھی اصل سے گھوڑے کے دریا کی طرف نکل گیا۔ دو گھوڑے دو دوڑتے تھے، مختلف سمتوں کو جا رہے تھے مگر دُور دریا کے کنارے جا کر ان کے بُرخ ایک دوسرے کی طرف ہو گئے، پھر وہ اکٹھے ہو گئے۔ ٹرک گئے۔ سوار اترے اور دریا کے کنارے بیٹھ گئے۔

”وہ مجھے ملا تھا۔“ لڑکی نے اپنے منگیتر کے متعلق بتایا۔ ”بہت غصے میں تھا۔“ کہنے لگا۔ میں فوج کا کمانڈر ہوں اور تم ایک غلام سے کتنی رہی ہو کہ تم نے مجھے قبول نہیں کیا میں نے اُسے صاف بتا دیا کہ میں نے اپنے باپ کے حکم کا احترام کرتے ہوئے اُسے قبول کیا ہے اس نے کچھ دھمکیاں دیں پھر منت سماجت کرنے لگا میں نے اُسے ٹالنے کے لیے کہا کہ میرے آبا سے بات کرو۔۔۔ رات آجائے مجھے الگ بٹھا کر کہا کہ سبکدین نے مجھے ساری بات بتا دی ہے۔ انہوں نے بتائی صاف گوئی ہو رہی ہے باقی کی بہت تعریف کی ہیں نے انہیں بتا دیا کہ منگیتر مجھے پسند نہیں۔ یہ ادھما آدمی ہے معلوم ہوا ہے کہ آج دن کو کسی وقت اس کی اور باپ کی باتیں ہوں گی۔“

سبکدین اس لڑکی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا جو اسی جیسی جوان بھتی کل سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو وہ دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نے اُس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب ہو گئی کہ اُس کے جسم کی تپش بھی وہ محسوس کر لے لگا، پھر اُس نے اُس کی ہلکوس کی بھی تپش محسوس کی۔ اس کا اپنا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اُسے اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

”میری ماں تمہاری طرح خوبصورت تھی۔“ سبکدین نے کہا۔

”تمہارا بیٹا بھی یہی کہا کرے گا۔“ لڑکی نے کہا اور ہنس پڑی۔

شورج دیا کے دوسرے کنارے کی چٹان کی اوٹ میں چھپ گیا، پھر شام گہری ہونے لگی اور دریا کے اس کنارے بیٹھ ہوئے دوسرے ایک سایہ بن گئے۔ دریا کی لہروں کا جل رنگ اور زیادہ پُرسوز ہو گیا۔

رکھے اور دشمن کے راز حاصل کر لیے تو آپ آدھی جنگ جیت جائیں گے۔
اینگلیں کو بکٹگیں پر اعتماد تھا لیکن اسے یہ توقع نہیں تھی کہ بکٹگیں انسانی ذہن اور
دورانہ نشیں ہوں۔ دونوں نے گڑے لٹے کے منصوبہ پر ہر پہلو سے غور کیا اور ایک کارآمد
منصوبہ تیار ہو گیا۔

ادھر غزنی کو اسلامی سلطنت کا مرکز بنانے کا منصوبہ تیار ہوا ادھر ایک منصوبہ
بکٹگیں کے قتل کا تیار ہو گیا یہ اینگلیں کی مٹی کے منگیا ابو اسحاق نے تیار کیا تھا۔
رہتوں کی دوڑ کا اہتمام کیا گیا تھا یہ فوج کے سواروں کا تھا بلکہ جس میں بکٹگیں کو
بھی شامل ہونے کے لیے مدعو کیا گیا تھا اور اس میں ابو اسحاق کو بھی شامل ہونا تھا۔ یہ
دریں میدان میں مقابلے کے لیے رخصت کھڑی کی گئیں۔ ہر ایک کے آگے ایک ایک
گھوڑا جٹا ہوا تھا۔ مٹی دوڑ میں رخصت تھیں۔ دوڑ شروع ہوئی تو ابو اسحاق نے غزنی
رہے کچھ آگے لے جا کر بکٹگیں کی رکھ کے قریب گئی اور اس کے پہلو کے ساتھ اپنی رکھ
دوڑانے لگا۔ بکٹگیں نے دیکھا کہ ابو اسحاق اپنی رکھ ذرا آگے کر کے اس کی رکھ کو ایک
طرف جو جانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس طرح اُس نے دو زمین باز کیا تو بکٹگیں نے اپنی
رکھ اُس کے گھوڑے کے قریب کر کے اسے ایک طرف دھکیلتے لگا۔

تماشا یوں نے چیخ و پکار بنا کر رکھی تھی۔ رخصت ہوا سے باتیں کر رہی تھیں ابو اسحاق
نے اپنا نظریہ وہ گھوڑے کو مارا تھا وہ بکٹگیں کو مار دیا مگر بکٹگیں نے اپنی رکھ
اُس کے گھوڑے کے ساتھ لگائے رکھی ابو اسحاق نے چلا کر کہا خدا کے لیے ایک
طرف ہٹ جاؤ۔ بکٹگیں نے اپنی رکھ پرے بنالی اور اس کے ساتھ ہی ابو اسحاق
کا گھوڑا زمین میں دھس گیا۔ رکھ اپر کو گئی اور گھوڑے سے آگے گری۔ ابو اسحاق ہوا میں
اُڑا اور اپنی اُٹنی ہوئی رکھ پر گر کر پیچھے آئے والی رکھ کا گھوڑا اتنی جلدی رک نہ سکا وہ
ابو اسحاق کی رکھ پر چڑھ گیا اور ابو اسحاق جو گرنے سے بیوقوف ہو چکا تھا کھلا گیا بکٹگیں
نے اپنی رکھ روکی اور واپس آگیا۔

سب دوڑے گئے۔ دیکھا گیا کہ ماں گہر گڑھا تھا جس میں ابو اسحاق کا گھوڑا اُڑا

تھا۔ اس میدان میں پہلے ایک کوئی گڑھا نہیں تھا۔ وہاں رختوں کی لمبی اور خشک شاخیں
سچی جھین ابواسحاق مرچکا تھا۔ اسی وقت حقیقات شروع ہو گئی۔ اینگلیں نے اعلان
کر دیا کہ جو کوئی اس گڑھے پر مارا جائے گا اسے اٹھایا جائے گا۔

شاہک راز فاش ہو گیا اس دوڑ کا اہتمام ابو اسحاق نے ہی کیا تھا اُس نے اپنے
ایک ہزار دوست سے کہا تھا کہ وہ بکٹگیں کو دوڑ میں شامل ہونے کے لیے کہے۔ دوست
نے یہ کام کر لیا۔ ابو اسحاق نے رات کو یہ گڑھا کھدوایا۔ اس کے اوپر خشک شیشیاں بکھیں اور
اوپر مٹی بکھیر دی۔ گڑھے کی باقی مٹی میدان میں پھیلا دی۔ ڈھکے ہوئے گڑھے پر اُس نے
کوئی نشانی رکھ دی تھی۔ ابو اسحاق دوڑ کے دوران اسی لیے اپنی رکھ بکٹگیں کی رکھ کے
قریب لے آیا تھا کہ اُسے گڑھے کی سیدھ میں نہ جائے بکٹگیں کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ
اسے موت کے گڑھے میں لے جلیا جا رہا ہے۔ اس نے ابو اسحاق کی رکھ کو اپنی رکھ سے
پرے دھکیلا شروع کر دیا۔ اسے میں گڑھا آگیا۔ یہاں آکر ابو اسحاق نے چلا کر کہا کہ اُڑ
سے لیے ایک طرف ہٹ جاؤ۔ مگر گڑھا آگیا ابو اسحاق اپنے ہی گھوڑے ہوئے
گڑھے میں اپنے گھوڑے اور رکھ کے ساتھ ایسا کر کہ موت سے بچی نہ سکا اُس نے
دوستوں سے کہا تھا کہ بکٹگیں کو مار کر وہ اینگلیں کی مٹی کے ساتھ شادی کر سکے گا۔
”خدا نے تمہیں کبھی عظیم کام کے لیے زندہ رکھا ہے۔“ اینگلیں نے بکٹگیں
سے کہا۔ ”میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میرے منصوبے کی کامیابی کے لیے تم
نے وہی کارروائی کی جو تم نے بتائی تھی تو تم میرے داماد ہو گے اور مجھے اس پر فخر ہو گا۔“

اس واقعے سے ایک آدھ سال بعد غزنی کا حکمران عبداللہ مرگا۔ اینگلیں
نے اپنے اثر و رسوخ سے کوشش کی کہ عبداللہ کا چھوٹا بیٹا تخت نشین ہو لیکن
بڑے بھائی منصور کی موجودگی میں اینگلیں کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ دو روز بعد
بکٹگیں میں سو منتخب سواروں کے ساتھ غزنی گیا اور مظاہرہ کیا وہ ہمارے لوگوں کی
طرف سے مہلک بادشاہی کرنے آیا ہے مگر اس نے اندد جا کر منصور کو گرفتار کر لیا اور
اس کے سواروں نے ہدایت کے مطابق محافظہ سے کوٹھیر میں لے کر تھوڑا دیر لیا۔

کی بیوی نے اسے کہا۔ آپ کے خواب کی تعبیر آپ کے سامنے آگئی ہے۔ میں نے اس بچے کو جنم دے دیا ہے جو باطل شکن ہوگا۔ آج کو آپ کی دسیوں نے اس اشارے کو سمجھ لیا۔ سبکیں نے بچے کا نام محمود رکھا، بچہ خوبصورت نہیں تھا۔ اس کا رنگ گہرا سونوا تھا مگر سبکیں نے اسے اپنی توجہ کا مرکز بنالیا۔ بچپن میں ہی اسے قرآن حفظ کرانا شروع کر دیا۔ اس کے لیے خاص آقا لائق رکھے جنہوں نے محمود کو علم بھی دیا اور جنگی تربیت بھی۔ وہ پندرہ سال کا ہوا تو باپ اسے راجہ جے پال کے خلاف جنگ میں لے گیا۔ اسے ہندوؤں کے خلاف لڑا کر کہا "تم بٹ شکن بنو گے۔"

اور یوں نوشیرواں عادل کی نسل سے ایک بٹ شکن پیدا ہوا۔

منصوبے کی اگلی کڑی کے مطابق اینگلیس نے جو فوج کے ساتھ غزنی کے قریب آچکا تھا، طوفان کی طرح آکر شہر کے اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔

گلیوں اور بازاروں میں اعلان ہونے لگے۔ "ظالموں کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ ہم عدل و انصاف لائے ہیں۔ ہم اللہ اور رسول کی حکمرانی لائے ہیں۔" پہلے روز سے ہی ایسے احکام جاری کیے جانے لگے جو لوگوں کی نجات و بہبود کے لیے تھے۔ جوں جوں دن گزرتے گئے لوگ نمایاں طور پر محسوس کرنے لگے کہ ظلم و تشدد، تنگدستی اور بے انصافی کا دور ختم ہو چکا ہے۔ انہوں نے دل و جان سے نئی حکومت کو قبول کر لیا۔

اینگلیس کی حکومت ۹۹۲-۱۲۵۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس نے سبکیں کو امیر الاطراف بنادیا اور اپنی مہنی کی شادی اس کے ساتھ کر دی مگر اگلے ہی سال ۹۹۳ء میں اینگلیس مر گیا۔ اس کے بیٹے اسحاق نے باپ کی گتھی سنبھال لی مگر خوشامدیوں اور چالوس قسم کے مشیروں کے گھیرے میں آگیا۔ وہ اس سے اپنے مطلب اور مفاد کے احکام صادر کرانے لگے جو اس کے باپ کے احکام کے الٹ تھے۔ لوگ ایک بار پھر پریشان ہونے لگے۔

امیر سبکیں نے ایک بار پھر وانشندی اور جرأت کا مظاہرہ کیا، اور ایک صبح لوگوں نے خبریں کر سُنیں کہ اس کا حکم اسحاق کو قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے اور ان کا بیٹا سلطان سبکیں ہے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے کہ سبکیں نے کس طرح اسحاق کو معزول کیا اور کس طرح قوم کی کاپالٹ دی۔ اُس نے فوج اور لوگوں کے دل جیت کر کچھ اور ملائے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے اور سب سے پہلے ہندوستان کی طرف توجہ دی۔

اُس نے ایک رات خواب دیکھا کہ اس کے محل کے ایک کمرے میں ایک درخت پیدا ہوا جو بڑھتا گیا چھت چھا کر اچھلا گیا اور یہ اتنا بڑھا کہ آدھی دنیا پر سایہ کر لیا۔ اس خواب نے سبکیں کو پریشان کر دیا۔ اس نے خواب اپنی بیوی کو سنایا۔ وہ چپ رہی۔ اس کے فوراً بعد اس کے گھر میں ایک اور خواب آئے۔ اس سے اس پریشانی اپنے آپ ہی دور ہو گئی۔ اس

جب مسلمان مسلمان سے ٹکرایا

”ابھی میں تیار ہوں۔ باپ کی بیوی نہیں بی بی تھی میں ایک شہزادے کی بیوی تھی۔ لیکن میرے دل اور میری روح میں تیار ہوا ہوں۔ کیا تھا مجھے اپنا منگیترا اس لیے پسند نہیں تھا کہ وہ مجھے اپنے عزم کی زینت بنانا چاہتا تھا مجھے کما کر اٹھا کر گھوڑوں پر چھوڑ دوں گا۔ میرے گھر سے دیاؤں میں کودنے اور سرنے کی شوقین تھی۔ گھوڑوں پر سواری اور سیراکی میرے مشاغل تھے۔ میں خوبصورت تو تھی مگر میں خائش کی چیز نہیں بننا چاہتی تھی۔ میں نے تیار ہوں۔ باپ سے کہا تھا کہ مجھے وہ خاندان چاہیے جو میرے ساتھ گھوڑا دوڑائے اور جو دیاؤں میں کود جائے۔“

”میرے عزیز بیٹے! میں عرضوں کے بادشاہوں اور امرا کو بتا چاہتی تھی کہ مسلمانوں کا زوال اسی روز شروع ہو گیا تھا جس روز عورت کو سنگھار اور زیبائش کی چیزوں میں ہاندھ کر لے سبھی جذبات کی تسکین کا ذریعہ بن گیا تھا۔ میں نے تمہارے پاس سے کہا تھا۔ ”سنگھار“ عزم کی عورتوں کے بطن سے جو پھیل جاتا ہے۔ میں وہ عقلیت اسلام کے سامان نہیں بن سکے۔ میں اس لیے کہ جو عزم میں گی جو اسلام کو دور دور تک پھیلانے کا شکر ملے اور عالم بن کر نہیں، مجاہد اور تیغ زن بن کر۔“

”تمہارے باپ نے جس کی کرا۔ میری ماں بھی ایسے ہی خواب دیکھا کہ تھی مگر میں غلاموں کی منڈی میں نیلا ہوا تھا۔ میں نے اُسے کہا تھا۔ اسلام کے سامان تم جیسے غلام ہوں گے۔ دولت و دولت تو اسلام کو ڈوبیں گے۔ میرا باپ بھی غلاموں کی منڈی میں نیلا ہوا تھا لیکن غلامی کا سلطان بنا۔ میں نے تمہارے باپ سے کہا تھا کہ میں جس عظیم پیمانے پر جنم کے خواب دیکھ رہی ہوں وہ پیمانہ ہو گا۔“ یہ میرے دل کی نہیں میری روح کی آواز تھی۔ سنگھار کے ساتھ میری محبت جہانی اور جہد بانی نہیں تھی میری روح میں خدا بولی رہا تھا۔“

”خدا نے بزرگ و برتر نے اپنی خدائی کاکر شہر دکھایا۔ میں تمہارے باپ کی بیوی بن گئی۔ تمہارا باپ جو میرے باپ کی طرح غلاموں کی منڈی میں نیلا ہوا تھا غلامی کی سلطنت کا سلطان اور میرے باپ کا جانشین ہوا۔ پھر خدا نے دو اہل لال نے تمہارے

غزنی کے سفارسات میں ایک بارغ تھا۔ بارغ کے وسط میں جھونسا ایک مکان تھا جس کی ساخت اور تعمیر بتاتی تھی کہ کسی شہزادے کی امیر وزیر کا مکان ہے۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے یہاں بارغ تھا۔ مکان۔ دیر نہ تھا۔ اب یہ دیرانہ سبزہ ناز بن گیا تھا۔ اس میں رنگ برنگے پھولوں کے گتے تھے۔ راہ جاتے لوگ رک کر دیکھتے اور بارغ اور مکان کی لکٹی میں کھوجاتے تھے۔ غزنی کے رہنے والے اس بارغ کے ارد گرد گھومتے پھرتے اور اپنے سلطان بکشین کے بیٹے محمود کے نقد کی داد دیتے تھے۔

یہ بارغ اور اس میں یہ مکان محمود غزنوی نے اپنے باپ کو بتائے۔ پندرہ سال پہلے بنوا کر شروع کیا تھا۔ اُس نے اپنی ماں سے اجازت لے لی تھی۔ محمود اپنے ماں باپ کا بد صورت اور کوتاہ قد کا تھا۔ اس کے بھائی اچھل شکل و صورت کے تھے لیکن ماں کو صوب سے زیادہ پیر محمود سے تھا۔ محمود نے چند سال پہلے جب اُسے کہا تھا کہ وہ ایک بارغ اور اس بارغ میں ایک بہت ہی خوبصورت مکان بنانا چاہتا ہے۔ تو ماں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ ”میں نے آپ کے دل کو کھینچ پٹپٹا دیا ہے۔ مابہتر“۔ محمود غزنوی نے ماں سے کہا۔ ”میں یہ مکان نہیں بنواؤں گا۔“

”نہیں چننا۔“ ماں نے کہا۔ ”میں تمہیں خود مکان بنوا دوں گی جس کے ارد گرد

بارغ ہو گا۔“

”پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آگئے ہیں؟“

”مجھے وہ وقت یاد آ گیا ہے جب تم پیدا ہوئے تھے۔“ ماں نے کہا۔

اُس کی شان اور اُس کی جتنی طاقت کو دیکھ کر سپاہِ لوردیا جیسے راستہ دے رہے تھے۔ لوگ در کے سارے ڈر بھاگ گئے تھے۔ وہی راجہ پاپا کیست کا کروا پس پتلہ میں نکل ہوا تو لوگ دُور دُور سے آئے اور حیرت سے دیکھنے لگے کہ یہ اُن کا مارا لہجہ ہے۔ اُن اُس کی بدروح بتا کی جتنی طاقت نے اپنے قلعے کی طرح علی آری بھی بگھڑوں اور ایتھوں کے بھی سر جھکے ہوئے تھے اُن کی چال بتاتی تھی کہ یہ کسی بھی قدم پر گر پڑیں گے۔ پشاور میں راجہ کا جو عمل تھا وہاں اس کا استقبال کے لیے نقارے بکے۔ محل کے ہی نظمِ عظیم کے لیے دوریہ کھڑے ہو گئے۔ راجہ نے غصے سے پھٹ کر کہا۔
— بندہ کروا نعلِ فیاضہ۔ اُس نے اپنے ساتھ کے کسی آدمی سے کہا۔ دونوں پتھروں کو نوٹا حاضر کرو۔

محل کی فنائیں شاخِ اُعلیٰ ہو گیا۔ دلوں جو انسان تھے، وہ تو جیسے مر گئے تھے۔ اس سکوت میں دو مین آدمیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پندت کہاں ہیں..... پندت بھی داراج کہاں ہیں؟

راجہ اس کیفیت میں محل نے ایک کمرے میں نکل رہا تھا کہ غصے سے اُس کی سانسیں دھونکی کی طرح چل رہی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے اپنے ہی اُتار پر گھوم رہا تھا اپنی ران پر بڑی زور سے ہاتھ مارتا تھا۔ اُسے پتہ نہ چل سکا کہ وہ پندت کہ سے میں داخل ہو کر بہت بہت کھڑے ہیں۔ یہ سب سے بڑے پندت تھے جو بھنڈہ میں رہتے تھے اب چونکہ راجہ نے لاہور سے شیشمی کی تھی اس لیے وہ لاہور آ گئے تھے۔ اُن محل نے ہی راجہ کو کوچ کا شہہ دن بتایا اور لفظیں دلایا تھا کہ اُسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ دونوں پندت اس کے ساتھ پوش و رنگ گئے تھے، اور جب راجہ اپنی فوج کے ساتھ پشاور سے نکلا تھا تو وہاں پندت گھنٹیاں بجاتے راتے میں کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ بارہ کنوارے لڑکے تھے جن کے اُتھوں میں طشتِ مال اور طشتیوں میں اگر تیاں چل رہی تھیں۔ وہ کوئی مذہبی گیت گاتا رہی تھیں۔ انہوں نے راجہ کے راستے میں پھولوں کی تیاں بکھیری تھیں۔

وہ ان کو کئی بھی آدمی جس کے پاس دولت ہے، ایسا مکان بنا سکتا ہے لیکن جو فرض تھیں سو بنایا کیسے۔ وہ ہر کوئی ادا نہیں کر سکتا لوگ اپنے مکان اور شہر سے اور بادشاہ اونکی یادگاریں صرف اس لیے بناتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد بھی لوگ انہیں یاد رکھیں اور ان کا نام ایسے مگر ایتھوں اور پتھروں کی ملائیں منجھا کر ہیں۔ یادگار لوگوں کے دلوں میں تعمیر کروا دے کہ جس کی یاد تاریخ کے ہر دور میں تازہ ہو۔ اپنے ایک کو ایک مکان کی دیوہوں میں قید نہ کرو اسے تاریخ کے پھرے پر کبھی نہ خٹے والا نقشِ بنا دو..... اور گھوڑا دولت، عورت اور خوشنما مکان انسان کی بہت بڑی کمزوریاں ہیں۔ یہ زنجیریں ہیں جن میں جو بندہ جاتا ہے، وہ نئی نوع انسان کے لیے شیطان بن جاتا ہے۔ تم جوان ہو گھوڑا رکھیں اور جوانی کا یہ سنگم زندگی کا بڑا ہی خطرناک دورا ہوتا ہے۔ انسان اپنے سود و زیاں کو گم ہی دھیاں میں رکھتا ہے اگر تم اس عمر میں دنیا کی رنگینی کی راہ پر چل پڑے تو واپسی کے تمام راستے بند ہو جائیں گے۔

”آپ مجھے اس مکان میں نہیں رکھیں گے“ گھوڑا غزنی نے کہا۔ میں یہ کبھی بھی نہیں بھولا کہ میں مردِ میدان ہوں۔

”اگر تم میری زندگی میں کفار سے لاتے ہوئے شہید ہو گئے تو میں تمہیں اسی مکان میں دفن کروں گا۔“ سلطان بکٹیکین نے کہا۔ تمہاری پسند کا یہ مکان تملی روح کی پسند کا مقبرہ ہو گا اور یہ باغ ہمیشہ ہر ابھرا رہے گا۔

سلطان بکٹیکین نے ٹھیک کہا تھا باج غزنی کے مصافحات میں محمود غزنوی کے اس مکان اور اس باغ کا نام و نشان نہیں تھا۔ پندت اُن پر اُس کے سترہ ملوں کے سترہ ادھاری مینار پورے سترہ نہیں رہے۔ متعدد مینار گر کر غائب ہو چکی ہیں لیکن اُن سترہ بزرگ محمود غزنوی کا مینار کی طرح زندہ و تابندہ ہے۔ محمود غزنوی بہت شکم کے نام سے ہمیشہ زندہ رہتا تھا۔

راجہ نے اپنا ہتھوڑا ہی غم سے پندت کی نالی لٹکایا۔ اُسے پشاور سے گزر رہا تھا۔

نہ سکی۔ تم ابھی طرح جانتے ہو کہ میری فوج کی تعداد میں لاکھ تھی اور مسلمانوں کی فوج کی تعداد ہم سے چار گنا کم تھی۔“

”ہم حساب جوڑ کر بتائیں گے مہاراج! — ایک پنڈت نے کہا۔“
”معلوم ہوتا ہے سارے نکرانے ہیں۔“

راجہ جے پال کو غصے نے باؤ لاکر رکھا تھا۔ ایک طرف پنڈتوں کی پوٹھیاں اور تاروں کا علم تھا۔ دوسری طرف اس کے سامنے یہ انتہائی تلخ حقیقت تھی کہ وہ کس غم کے ساتھ تین لاکھ کا لشکر کے مرغزانی پر قبضہ کرنے اور اس تمام علاقے یعنی آج کے تمام افغانستان کو ہندوستان میں شامل کرنے گیا تھا۔ وہ ہندوئوں کو مابھارت بنانے کا خواب دیکھ رہا تھا مگر وہ اپنی فوج کو سلطان جنگلیوں کی فوج کے دم و دم پر چھوڑ کر اس کیفیت میں بھاگا کہ پشادہ تک اس نے پیچھے مڑ کر مدد دیکھا۔

اس کے لیے یہ صورت حال بہت ہی تکلیف دہ تھی۔ وہ چار پانچ برساتوں کی فوج اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اسے ان مہاراجوں کا سامنا کرنا تھا۔ ایک صورت اور بھی پیدا ہو گئی تھی۔ اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جو مہاراجہ و عبادتوں سے شکست کھائے اُسے حکمرانی سے دستبردار ہونا پڑتا تھا۔ جے پال دوبارہ شکست کھا چکا تھا۔ اُسے اپنے بیٹے کے حق میں راج سے دستبردار ہونا تھا۔ اس کا بیٹا اندھ پال نوجوان تھا جس طرح سلطان جنگلیوں نے محمود غزنوی کو عسکری تربیت دی تھی، اسی طرح جے پال نے اپنے بیٹے کو جنگجو بنا دیا تھا مگر اندھ پال ابھی ریاست کا راج سنبھالنے کے قابل نہیں تھا۔ راجہ جے پال کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ دوسرے

مہاراجے اسے راج سے ہٹ جانے کو کہیں گے۔ ان مہاراجوں کی بھی فہمیں تباہ بنوئی تھیں۔ ان حالات میں راجہ جے پال کا دماغی توازن قائم نہیں رہتا تھا جب بہشت نے اسے کہا کہ وہ حساب جوڑ کر بتائیں گے کہ ان کا پہلا حساب جس میں انہوں نے راجہ کو فتح کی خوشخبری سنائی تھی کیوں غلط نکلا ہے تو غصے سے راجہ

”مہاراج! — ایک پنڈت نے کہا۔“ ہم حاضر ہیں؛
راجہ رک گیا۔ اُس نے پنڈتوں کو دیکھا اس کی بڑھی آنکھوں میں قہر اتر رہا تھا۔
”وہ برج اور جھوٹ کے درمیان معلق ہو کر رہ گیا تھا۔“
”کیا تم نے جھوٹ بولا تھا یا اسدی پوٹھی نے جسے دیکھ کر تم نے مجھے کس کا شبہ دیا تھا؟“ — راجہ جے پال نے ان سے پوچھا۔

”نہ ہم نے جھوٹ بولا تھا نہ ہماری پوٹھی نے۔“ — ایک پنڈت نے جواب دیا۔ ”تو سارے جھوٹ نہیں بولا کرتے، مہاراج! ہم آپ کو پھر حساب جوڑ کر بتا سکتے ہیں۔“

”تم لاکھ حساب جوڑو! میرے سامنے اس وقت یہ شرمناک حقیقت بنے کہ میں شکست کھا کر آیا ہوں اور میری فوج تباہ ہو گئی ہے۔“ — راجہ نے کہا۔
”اس کی کیا وجہ بنوئی؟“ پنڈتوں نے کہا تھا کہ فلاں دن کو کس کو تو فتح ہوگی۔ تم نے کہا تھا کہ دیوی کی آشرہ بدل گئی ہے۔ تم نے کہا تھا کہ پنڈتوں کو ساتھ لے جاؤ۔ وہ مورتیاں اور کٹن مزاری کے بت ساتھ لے جائیں گے اور لڑائی سے پہلے سپاہیوں کے سامنے یہ بت اور مورتیاں رکھ کر رات بھر کرنا، پھر یہ سپاہی پاڑوں کو پیس ڈالیں گے۔ میں نے یہ سارا انتظام کیا۔ وہاں جا کر دیکھو جہاں لڑائی ہوئی تھی۔ وہاں تلوں کے ٹکڑے اور مورتیوں کے پرچے پھرے ہوئے ہیں۔ پنڈتوں نے سپاہیوں کو ان کے سامنے بٹھایا مگر گھنٹیاں بجے گئیں اور پارتھنا شروع ہوئی تو مسلمانوں نے ہم پر اس طرح فلول دیا جس طرح اچانک گولہ آتا اور راستے میں جو کچھ آئے اڑا کر لے جاتا ہے۔۔۔۔

”تم سمجھتے ہو گے کہ وہ لشکر کی صورت میں آئے تھے نہیں حملہ کرنے والوں کی تعداد کمپاس اور سو کے درمیان تھی۔ رات کا وقت تھا جب عموماً لڑائی نہیں ہوا کرتی۔ ہمارے کٹن مزاری کے بت اور مورتیاں ہمارے انہی سپاہیوں کے پاؤں تلے روندی گئیں جو ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر ہمدست کر رہے تھے۔ پنڈت بھاگ گئے۔ سپاہی پکھر گئے اس کے بعد میری فوج کسی بھی وقت مسلمانوں کے سامنے ٹھہر

راجہ جے پال اپنی مندر پر بیٹھا ہوا تھا۔ دربار کے دستور کے مطابق اُس کے دو پندت اُس کے دائیں بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ دونوں جرنیل۔
دو خوش وضع گھمنے ہوئے جموں والے اور دراز قد آدمی اندر لائے گئے۔
ان کے ہاتھوں میں بھنگڑیاں اور پاؤں میں تیریاں تھیں۔ وہ تھے توفیدی لیکن ان کی چال ڈھال میں وقار اور جلال تھا۔ ان کے چہروں پر خوف نہیں تھا۔ غلامت نہیں تھی۔ وہ کنگلیوں کی نافرمان فوج کے کماندار تھے۔ انہوں نے آخری معرکہ میں شیب خون مارا تھا جو اسنادیر اندھ تھا کہ دشمن کے عقب میں چلے گئے اور پھر گئے تھے۔ دونوں کے ہتھکڑیوں نے دشمن کو بہت نقصان پہنچایا تھا مگر انہیں خاصی جانیں قربان کرنی پڑی تھیں۔

راجہ جے پال کے ساتھ ایک رجمان تھا جو غزنی کے خطے کی زبان بولتا اور سمجھتا تھا۔ راجہ نے اس کی وساطت سے دونوں قیدیوں سے باتیں کیں۔
"میں تم دونوں سے کوئی جنگی راز معلوم نہیں کرنا چاہتا۔ راجہ جے پال نے کہا۔" مجھے یہ بتاؤ کہ جب تمہاری فوج لڑائی کے لیے جاتی ہے تو تہاڑے مولوی یا جو نشی تہاڑے بادشاہ کو بتاتے ہیں کہ فلاں دن کوچ کرو، در نقصان اٹھاؤ گے؟"

"نہیں۔ غزنی کے ایک جنگی قیدی نظام اودیزری نے جواب دیا۔
"ہماری لڑائی ہمارے دین کے دشمن کے خلاف ہوتی ہے۔ دین کے دشمن آپ بھی ہیں۔ بیسائی اور جوردی بھی ہیں، اور ہمارے مسلمان بھائی بھی ہمارے دین کے دشمن ہو سکتے ہیں۔ ہماری لڑائی جہاد کھلاتی ہے۔ ہم اپنی ریاست کی توسیع کے لیے کسی ملک پر حملہ نہیں کیا کرتے چونکہ ہم خدا کی راہ میں، خدا کے پیچھے مذہب کی خاطر لڑتے ہیں، اس لیے ہم کو ترجیح پیشہ دہی اور حملے کے لیے ہر دن کو مبارک دن سمجھتے ہیں۔ دن جو یا رات، بادشہ جو یا طوفان، حکم مل جائے تو ہم جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔"

"کیا مسجدوں میں تہاڑے مولوی اور امام تہاڑی کامیابی کے لیے خاص قسم

کے ہاتھ کاٹنے لگے۔
"میں نہیں یہ بھی بتاؤ، کہ مسلمان تہاڑی طرح ناپاک بنائے بغیر لڑنے آئے تھے۔" راجہ جے پال نے کہا۔ "انہوں نے تہاڑوں کے راتے نہیں دیکھے تھے۔ ہمارے ہاتھ مسلمان فوج کے بہت تھوڑے جنگی قیدی آئے ہیں۔ ان میں سپاہیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ وہ اپنے ہمدے کے فوجی ہیں۔ میں انہیں تہاڑے سے کھڑا کر کے پوچھوں گا کہ وہ اپنے مولویوں سے جو نش اور نجوم کے ذریعے فتح کی خوشخبری لے کر آئے ہیں، مجھے شک ہونے لگا ہے کہ مسلمانوں کا یہ کنایہ سچ ہے کہ پتھر کے خدا سمجھو نے میں مسلمان جس خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ مجھے سچا خدا معلوم ہوتا ہے۔"

"چھی، چھی، چھی،... سارا ج! ایک پندت نے کہا۔ مسلمان کچھ ہیں۔ اپنے دباؤں کو اس لیے جھوٹا کہیں کہ آپ کو شکست ہوئی ہے۔ اس کی کئی اور وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اس کی یہ وجہ ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کا مذہب سچا ہے۔
"کبھی کے گھر ڈاکو پڑا ہے تو گھر ٹوٹ جاتا ہے۔ دوسرے پندت نے کہا۔
"اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ڈاکوؤں کا خدا سچا ہے۔ اور لٹنے والوں کا جھوٹا۔
"میں اپنے مذہب کو سچا سمجھ کر اسے مسلمانوں کے علاقوں میں پھیلانے کے ارادے سے گیا تھا۔ راجہ جے پال نے کہا۔ "دیوتاؤں نے میری کیوں مدد نہیں کی؟ مسلمان ہمارے بہنوں اور موتیوں کے ٹکڑے دیکھ کر ہمارے مذہب پر نہیں رہے ہوں گے۔"

"سارا ج! ہمیں ناپاک بنانے کے لیے مصلحت دین۔"

"میں مصلحت دیتا ہوں۔ راجہ جے پال نے کہا۔ لیکن ذرا گھرو۔ میں مسلمان قیدیوں کو بلاؤں، ہم میٹھا جاؤ۔"

راجہ نے کمرے میں نکلنا ہوا گھڑیاں بجایا۔ دربان اندر آیا تو راجہ نے اسے اپنے دو قیدی جرنیلوں کے نام لے کر کہا کہ انہیں فوراً بلاؤ اور ان دو مسلمان قیدیوں کو بھی لے آؤ جنہیں دوسرے قیدیوں سے الگ رکھا گیا ہے۔

”اسے ابھی احساس نہیں ہوا کہ یہ ہمارا قیدی ہے۔“ راجہ جے پال نے کہا۔

دوسرے کی طرف دیکھا۔ بوڑھے راجہ پال نے انیس دیکھا گرج سنی تو اُس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوئے۔ پنڈت اور زیادہ بلند آواز سے بُت کے آگے گزرتا نہ گئے۔ ابرو دھوپ باغلی ختم ہو گئی۔ منہ کے اندر بھی نیم اڑیکی چھا گئی۔ اس کے ساتھ ہی باجر جنس سنائی دینے لگیں۔

”سہاراج!۔۔۔ بڑے پنڈت نے راجہ پال کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور ہاتھ جوڑ کر گھبراہٹ کے بحر میں کہا۔ ”دلو تا سخت ناراض ہیں۔ غزنی کے میدان جنگ میں بتوں کی جو کوہیں ہوئی ہے اسے دینا بخشیں گے نہیں۔“ آسمان سے اتنی مدد کا دھمکا ہوا کہ مندر لرز گیا۔ بُت ڈول گیا۔

”پنڈت جی سہاراج!۔۔۔ راجہ پال نے کانپتی ہوئی آواز میں چلا کر کہا۔ ”یہ تو کیا مانگتے ہیں؟ کتنی قربانی مانگتے ہیں! کتنے انسانوں کی جان مانگتے ہیں! میں اسے ہی انسانوں کی قربانی دوں گا۔“

اُس وقت راجہ پال، پنڈتوں اور بتوں پر آسمان کی کرک، گرج اور چیخول کا خوف طاری تھا۔ مندر سے کچھ دور مسلمان کانپھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ وہ خوشی سے تاج رہے تھے۔ ایک دوسرے کو مبارک دے رہے تھے۔ اس طوفانی بارش اندھ بگی کی کرک اور گھٹاؤں کی گرج میں ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اللہ نے کرم کر دیا ہے۔۔۔۔۔ اب نسل اسٹھکی۔۔۔۔۔ ڈھول بجاؤ۔۔۔۔۔ ناچو۔۔۔۔۔ نسل پڑھیں گے۔۔۔۔۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔“

مسلمانوں کے لیے جو اللہ کا کرم تھا، اسے دوس کے بڑی اپنے بھگوان کا قہر سمجھ رہے تھے۔ مسلمان سجدوں میں ٹکرانے کے نفل پڑھنے کی باتیں کر رہے تھے۔ یہ بارش جو آج برسے گی کتنی ایک ماہ پہلے برسی چاہیے تھی۔ اس اخیر سے خشک سالی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اگر سجدہ اور مندر میں یہ فرق تھا کہ سجدہ کا کرم منہ کا قہر تھا۔ مسلمان کالوں کے پتے کئی باہر نکل آئے۔ ابدنا چتے کو دتے پھر رہے تھے۔ گورمند میں کئی ہاتھوں والی دیوی کے چہرے پر بھی خوف تھا۔

پنڈت اس بُت کے سامنے ہاتھ جوڑے کشتن مانگ رہے تھے۔ باہر

راز کچھ ہوسکتے۔ اب تمام اذیتوں نے اسے کڑیا کر وہ جان دے دے گا، یہ راز نہیں بتائے گا تو اس کے دماغ میں سی گانٹھ پڑے گی۔ یہ راز معلوم کر کے رہے گا۔

لاہور نے سب سے بڑے مندر میں پنڈت کئی ہاتھوں والی دیوی کے بُت کے آگے بوبان اور اگر عیاں جلانے کچھ پڑھ رہے تھے۔ مندر کو صاف کیا گیا تھا۔ اندر اور باہر سے سجایا بھی گیا تھا۔ مندر میں عام لوگوں کا داخلہ بند تھا۔ اندر صرف میں کہیں فوجان لڑکیاں ہاتھوں میں بھولوں کی نوکریاں اٹھانے کھڑی تھیں۔ ان میں ایک سے ایک بڑھ کر نونہل دوت تھیں۔ وہ مندر کے دروازے کے سامنے دو قطاروں میں کھڑی تھیں۔ وہاں فوج کے چند ایک افسر بھی گھوم پھر رہے تھے۔ باہر سے شور اٹھا۔ سہاراج کی سواری آ رہی ہے۔“

ہر بونگس جگمگی۔ راجہ پال نوکیوں کی دونوں قطاروں کے قریب پہنچا تو نوکیوں نے اُس کے رستے میں بھول بھٹکنے شروع کر دیے۔ راجہ قطاروں کے درمیان سے گزرا تو نوکیوں نے اُس پر پھولوں کی تیاں بھینکیں۔ وہ بھولوں کو روتا، بھولوں کی بارش میں گزرتا مندر میں داخل ہو گیا جہاں پنڈت جبر مندر پڑھ رہے تھے۔ ایک پنڈت نے اس کے سامنے پڑک لگایا۔ ایک پنڈت نکلے اور دوسرا گھنٹی بجانے لگا۔

راجہ پال نے کئی ہاتھوں کی دیوی کے بُت کے پاؤں چھو کر ہاتھ اپنی ہاتھوں امد اپنے مانگتے سے لگائے۔ پھر ہاتھ جوڑ کر قسم کھائی کہ میں شکست کا اتفاقوں کا ہندومت کو دور دور تک پھیلاؤں گا جس خطے سے اسلام اٹھا تھا اُس خطے کو دیوی دیتوں کے دیس میں شامل کر دوں گا۔ اگر نہ کر سکے تو وہیں اپنی جان دے دوں گا۔

وہ خاموش ہوا تو پاؤں کی باری آئی۔ انہوں نے اپنی زبان میں بُت سے بہت کچھ کہا۔ گھنٹیاں اور سکھ بکتے رہے۔ عین اُس وقت بڑی زور کی گرج سنائی دی۔ باہر سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ گرج ایک بار پھر سنائی دی۔ پنڈتوں نے ایک

”میں اپنے ہاتھ سے اپنی گردن کاٹ دوں گی، لیکن مدارج! میں کنواری نہیں ہوں۔“

”تساری شادی ہو چکی ہے تو مندر میں کیوں آئی ہو؟۔ راجہ بنے پوچھا۔
”میں کسی کی بیوی نہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میں مندر کی داسی ہوں پنڈت کی مدارج مجھے....“

”قربانی کے لیے خاص رنگ، عمر اور شکل و صورت کی کنواری کی ضرورت ہے۔“ بڑے پنڈت نے لڑکی کی بات پوری نہ ہونے دی اور بولا۔ ”ان میں سے کوئی بھی لڑکی قربانی کے قابل نہیں۔ ہم خود تلاش کریں گے۔ آپ فکر نہ کریں ہم لڑکی کو پورے چاند کی رات سے لے کر اگلے پورے چاند کی رات تک اپنے پاس رکھیں گے۔ اُسے خاص قسم کی غذا دیں گے۔ اُسے خاص پانی سے غسل دیں گے۔ وہ اپنی زبان سے بولے گی کہ مجھے قربان کر دو۔ وہ آپ کو آئینہ بادے گی۔ اُسے اس مندر میں نہیں کسی خاص علاقے میں لے جا کر قربان کیا جائے گا۔“

”یہ لاکھ بہت جلدی ہونا چاہیے۔“ راجہ بے پال نے کہا۔
”آپ نے قربانی دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو دیوتاؤں کا قہر اسی سے رک گیا ہے۔“ بڑے پنڈت نے کہا۔ ”آپ سن نہیں رہے کہ آسمان کی گرج دھمی ہو گئی ہے، طوفان کا زور تمہارے گھر پر ہے مدارج! راجہ بے پال مندر سے نکل گیا۔ لڑکیوں کے چہروں پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ انہیں ڈر لگ رہا تھا کہ ان میں سے کسی کو قربان کر دیا جائے گا۔

”آج تم سب کچھ سمجھ گئی ہو گی کہ ہم نے تمہیں کنوارہ کیوں نہیں رہنے دیا۔“ بڑے پنڈت نے لڑکیوں سے کہا۔ ”ورنہ آج تم میں سے ایک لڑکی کی گردن کاٹ جاتی، یا اسے زندہ جلا دیا جاتا، پھر راری راری سب کو قربان کر دیا جاتا۔ پنڈت کے لیے میں نیکی اور شانتی بھی جیسے وہ کوئی مذہبی بات کر رہا ہوں تم اپنے اپنے جسم کی قربانی دے چکی ہو۔“

راجہ بے پال کی سواری برسی بارش میں چلی گئی۔ اُس کے ذہنی افراد محافظ بھی چلے

لڑکیوں نے راجہ بے پال کے راستے میں بھول بچھا دیکھے تھے، وہ ابعاد ماں کے طوفان سے گھبرا کر اندھا گئی تھیں۔

”مدارج! بڑے پنڈت نے راجہ بے پال سے کہا۔ ”اک کنواری کی قربانی۔“
”صرف ایک؟“

”جی مدارج! پنڈت نے جواب دیا۔ ”صرف ایک کنواری لڑکی ہو۔“
”بھئی مسلمان کی کنواری بیٹی کو پکڑ لاؤ اور میرے سامنے اسے قربان کر دو۔“ راجہ نے حکم دیا۔

”نہیں مدارج! پنڈت نے کہا۔ ”بھلو ان کسی طرح کی قربانی قبول نہیں کرتے۔ لڑکی ہندو ہونی چاہیے۔“

راجہ بے پال نے ان لڑکیوں کی طرف دیکھا جنہوں نے اُس کے راستے میں پھول بچھائے تھے۔ انہیں کنواریاں کہا جاتا تھا۔

”ان میں سے ایک کو اپنے پاس رکھ لو۔“ راجہ بے پال نے کہا۔ ”یہ سب کنواری ہیں؟“

لڑکیوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا، بعض کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی، پھر سب نے پنڈتوں کی طرف دیکھا۔ پنڈت جھینپ گئے۔ یہ لڑکیاں آج پہلی بار مندر میں نہیں آئی تھیں۔ یہ آتی ہی ریتی تھیں۔ اکیلی اکیلی بھی آتی تھیں۔ دو دو چار چار بھی آتی تھیں۔ ان کے جلنے والے ان کا احترام کرتے تھے کیونکہ یہ مندر کی کنواریاں تھیں۔ لوگوں کی نگاہیں میں پاک اور قابلِ تعظیم تھیں لیکن پنڈتوں اور لڑکیوں کی نگاہیں کچھ اور کستی تھیں۔ پنڈت لڑکیوں کی نگاہوں کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے۔

راجہ بے پال نے ایک لڑکی کو جو سب سے زیادہ حسین اور نوجوان تھی بازو سے پکڑا اور پنڈت سے کہا۔ ”اس کی قربانی دے دو۔“

”میں آپ کے قدموں میں جان دینے کو تیار ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔

ہو رہی ہے۔ یہ لوگ صرف اُس مسلمان قیدی سے کیا جاتا۔ نے جس کے متعلق شک ہو کہ اس کے پاس کوئی قیمتی راز ہے۔
دونوں قیدیوں نے خوف کر اُسے دیکھا۔

”دعیاں کھانے میں رکھو۔ ملازم نے کہا۔“ بات سرگوشیوں میں کرنا۔
انہیں شک ہو جائے گا۔ میں متباہا رہی آدمی ہوں۔۔۔ اگر تمہارے پاس کوئی راز ہے تو انہیں نہ بتانا لیکن انہیں دھوکے میں رکھنا۔ ورنہ یہ تمہیں ایسے جہنم میں پھینک دیں گے جہاں ہر روز مر دے اور ہر رات جوتے۔ انہیں ایسا دھوکہ دیتے رہو کہ تمہاری زنجیریں کھول دیں۔ میں تمہیں فرار کرواؤں گا۔ کبھی لالچ میں نہ آنا۔“

اُس وقت بارش کی کڑک اصرار جھٹکنی جھٹکوں کی وجہ سے اُن کی باتیں کوئی اور نہیں سُن سکتا تھا لیکن بارش کا زور توٹے ہی راجہ پال آگیا۔ ادا سے بتایا گیا کہ غزنی کے دو قیدی آگئے ہیں۔ راجہ نے انہیں اندر بلایا۔
”میں تم سے وہ راز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ راجہ نے کہا۔“

”ہم مارنے کے عادی نہیں۔ نظام اوریزی نے کلب خدا کے سوا ہم کسی کے سامنے نہیں جھکا کر تے اور ہم آپ پر اعتقاد نہیں کر سکتے کیونکہ آپ اور آپ کی قوم مسلمان کو دھوکہ دینے اور وعدہ توڑنے کو سبکی سمجھتی ہے۔ اگر ہم زنجیروں میں بند ہوئے آپ کو راز کی باتیں۔ یوں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم قیدی کی حیثیت سے بچنے کے لیے اپنی قوم کے ساتھ عداوت کر رہے ہیں۔ قیدی کی حیثیت سے ہم اپنی زبانیں نہیں کھولیں گے۔“

”تو کیا میں تمہیں اپنا سامان بنا کے رکھوں؟“

”جو کچھ بھی بنا کر رکھیں، ہم قیدی رہ کر آپ کو اپنا دوست نہیں سمجھ سکتے۔“

نظام الملکی نے کہا۔ ”آپ ہمارے امراء ان کے محافظ دے کر قیدیوں میں مار چکے ہیں۔ آپ نے ہمارے سلطان کے ساتھ وعدہ ظلم کی ہے۔ آپ ہم سے اپنے کام کی بات پوچھ کر سباز بھی دی جتن کر رہے ہیں۔ جو آپ ہمارے امراء اور ان کے محافظوں کا کر چکے ہیں، ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ اس سے زیادہ شکرے کر

گئے۔ مندر میں لڑکیاں اور بچہ نہ گئے۔ بچہ توں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ پچھلے کمرے میں چلی جائیں۔ وہ چلی گئیں تو بچہ نہ بھی اُن کے پیچھے چلے گئے۔

جس وقت راجہ پال مندر میں پہنچا تھا، اُس وقت غزنی کے دو قیدی نظام اوریزی اور اُس کا ساتھی قائم لکھی، ہتھکڑیوں اور زنجیروں میں بند ہوئے راج محل میں لائے گئے تھے۔ انہیں لانے کا حکم راجہ پال دے گیا تھا۔ دونوں کو راجہ کے انتظار میں تنگ سے ایک کمرے میں بٹھایا گیا تھا۔ راجہ نے یہ حکم بھی دیا تھا۔ کہ انہیں قید خانے کے گھسیا کھانے کی بجائے راج محل کا اچھا کھانا دیا جائے۔ راجہ انہیں خوش کر کے اُن سے وہ جنگی راز معلوم کرنا چاہتا تھا جو انہوں نے اس سے چھپایا تھا، حالانکہ اُن کے پاس ایسا کوئی راز نہیں تھا۔ راجہ نے اپنے جرنیلوں سے کہا تھا کہ وہ ان دونوں کو اتنی پیش کرائے گا کہ ان کے دماغ ماؤف ہو جائیں گے، پھر وہ ان کے دلوں کو گرفتار کر لے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ انہوں نے راز کی بات نہ بتائی تو انہیں بہت بُری سزا دی جائے گی۔

دونوں کے لیے کھانا لایا گیا تو انہوں نے پوچھا کہ کھانا کس نے پکا ہے انہیں بتایا گیا کہ یہ راج محل کے باورچی خانے کا پکا ہوا ہے۔ انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ انہیں کسی مسلمان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا دیا جائے خواہ وہ کتنا ہی گھسیا کیوں نہ ہو اور کھانا کوئی مسلمان لائے۔۔۔ چونکہ راجہ نے حکم دیا تھا کہ ان دونوں قیدیوں کی خاطر تواضع کی جائے، اُس لیے ہندو باورچی کے ہاتھ کا کھانا داپس کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک مسلمان ملازم کھانا اٹھائے ہوئے آیا۔ قیدیوں نے یقین کر لیا کہ یہ ملازم واقعی مسلمان ہے۔

وہ جب کھانا کھانے لگے تو اُن کے ساتھ جو پانی آئے تھے وہ کمرے سے نکل گئے۔ قیدی زنجیروں میں تھے، اس لیے اُن کے بھاگنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ مسلمان ملازم اُن کے پاس بیٹھا رہا۔ اُس نے چورنگا ہونے سے دیکھا کہ سپاہی باہر چلے گئے ہیں تو وہ فارسی زبان میں بولا۔ ”خوش نہ ہو نا کہ تمہاری خاطر و مدارت

میں جمع کرانیں۔ ہندوؤں میں یہی کچھ بتایا جانے لگا۔ ہندوؤں نے پہلے کی طرح اپنے پیٹ باندھ لیے اور آمدنی کا بغیر حقد ایسے ماراجہ کے خزانے میں جمع کرانے لگے۔

لاہور کے بڑے منبر سے یہ اعلان ہوا کہ ہندوؤں میں آسنے والے لوگ اپنی کنواری لڑکیوں کو بھی ہندو میں لایا کریں۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ کنواری چونکا گناہگار نہیں ہوتی، اُس کا جسم پاک ہوتا ہے۔ اس لیے دیتا اس کی دعا قبول کر لیتے ہیں۔ ہندوؤں کو ہندوؤں نے یہ بھی بتایا کہ اُن کا ماراجہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اور جو نئی فوج کی ضروریات کے لیے یہ سب جمع ہو گیا، ہمارا راجہ مسلمانوں کے ملک غزنی وغیرہ پر حملہ کر دے گا۔ تاکہ مسلمانوں کو حملے کی مصلحت ہی نہ ملے۔ تیاریوں کے ساتھ عبادت اور دعا کی بہت ضرورت ہے۔

اس اعلان کی تعمیل میں لوگوں نے اپنی کنواری بیٹیوں کو بڑے منبر میں بھیجا شروع کر دیا۔ بڑا پندت ان سے دعا کرتا تھا، لیکن وہ ہر لڑکی کو فور سے دیکھتا تھا کیونکہ اُسے انسانی قربانی دینے کے لیے ایک لڑکی کا انتخاب کرنا تھا۔

پھر راجہ جے پال کو اتنی ہوش بھی نہ رہی کہ غزنی کے دونوں قیدیوں کی طرف توجہ دے سکتا کیونکہ اُن سیاستوں کے ماراجے لاہور آگئے تھے جنہوں نے راجہ جے پال کو سلطان بنگلیوں کی سلطنت پر حملے کے لیے فوجیں بھیجیں۔ ان میں کالنجہر قلعہ، گوالیار قلعہ اور کالنجہر خاص طور پر قابل ذکر تھے۔ دن رات شکست کے اسباب پر گرام گم ہوتی رہتی تھی جو ہنگامہ آرائی تک پہنچ جایا کرتی تھی مگر کوئی ایک بھی ماراجہ ایسا نہیں تھا جس نے یہ کہا ہو کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اپنی فوج نہیں جھونکے گا۔ بحث کا موضوع یہ رہا کہ کس طرح سلطان بنگلیوں کو اُن کے علاقے میں ختم کر کے اس کی سلطنت پر قبضہ کیا جائے۔

اگر ہم علاقے فتح کر لیتے ہیں تو وہاں سے عرب کے علاقوں پر حملے کیسے جاسکتے

ہیں؟ — کالنجہر کے ماراجہ نے کہا: یہ عزم سب کے دلوں میں اُتر جائے کہ ہم ہندوستان کو ما بھارت بنائیں جس کی سرحدیں دجلہ اور فرات تک ہوں گی۔

جائیں، آپ کا انجام وہی ہوگا جو ہو چکا ہے۔ صرف ہم آپ کو بتا سکتے ہیں کہ آپ بہت تھوڑی فوج سے پہلے ہی فوج کو کس طرح شکست دے سکتے ہیں۔
”میں سناری زنجیریں کھلو اعلیٰ گا۔“ راجہ جے پال نے کہا۔ اور ہمیں قید خانے میں نہیں رکھوں گا۔“

”اور جب ہم آپ کو راز کی بات بتا دیں گے تو آپ ہمیں راکر دیں گے؟“
نظام اور بڑی نے پوچھا۔ آپ ہمیں غزنی تک جانے کے لیے سوار دیں گے؟
”جو ہو گا وہی ہو گا۔“

”ہم چند دن سوچیں گے، اور آپ کا فیروہ کیسے گئے؟“ نظام اور بڑی نے کہا۔ قید خانے کے سوا ہمیں آپ جہاں جی چاہے رکھیں۔ ہم یہاں سے بھاگ کر جائیں گے کہاں؟ اور یہ بھی خیال رکھیں کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں کا پاؤں کھائیں گے آج بھی ہمارے کھنے پر ایک مسلمان ملازم کھانا لایا تھا۔“

شکست کے بارے ہوئے راجہ جے پال نے اُن کی شرط قبول کر لی اور ان کی ہتھکڑیاں اور سیریاں کھلوا دیں اور حکم دیا کہ انہیں وہی مسلمان ملازم دے دیا جائے جس نے آج انہیں کھانا کھلایا تھا۔ انہیں الگ الگ دھڑوں میں بھیج دیا گیا جہاں ان کے لیے ہر قسم کی آسائش اور سہولت پیش کی گئی، لیکن دونوں قیدیوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے کمروں کے ارد گرد ہرے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

اگلے چند دنوں میں راجہ جے پال کی تمام تر ریاست کے مندروں میں لوگوں کو ایک بار پھر بتایا گیا کہ مسلمان فوج حملہ کرنے آرہی ہے، اور یہ فوج کوئی منہ نہ ملتا اور کوئی پندت زندہ نہیں چھوڑے گی۔ منتشر یہ کہ ہندوؤں کو مسلمان فوج کی بربریت اور وحشیانہ سے خوب ڈرایا گیا۔ اور اُن کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کی گئی۔ لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے ہندوؤں، اپنے بیٹیوں، اپنے تلوں اپنی جوان بیٹیوں کی عزت اور اپنی جائیں بچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم سرکاری خزانے

کتاب کے غزنی پر جو حملہ ہوا اسے سلطان بگٹکین کی فوج نہیں روک سکتی گی صرف
مدد ابراہیم ہی مصروف نہیں تھے، مندروں میں پنڈت وغیرہ بھی لوگوں کو لڑائی کے
یہ تیار کرنے میں سرگرم تھے۔

ادھر اسلام کی تباہی کے لیے متحدہ محاذ مضبوط ہو رہا تھا اور سلطان بگٹکین
کی سلطنت کے ارد گرد چھوٹے بڑے مسلمان حاکم اور حکمران۔ سلطان کی تباہی کے
برگردام بنا رہے تھے۔ اگر تین لاکھ کاہندو لشکر سلطان بگٹکین کو شکست دے دیتا
تو ہندوستان چھوٹے بڑے تمام حکمرانوں کو کھل دالتے۔ ان کے پاس ہتھیار ڈالنے
کے سوا کوئی ذریعہ نجات نہیں تھا۔ اکیلے بگٹکین نے نہ صرف اپنی اور اپنے مسلمان
پڑوسیوں کی سلطنتوں کو بچایا بلکہ اسلام کو بہت بڑے خطرے سے بچایا۔ کسی نے
اس کا ساتھ نہ دیا۔ اس کا بیٹا محمود اس کا دست راست تھا۔

سلطان بگٹکین نے ہندوستان میں اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے جو اسے
یہاں کی اخراج کی نقل و حرکت اور یہاں کے راجوں ہمارا جوں کے عزائم سے آگاہ
کرتے رہتے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ راجہ جے پال ایک اور حملہ نوکرے گا۔ اسے
یہ بھی معلوم تھا کہ اتنی زیادہ فوج مروا کر اور اتنے زیادہ جالو ختم کر کے راجہ جے پال
آئی جہادی حملہ نہیں کر سکے گا اگر اس کی اپنی فوج کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس کا
بھی بہت نقصان ہوا تھا۔ اس کے سامنے صرف یہی ایک مسئلہ نہیں تھا کہ راجہ
جے پال کے لگے حملے کے مقابلے کی تیاری کرے کہی اور مسائل دیہات تھے جن میں
سب سے بڑا یہ تھا کہ اس نے پڑوسی مسلمان حکمران اس پر راند پھینک رہے تھے۔
اس نے دو کارروائیاں کیں ایک یہ کہ تمام پڑوسی حکمرانوں کو ڈانٹا۔ دوسری یہ کہ
اور انہیں کہہ کر وہ ہندوؤں کے خلاف متحدہ ہو جائیں لیکن کسی ایک نے بھی تسلی بخش
جواب نہ دیا۔ سلطان نے دوسری کارروائی کی کہ اگر جسکے بشارت کے شاعر مغرب
کے پادری ملائے میں جھٹکتے چھوٹے بڑے تلے تھے، ان سب پر قبضہ کر لیا۔ یہ
افغانیوں اور غلاموں کے ملائے تھے۔ انہیں سلطان بگٹکین نے اپنی فوج سے بھی

اس منبع کو بند کرنا ہے جہاں سے اسلام اٹھا ہے اور پھیلنا جا رہا ہے۔ اگر ہم نے
ایسا یہ مقصد حاصل نہ کیا تو عرب پر عیسائی چھا جائیں گے مسلمان ریاستوں کے متعلق مجھے
پتہ چلا ہے کہ ایک دوسری کی دشمنی جوئی جا رہی ہے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ان میں یہ
چھوٹے عیسائی ڈال رہے ہیں۔ وہ بے بہادرت، شراب اور خوں صورت اور
چالاک لڑکوں کے ذریعے چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کو اپنے ماتھے
میں لیتے جا رہے ہیں۔

”ہم بھی یہ طریقہ اختیار کریں گے۔“ راجہ جے پال نے کہا۔ لیکن ہمیں مسلمانوں
پر یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم جنگی قوت ہیں۔ اس وقت ہمدی اور آپ کی ان فوجوں پر
جو بوجھ کڑا آئی ہیں۔ یہ خوف سوار ہو گیا ہے کہ مسلمان اس قدر دیر اور زبردست لوگ
ہیں کہ انہیں کوئی کبھی شکست نہیں دے سکتا۔ واپس آنے والے پیادوں نے
لوگوں پر بھی یہی خوف طاری کر دیا ہے۔ ہمیں سلطان بگٹکین کو ایک شکست دے کر
اپنی فوجوں اور اپنے لوگوں کے دلوں سے مسلمانوں کی دیرینہ کا خوف نکالنا ہے۔ اگر
ہم غزنی پر قبضہ کر سکیں تو وہاں سے ہم عیسائیوں کے طریقہ استعمال کر کے مسلمانوں
کو آپس میں لڑا سکتے ہیں۔“

”ہماری روکیاں عیسائی اور یہودی لڑکیوں کی نسبت زیادہ ہوشیار اور ذہین
ہیں۔“ ایک اور سارا جے نے کہا۔ ”اپنے مذہب کو پھیلانے، اپنے ملک
کو وسیع کرنے اور اپنے دشمن مذہب کو ختم کرنے کی خاطر ہم ہزاروں لڑکیاں قربان
کر سکتے ہیں اور ہمدی لڑکیاں جو اپنے فائدوں کے مرنے کے بعد اپنے آپ کو زندہ
جلادیا کرتی ہیں، وہ ایسی قربانی بڑے شوق سے دیں گی جس میں ان کی جان کو کوئی
خطرہ نہیں۔ ایک مسلمان کو ختم کرنے کے لیے ہم ایک لڑکی کی عزت قربان کر سکتے
ہیں۔“

”میں ایک لڑکی کی قربانی دے رہا ہوں۔“ راجہ جے پال نے کہا۔
باقی دو راجے فوجوں کی کمی پوری کرنے، مسلمان کی فراہمی جانوروں کی خرید
اور نئی فوج کی تربیت کے منصوبے بناتے رہے۔ ان منصوبوں سے پتہ چلتا تھا

اُس وقت کے یعنی شاہروں کی گھڑیوں سے وہ منظر سلف نظر آنے لگتا

نہ سمجھے۔ میں اپنے بیٹوں کو قتل کر سکتا ہوں، اپنے مذہب کو کمزور ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ اسلام کا پاسی اپنی حکومت کرنے کے لیے نہیں لانا بلکہ اللہ کی حکومت کو مضبوط کرنے اور گمراہ انسانوں کو اس حکومت تلے لانے کے لیے جہاد کیا کرتا ہے۔ کیا تم قوم کی ان بیٹیوں کو بھول گئے ہو جو کفار کے قبضے میں آئے ہوئے علاقوں میں عصمت کے موتی بنا بیٹھی ہیں؟ کیا تم برداشت کر لو گے کہ کوئی کافر تم میں سے کسی کی بیٹی کو ہوس کاری کے لیے استعمال کرے؟ یہ مسلمان حکمران جو تمارے ساتھ لڑنے کے لیے اپنی فوجیں لائے ہیں، اپنی بیٹیوں کی عزت و آبرو سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ یہ اپنے مذہب اور اپنی قوم کے فکار کا کیا تحفظ کریں گے۔

سلطان بیکتگیس کی آواز میں جوش اور جذبات کا لرزہ پیدا ہوتا چلا جا رہا تھا اور اُس کے اثر سے اُس کی اور فوج کی فوج میں بے چینی بھتی جا رہی تھی۔ سلطان کا ایک ایک لفظ فکریوں کے دلوں میں گرتا جا رہا تھا جو جوش و غروش بڑھتا جا رہا تھا۔ سلطان بیکتگیس کو اس سے درد بھر خوشی نہ ہوئی۔ اُسی روز اُس نے اپنی فوج کو جنگ کی ترتیب میں کھڑا کر دیا جو طلب میں مل رہی تھی۔ محمود اور فوج کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔

مخالف کیپ میں دیرا تجربہ کار اور قابل جرنیل تھا۔ اُس نے سلطان بیکتگیس کی فوج کو جنگی ترتیب میں تیاری کی حالت میں دیکھا تو فوراً اپنی ستیہ افواج کو جنگی ترتیب میں کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ سلطان بیکتگیس کو حملہ کرنے کا موقع دیا تو وہ جیت جائے گا۔ وہ سلطان کی جانوں اور جنگی تجربے سے اجمعی طرح واقف تھا۔ اُسے بھی معلوم تھا کہ سلطان کو ہمت دی تو اُس کے خون مارنے والے جیش عقب اور پہلوؤں پر آجائیں گے اور وہ فوج کو تھکا کر اور بکھیر کر باہر سے دارانے نہایت اچھی چال چلی۔ اُس نے قلب پر حملہ کرنے کی بجائے اپنے مشتبہ سے دُور کے چکر سے آگے بڑھا کر سلطان کی فوج کے دونوں پہلوؤں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ غیر متوقع اور شدید تھا۔

مخالف کو تھکے میں کہ سلطان بیکتگیس کے یہ دارا کی چال غیر متوقع تھی۔ اُس کے

جس ہر ایک کے دل میں سلطانی کی سند ہے۔ خلافت موجود ہے لیکن برائے نام؟ سلطان بیکتگیس بولنے بولتے خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور کہا: محمود اور فوج! دونوں فوجوں کو میرے سامنے لاؤ۔

دونوں فوجیں اُس کے سامنے کھڑی تھیں۔ وہ خود گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے فوجوں کو ایک نظر دیکھا تو اُس نے اپنے آپ میں زلزلے کا سا جھٹکا محسوس کیا۔ اُس کا گھوڑا اور اسی افوازی جگہ کھڑا تھا جہاں سے اُسے امیر خاقان بوللی حسن اور قتلقلہ نے فوج کا کیپ نظر آ رہا تھا۔

”اللہ کے پیاسہ بواب اُس نے بلند آواز سے کہا۔ یہاں سے مجھے تم جیسی نثار سے ہی مذہب کی ایک فوج کے خیمے نظر آ رہے ہیں۔ اگر تم اور وہ کندھے سے کندھا ملاؤ تو اسلام کی سلطنت کی سرحدیں ایک بار پھر وہاں تک جاسکتی ہیں جہاں تک طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم لے گئے تھے، مگر تمارے اور اُس فوج کے درمیان دشمن حائل ہو گیا ہے۔ تم خدا اور رسول کے نام لیوا ہو، وہ تخت و تاج کے پیاری ہیں۔ وہ اپنا دین اور اپنا ایمان نیلام کر چکے ہیں۔ ہندوستان کے بہت پرست ہندو ہم پر دوبارہ حملہ کر چکے ہیں۔ ہم نے بہت تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے اتنے بڑے لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ہندو ہمارے رسول کے دشمن

اور ہم ان مسلمانوں کا وہی حشر کر دیں جو تمارے رسول کے دشمن کے ساتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ جو سکتا ہے تم اس فوج کا لغو بکھیر دینا کہ اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچ کر اور تلواریں نیاتوں میں ڈال لو۔ اگر اس دھوکے میں آؤ گے تو اس خطے سے اسلام کا فائدہ ستر ہو جائے گا۔ وہ سلطان کے ساتھی ہیں۔ اُن کے پریم پر جو چاند اور ستارہ سب سے وادہ بہت بڑا فرسب ہے۔ اپنے دشمن کو مارنے سے پہلے اپنے اس بھائی کو مارو جو بھائی ہونے کا دھوکہ دے کر دین کے دشمن کا اللہ مضبوط کرتا ہے۔۔۔۔۔

”میں نے بہت ہمت پر تشش کی ہے کہ یہ لوگ خلوص اور محبت کی زبان سمجھ سکیں مگر وہ

اُس نے اُن دستوں کو جو اُس کے ساتھ آئے تھے حکم دیا کہ پیچھے ہٹیں اور میرا فائق
دیرہ کی فوج پر حملہ کریں اُس نے اس حملے کی قیادت خود کی سلطان بنگلیوں نے
اپنے تاجریز و ژولیس (محمود) کو جھوٹے میں تقسیم کر کے سپلوں کو کمک دے دی
ایک کی قیادت محمود کے پاس تھی۔ نوح کو سلطان نے اپنے ساتھ رکھا کیونکہ وہ کمسن
اور نامتجربہ کار تھا۔

گن بگار کے حوصلے جلد ہی پست ہو جایا کرتے ہیں۔ فائق اور بولعل حسن اپنی فوجیں
کو سلطان اور دارا کے علم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اُن کی کچھ فوج بھی بھاگ کر اُن کے
پیچھے پیچھے چلی گئی۔ انہوں نے جرجان جادم لیا۔ جہاں کے حکمران فخر الدار نے انہیں
پناہ دی۔ یہ سالار دارا کے سینے میں اسمان کا شعلہ کچھ ایسا بھڑکا تھا کہ وہ جرجان تک
ان غداروں کا تعاقب کرنے پر زور دے رہا تھا لیکن سلطان بنگلیوں نے اُسے یہ کہا
کہ وہ خانہ جنگی کو طویل نہیں دینا چاہتا۔ اس کی بجائے وہ انہیں دوستی اور اتحاد کا پیغام
دینا چاہتا تھا۔ محمود غزنوی دارا کا ہم نوا تھا۔ اس کا لوجوان خون اُسے انتقام لینے
بغیر چل نہیں لینے دے رہا تھا۔

سلطان بنگلیوں نے اپنی فوجوں کو سینا اور غزنی کو کوچ کر گیا۔ محمود غزنوی تھوڑی
سی فوج کے ساتھ نیشاپور چلا گیا۔ گورنر کی حیثیت سے اُسے وہیں رہنا تھا۔ نوح اپنے
ملک بخارا کو روانہ ہو گیا۔ دارا سلطان کے ساتھ تھا۔

محمود غزنوی نیشاپور پہنچا ہی تھا کہ فوجی قاصد گجرات کے عالم میں مدد سے آئے
انہوں نے بتایا کہ بولعل حسن اور امیر فائق کی فوجوں نے حملہ کر دیا ہے۔ فخر الدار نے انہیں
مازہ دم فوج دے دی تھی۔ وہ سلطان بنگلیوں کی فوج کی نقل و حرکت دیکھتے رہے
تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ سلطان بنگلیوں اور دارا فوج کا زیادہ تر حصہ اپنے ساتھ لے
گئے ہیں اور محمود غزنوی سی فوج کے ساتھ نیشاپور میں اکیلا رہ گیا ہے۔ تو انہوں
نے نیشاپور پر حملہ کر دیا۔

محمود غزنوی نے اسی قاصدوں کو سلطان بنگلیوں کے پیچھے بھٹا دیا اور خود فوج

سپلوں کے دستے بے خبری میں دلو پہچے گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد اُن کے قدم اکھڑنے
لگے۔ دارا نے اپنی فوج کا خاموشاں حصہ اپنے پاس اس مقصد کے لیے رکھا رکھا
تھا کہ جب سلطان کے سپلوں نے دستے اکھڑنے لگے تو سلطان اپنے دائیں ہاتھ بائیں
دینے پر مجبور ہو جائے گا۔ اُس وقت دارا قلب پر حملہ کر دے گا۔

سلطان بنگلیوں کے لیے بالکل سی صورت حال پیدا ہو گئی۔ شکست صاف
نظر آنے لگی۔ اُس نے سپلوں کو حکم دیا کہ اپنے ریزرو ژولیس سے کمک بھیجی
تو قلب کمزور ہو گیا۔ وہ دارا کی چال سمجھ گیا لیکن بے بس ہو گیا۔ اُس کے دونوں بلوٹ
بہتے تھے۔ وہ سامنے کے حملے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے محمود اور نوح سے کہا
— میرے مینو! آج ہمیں زندگی کا آخری معرکہ لڑنا ہے۔ میدان دشمن کے ہاتھ
آگیا ہے۔

اُس قدر کا مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے کہ عین اُس وقت جب
سلطان بنگلیوں کو اپنی شکست سامنے نظر آرہی تھی ایک گھوڑا گردا گردا آتا اور بہت تیز
رفتار سے دوڑتا اُس کی طرف آ رہا تھا یہ سوار دشمن کی صفوں سے آیا تھا۔ وہ گرد سے
نکلنا تو دیکھا کہ اُس کی تلوار نیام میں تھی۔ اور اُس نے اپنی ڈھال اپنی پیٹھ پر ڈال رکھی
تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لڑنے کے لیے نہیں دوستی کا پیغام لے کر آیا ہے۔
اُس کی پیٹھ دشمن کی فوج کے بہت سے دستے تھے۔

وہ جب سلطان بنگلیوں کے سامنے آیا تو سب دیکھ کر حیران رہ گئے کہ
وہ دشمن کا کوئی عام لپٹی یا قاصد نہیں تھا، وہ دشمن کا قابل جرنیل دارا تھا۔ وہ گھوڑے
سوار۔ اُس نے اپنی تلوار اور ڈھال بنگلیوں کے آگے پھینک دی۔

”سلطان! — دارا نے کہا۔ میں اسلام کے دشمنوں کے خلاف لڑتا رہا ہوں
میں اپنے بھائیوں کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ میں اپنے محفوظ کے دستے ساتھ لے آیا
ہوں میں جن کا پندرہ سالہ ہیں وہ بادشاہی کے لاکھی میں ہیں نے ساری عمر کے جلا
کا جو ثواب کیا تھا۔ وہ میں ضائع نہیں کر دوں گا۔ مجھے خدا کے حضور سرفروہ ہونے کا
موت دین۔“

خزانہ بھرنے میں بھی تھیں۔ راجوں سارا جوں نے اپنے اختلافات اور عداوتیں ختم کر ڈالی تھیں۔ ہندوؤں میں لوگوں کے سامانوں میں یہ جنوں پیدا کیا جہاں تھا کہ ہندو مت کو اسلام سے محفوظ کرنے کے لیے اسلامی ملکوں پر قبضہ کرنا نہ ہی فریضہ ہے۔

ادھر اسلامی ملکوں میں وہ اسلامی فوجیں ایک دوسری کانٹوں بہا رہی تھیں۔ اقتدار پرست اپنی ہوس کی خاطر اسلام کی فکری قوت تباہ کر رہے تھے اور قوم کے سینے کٹ رہے تھے۔

پشاور، لاہور اور پٹنہ میں غزنی کے جو جاسوس تھے، وہ غزنی کو صبح اصرہ قوت اطلاعیں بھیجنے کے لیے موت کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ان کے جذبات اشارہ، شہادت اور فرض شناسی کے مظاہروں کو خدا کے سوا دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ گناہ جاننا تھے جنہوں نے اپنے اوپر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے اپنا نام بھی بدل ڈالے تھے۔ گمران کے ملک کے دوچار ایمان فروش ان کے جہاد پر مبنی ڈال رہے تھے۔

سلطان بنگلہاں دراستانے کے لیے اور فوج کو آرام دینے اور کسی بھرتی کے لیے بلجھلا گیا اور میں قیام کا فیصلہ کیا۔ تب اُسے احساس ہوا کہ جس بیماری کو وہ بیمار اور معمولی سمجھتا رہا ہے، وہ جان لیوا روگ ہے۔ جنگ و جدل نے اُسے اپنی صحت کی طرف دھیان دینے کی ہمت ہی نہیں دی تھی۔ طبیوں نے اس کا علاج شروع کیا لیکن مرض بڑھ گیا۔ اُس نے غزنی چلے جانے کا ارادہ کیا اور روانہ ہو گیا مگر وہ اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ توڑ موڑ (بلجھ) سے تھوڑی سی دُور اسے آگے جانے کے قابل نہ رہا۔ وہیں رک گیا۔

”ترجمہ میں میں لکھا ہے کہ ایک روز تھا بہت آہستہ کے عالم میں سلطان نے شیخ ابوالفتح سے جو اُس نے پاس بیٹھا تھا، کہا: ہم بیماری سے صحت یاب ہونے کے لیے جہتیں کرتے ہیں۔ صحت یاب بھی ہو جاتے ہیں۔ ریلوے سمجھتے ہیں کہ موت نہیں آسکتی۔ مجھے بھیڑ کا خیال آتا ہے۔ اسے قصاب خرید کرے جاتا ہے۔ کھلمی کھی ریلوے

کی کمان لے کر مقابلے کے لیے بڑھا مگر دشمن میدان پر چھپ چکا تھا۔ محمود کی پوزیشن اتنی کمزور تھی کہ وہ گھیرے میں آگیا۔ اس کی فوج بہت تھوڑی بھی تھی اور سرات کی لڑائی کے فوراً بعد بڑی لمبی مسافت طے کر کے آئی تھی۔ محمود اسے بروقت لڑائی کی ترتیب اور تنظیم میں لاسی نہ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمود کو ہار ہونا پڑا۔ دہلی تو پسپائی بھی ممکن نظر آ رہی تھی۔ انجام اسی نظر آ رہا تھا کہ محمود کچرا جائے گا اور اس کی فوج بھی جنگی قیدی ہو جائے گی یا ماری جائے گی۔

دو نو قاصدوں کے گھوڑے غزنی کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ محمود غزنوی کی قسمت خدا کے ہمدان قاصدوں کے ہاتھ تھی۔ سفر بڑھا تھا۔

موتورج لکھتے ہیں کہ دوسرے دن جب بومالی حسن اور امیر فائق نے اپنے عقب میں گرد کے بدل اُٹھتے دیکھے تو وہ بہت خوش ہوئے کہ نورالدین نے کنگ بھیجی ہے۔ اور اب وہ شہنشاہ کو ترنوالے کی طرح نکل جائیں گے مگر گرد سے جو فوج نکلی وہ سلطان بنگلہاں کی تھی۔ انیس ہفتیں نہیں آ رہا تھا کہ سلطان اتنی جلدی آجائے گا۔ سلطان کے ساتھ دارا تھا۔ دونوں نے بومالی حسن اور امیر فائق کی فوج کو گھیرے میں لینے کے لیے اپنی فوج پہلوؤں پر پھیلا دی۔ دونوں نے دیکھا کہ پسپائی کے راستے بند ہو چکے ہیں تو انہوں نے اپنی فوج کو سمیٹ کر سلطان بنگلہاں کی فوج کے وسط میں آسنے سامنے کا مسلہ کر دیا۔

محمود غزنوی جو پسپائی کی حالت میں تھا، پیچھے مڑا۔ مشہور مورخ فرشتہ لکھتا ہے: ”محمود نے سخت غصے میں آئے ہوئے شیر کی طرح غداروں کی فوج پر قبضہ کر دیا۔ اُس کی حالت پاہلوں کی سی تھی۔ بومالی حسن اور امیر فائق کی فوج کھلی گئی مگر ان دونوں غداروں کا کوئی پتہ نہ چلا کہ کدھر نکل گئے ہیں۔ فتح مکمل تھی۔ سانپ کا سر کپٹ دیا گیا تھا۔

ادھر لاہور میں ہندو راجے دارا بے غزنی، بلجھ، بنجارا اور غراسان وغیرہ پر حملہ اور قبضہ کرنے کے لیے متحدہ فوج تیار کرنے میں دن رات مصروف تھے۔ ان تیلہوں میں پوری ہندو قوم شامل تھی۔ مرد اور عورتیں محنت و مشقت کے سرکاری

دو ماہیں

میں اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ کبھی اکیلے کیس باندھ دیتا ہے۔ بھیڑ زندہ رہنے کی اُس نگاہ رکھتی ہے مگر ایک روز قصاب اُس کی گردن پر چھری پھر دیتا ہے۔ ایسے ہی ہم کی بد بستر ملاقات پر بیٹھے اور اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک روز موت اچانک ہماری گردن دلوچ لیتی ہے، اور ہمیں کچھ سوچنے اور کچھ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

اس سے چالیس روز بعد سلطان بنگلہ نے صرف یہ کہ کر کہ محمود سے کتنا تجھے بُت شکن بنانا ہے، جان اللہ کے حوالے کر دی۔ یہ اگست ۹۹۷ عیسوی (شعبان ۱۲۸۷) کا مہینہ تھا۔ اُس وقت سلطان کی عمر ۱۵ سال تھی۔ خانہ بدوشوں کا بیٹا جو غلاموں کی مندی میں فروخت ہوا تھا تاریخ اسلام میں کبھی نہ بننے والا نام پیدا کر ادا اپنے پیچھے تارک میں بُت شکن کہلانے والا بیٹا چھوڑ کر اللہ کے حضور چلا گیا۔

محمود غزنوی اپنے باپ کی وفات کی اطلاع پر پہنچا۔ اُس نے باپ کی میت اٹھوائی اور اسے غزنی لے گیا۔ تجیز و تکفین کے فوراً بعد اُس نے سلطنت کو سنبھال لیا۔ اُس وقت اُس کی عمر تیس سال تھی۔

سلطان بنگلہ کی تجیز و تکفین کے بعد محمود غزنوی پشاور چلا گیا۔ چونکہ وہ مرد میدان تھا اس لیے اُس نے سب سے پہلے فوج کی تنظیم کی طرف توجہ دی۔ اُس نے غزنی جا کر سلطنت کے کاروبار کو دیکھنا ملتوی کر دیا۔ اُسے یقین تھا کہ حکومت کی شغلی چل رہی ہے، اور اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو اُسے اطلاع مل جائے گی۔ اُس کے فارغ میں سلطانی کا ضبط ہوتا تو وہ سب سے پہلے غزنی چلا اور باپ کی مسند سلطانی پر جا بیٹھا۔ محمود غزنوی ملار صوفیاء اور اولیاء کا شیدائی تھا۔ ان میں ابو الحسن غرقانی وہ دلی تھے جن کا وہ مرید تھا۔ ایک اور بزرگ ابوسعید عبداللہ صوفیائے سب سے تھے جن کا محمود غزنوی معتقد تھا۔ غرقانی کہیں دور رہتے تھے محمود کبھی اُن کے ہاں سلام اور پسند نصیحت کے لیے جایا کرتا تھا۔ اور ابوسعید کبھی بھی اس کے ہاں آجایا کرتے تھے۔ یہی سستی لکھتا ہے کہ محمود غزنوی اُن کے استقبال کے لیے دیوار سے اٹھ کر باہر جا کھڑا ہوا تھا۔

محمود غزنوی کے ذہن پر راجہ جے پال اور اُس کے بُت سوار تھے۔ اُس کی توجہ فوجی امور پر مرکوز تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اُس کی سلطنت کو خوشامدیوں کی دیکھ لگ چکی ہے اور خزانہ تیزی سے خالی ہو رہا ہے۔ محمود غزنوی کو یہ اطلاع اُس کی انٹیلی جنس کے ایک آدمی نے دی جو غزنی سے یہی اطلاع دینے آیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ سلطنت کی گندمی پر اُس کا چھوٹا بھائی اسماعیل بیٹھ چکا ہے۔ اور اس نے

اپنی سلطانی کا فرمان بھی جاری کر دیا ہے۔

اسامیل سلطان بکتگیں کی مدد سے یہودی سے تھا۔ بکتگیں کی وفات کے وقت یہ یہودی اُس کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اس نے نزع کے عالم میں بکتگیں سے اس وصیت پر دستخط کرائے تھے کہ اسامیل اس کی سلطنت کا جانشین ہو گا۔ یعقوب میر مسلم سورخوں نے لکھا ہے کہ بکتگیں نے محمود کو اس لیے جانشین نہیں بنایا تھا کہ وہ

اُس ماں کے بطن سے تھا جو غلاموں کی نسل سے تھی اور اسامیل کی ماں شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اُس بعد کے دماغ نگاروں کی تحریروں کے مطابق یہی تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ بکتگیں کے آخری لمحات اس قدر شدید تکلیف میں گزرے کہ اس نے نیم غشی کی کیفیت میں اسامیل کو جانشین مقرر کر دیا۔ اس داستان کی پچھلی اقساط میں غزل سے سنایا جا چکا ہے کہ محمود غزنوی کی ماں کون تھی اور کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ محققان فرشتہ لکھتا ہے کہ اسامیل نوجوان اور کھلنڈہ تھا۔ اُسے محمود کے بچالے

میں کوئی عسکری تجربہ نہیں تھا۔ جنگوں میں بکتگیں کے ساتھ محمود رہتا تھا۔ بکتگیں نے اسامیل کو اپنا جانشین مقرر کیا ہی نہیں ہو گا۔ اگر کیا ہی تھا تو اُس کے عالم نزع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسامیل کی ماں نے اپنے بیٹے کو سلطان بنوایا ہو گا۔

دونوں بھائیوں میں اتنا فرق تھا کہ جب محمود اپنے باپ کی تعمیر تکمیل سے فارغ ہو کر پیشاپور چلا گیا اور راجہ جے پل کا حصار و کسے یا ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا، اُس وقت اُس کا چھوٹا بھائی اسامیل بلخ میں اپنی رسم تاجپوشی میں گہمی بیٹھا۔

”سلطان غازی مقام اُ— غزنی سے آئے ہوئے کوئی نے محمود غزنوی سے کہا— اب ہندوستان کے کسی نائب کو ہماری سلطنت پر حملہ کرنے کی ضرورت نہیں رہی ہمارے دشمن ہماری سلطنت کی تباہی چاہتے ہیں۔ آپ نے اور آپ کے والد حمزہ نے انہیں ناکوں چنے جو ادیتے ہیں۔ وہ جب بھی آئے، اپنے خون میں ڈب گئے، مگر سلطان بکتگیں مرحوم سلطنت کی تباہی کا انتظام اپنے ہاتھوں کر گئے ہیں۔“

”فورا وہ خبر سنا اور غزنی سے لائے ہوئے محمود نے کہا۔“

”میں نے آپ کو سلطان کہا ہے کیونکہ آپ مرحوم سلطان کے بیٹے ہیں۔“ اس آدمی نے کہا۔ مگر سلطان آپ نہیں آپ کے برادر خود اسامیل ہیں۔ میں آپ کا خادم اور ملازم ہوں۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ سلطنت کی گدی پر کون بیٹھا ہے میں ایک وفادار اور نیک حلال ملازم کی حیثیت سے یہ بتانے لگا ہوں کہ جس دنیا میں سالار اور دیگر عسکری کماندار احکام اور ہدایات لینے آیا کرتے تھے، وہاں اب خوشامدیوں کا جھوم ہو گیا ہے۔ میں یہ تو نہیں بتا سکتا کہ آپ کے بھائی کے شیر کون ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہیں، انہوں نے آپ کے بھائی کو چرب زبانی اور چالووسی کی زنجیروں میں گرفت کر لیا ہے۔ نہایت معمولی حیثیت کے لوگوں کو اٹلی رہتے اور دبے دے دیئے گئے ہیں۔ فوج کی تحواہوں میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ مجھے آپ کے والد آپ کے والد مرحوم کے وفاداروں نے بتایا ہے کہ غزناہ تیزی سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔“

محمود غزنوی کو جیسے حکم آیا ہو۔ اُس نے آدمی کو اس ہدایت کے ساتھ رخصت کر دیا کہ وہ وہاں کی مزید اطلاعات فراہم کرے۔ وہ خود اپنی ماں کے پاس گیا جو اُس کے ساتھ رہتی تھی۔

”مجھے خود وہاں جانا چاہیے۔“ محمود غزنوی نے اپنی ماں سے کہا۔ ”مجھے وہاں سے آنا ہی نہیں چاہیے۔“ تھا غمزہ برے دل میں سلطان کی خواہش نہیں تھی۔ میرے فرض کے تقاضے کچھ اور ہیں۔“

”مستیس وہاں نہیں جانا چاہیے۔“ ماں نے اُسے کہا۔ ”تمہارا بھائی تمہیں قتل کر سکتا ہے۔ تخت و تاج کا نشہ انسان کو وحشی اور منہ بنا دیتا ہے۔۔۔۔ اور یہ بھی سوچ لو کہ وہ اپنے باپ کا جانشین بننے کے قابل ہے تو اُسے سلطان بنانے دو اور فوج کی کمان تم اپنے ہاتھ میں رکھو۔“

”اگر وہ اس قابل ہوتا تو میں اتنا پریشان کیوں ہوتا۔“ محمود نے کہا۔ ”کیا آپ اُسے جانی نہیں کہ وہ کس قماش کا لڑکا ہے؟“ مجھے یہ سب پروردگار نے بتایا ہے کہ اہل اور خود غرض حکمران کے گناہوں کی سزا پوری قوم کو بھگتنا پڑتی ہے۔ میں سلطان نہیں بننا چاہتا۔ مجھے سلطنت کو چاہنا ہے۔ اسے ایک مضبوط قلعہ بنا کر مجھے اسلا۔“

درواہاں والہ ہیں، شاید ہم ان سے واقف نہیں ہو، اگر واقف ہوتے تو اس منہ کو پھولوں کی بیج سمجھ کر کاٹا م سے بیٹھ نہ جاتے۔ سب سے پہلے میرے پاس آتے یا ہم اپنے پاس دلاتے، اگر تم مجھے اس قابل سمجھتے تو مجھے اپنے باپ کا بیٹا سمجھ کر ہی اپنی ناچوٹی میں شریک کر لیتے۔ اس سے مجھے شک ہو رہا ہے کہ تیری نیت ٹھیک نہیں، یاد رہی چالو سوں نے تمہاری ناگزیر کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تیری نیت ٹھیک نہیں رہنے دی تم جانتے ہو کہ سلطنت کے اندر بھی دشمن موجود ہیں، تمہارے سامنے ان کے ساتھ لڑائیں لڑی گئی ہیں ہندوستان کے بہت پرست ہم پر دو حملے کر چکے ہیں، اور تیسرے حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس وقت ہماری ضرورت نہیں کہ دوبارہ لگا کر واریوں کے سناں اور قیدی وصول کیے جائیں۔ اس وقت ہمیں جیوں میں ہونا چاہیے....

”اگر تم یہ بہتر سمجھتے ہو کہ تم سلطنت کا دوبارہ سنبھال سکتے ہو تو میں جنگی امور سنبھال لیتا ہوں۔ اس وقت جنگی امور کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ میں صرف اس صورت میں تمہیں سلطانی سونپ سکتا ہوں کہ تم اچھے اور بُرے میں دوست اور دشمن میں انیک اور بد میں بہتر کرنے کے قابل ہو جاؤ مگر مجھے یقین ہے کہ تم اس قابل نہیں ہو، تم نے نا اہل لوگوں کو رہے دے دیئے ہیں۔ ان میں یہ غولی دیکھیں جنہ کو وہ خوشامدی اور چرب زبان ہیں، تم نے فوج کی تمنا بڑھا کر خزانے پر بے جا بوجھ ڈال دیا ہے، تم یہ بھی بھول گئے ہو کہ تم ایک اسلامی سلطنت کے سلطان ہو اور تمہارے اوپر ایک عظیمہ بھی ہے....

”میری ایک تجویز مان لو تاکہ میں وہ فرض ادا کر سکوں جو مرحوم باپ ادھورا چھوڑ گئے

کی شمع ہندوستان کے بت خلع تک پہنچانی ہے.... اگر میرا بھائی مخلص ہوتا تو وہ مجھے اپنی ناچوٹی پر دلاتا۔ اُس نے مجھے اطلاع تک نہ دی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نیت صاف نہیں۔ مجھے دلائل جانا چاہیے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ان دنوں اسماعیل غزنی میں نہیں ملے گا۔

”حم اسے پیغام لکھ کر بھیج دو۔“ مرنے کا۔ اُس سے پوچھو کہ مجھے جو خبریں ملی ہیں وہ کہاں تک درست ہیں۔ اُس کے جواب کا انتظار کرو۔

اسماعیل اُس وقت بلخ میں ہی تھا جب خاصہ نے اُسے محمد کا بیٹا دیلم سہیل نے کاغذ کھولے بغیر اپنے ایک حاکم کی طرف پھینک کر کہا: ”بڑا کرنا اور میرے بھائی نے کیا لکھا ہے۔“

اس حاکم نے کاغذ دیکھ کر کہے اور بلند آواز سے پڑھا شروع کیا۔ ”غز بھائی؟ اسماعیل نے غصے سے اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہا۔“ اُس نے ہمیں بھائی لکھا ہے؟ سلطان نہیں لکھا؟

”نہیں ظہر الہی!۔“ حاکم نے جواب دیا۔

”یہ بد صورت مسخر اس قدر گستاخ ہے؟“

”اے اس کی سزا ملنی چاہیے سلطان علی تھا؟“ ایک درباری نے کہا۔ ”اگر باپ گستاخی کرے تو اُسے بھی سزا ملنی چاہیے۔ خدا اور رسول کے بعد درجہ سلطان کا ہوتا ہے، ظہر الہی کی سواری جس راہ سے گندتی ہے، اس راہ پر سب سے کرتی ہے۔ آپ کے دشمن آپ کا نام سن کر کانپتے ہیں۔“

”اُسے پڑھو۔“ اسماعیل نے حکم دیا۔

”محمد نے لکھا ہے۔“ حاکم پیغام پڑھنے لگا۔ ”مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ تم سلطنت کی سند پر بیٹھ گئے ہو۔ اللہ تمہیں یہ اعزاز مبارک کرے مگر اس سائنٹ ریجن خطرے میں ڈال رہے ہیں اور اس سند کے ساتھ جو فرائض اور

حملوں میں اُس کی فوج سے پھینے گئے تھے سلطان بنگالیوں نے۔ ابھی غزنی صحیح
ہوئے تھے۔ جیسی ابھی تھے۔

راجہ جے پال جب اسماعیل کی فوج سے کئی گنا زیادہ لشکر لے کر حملہ کرنے آیا تھا
تو اُس کے ساتھ سینکڑوں اہل فوج تھے محمود غزنوی نے اس لشکر سے گھرا ہوا تھا نہ اہل
سے۔ اُسے اس احساس نے دیر کی تھی کہ یہ لشکر اس کے غمگین ہونے کی قوم
کے دشمن کہے۔ اب اسماعیل کے لشکر کو دیکھ کر اسے جہاں یہ دکھ ہوا کہ یہ اس کی
اپنی فوج ہے جو اس کے خلاف لڑنے آئی ہے، وہاں اُسے یہ خطہ بھی نظر آیا کہ یہ
مسلمان جنگجوؤں کی فوج ہے جو لانا اور منا جاتی ہے اور جو اُس کی چالوں سے دھڑ
ہے۔ اُسے غلوم تھا کہ یہ فوج صرف اس لیے اس کے خلاف لڑنے آگئی ہے کہ
اس کی تمنا یاں بڑھادی گئی ہیں۔ اس سے اُسے یہ اطمینان ہوا کہ یہ فوج قوی جب
کی بہتے تھے خواہ کے زور پر لڑنے آئی ہے، اس لیے اسے شکست دی جاسکے گی، مگر
محمود کا یہ مسلحوں کا توں موجود تھا کہ اُن کی فوج کی تعداد کم تھی۔

اُس نے اپنی قلیل فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ زیادہ تعداد کا حصہ اپنی کمان میں
مخوف میں رکھا۔ دو حصوں کو پہلوؤں کو پھیلایا اور چوتھے حصے کو دشمن کے سامنے رکھا۔
اس نے محسوس کر لیا کہ اُسے چھاپہ مار جنگ لڑنی پڑے گی کیونکہ کچھ کر لڑنے کے لیے
نفری بہت تھوڑی تھی۔ اُس نے اپنے سالاروں سے کہا کہ وہ انداسی دیر کے بعد
کے بعد ابھر اُدھر ہونے کی کوشش کریں اور اسماعیل کی فوج کو پھیل جانے پر مجبور کریں۔
اس علاقے میں چائیں بھی نہیں۔ محمود نے ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے سالاروں
اور مہاندروں کو یہ خیال بتائی کہ وہ دشمن کو اس طرح کھینچیں کہ اُس کے حیش اور سوتے
پٹاؤں کے درمیان بھی چلے جائیں اور ان کے درمیان چائیں آجائیں۔ اس نے جنگ
کو طویل دینے کی ہدایت بھی دی۔ دشمن مارنے کے لیے حالات۔ سلاخیں، تھکے کیوں
دونوں طرف کی فوجیں دراصل ایک ہی فوج تھیں۔ شہنشاہ کی مارت رکھتی تھیں
اور اسے شہنشاہ سے پکا دے طریقے بھی آتے تھے۔ شہنشاہات کو دونوں طرف کی خیمہ
گاہوں کے اندر بھی اور باہر دور دور تک برسی مشعلیں جلا کر جگہ جگہ رکھ دی گئی تھیں۔

اُس کے علاوہ تیر انداز گھوڑ سوار خیمہ گاہوں کے ارد گرد گھوم پھر رہے تھے۔

محمود غزنوی نے سے نکلنے لگا تو اُس کی ماں آگئی محمود دوزخ اس کے قدموں
میں گر پڑا اور زار و قطار رویا۔ ماں نے اسے اٹھا کر گلے لگایا۔

”میری عظیم ماں! محمود نے زندہ بھائی بھوئی آواز میں کہا۔ میرے باپ
کی روح کچھ پرستش تو ہے میں سمجھتی گی؟ یہ پہلی لڑائی ہے جو میں اُن کے بغیر لڑ رہی ہوں
اور وہ بھی اپنے بھائی کے خلاف۔ مجھے کش دواں میں اب بھی تو ازیں ہیں
خال لوں گا میں نہیں لڑنا چاہتا۔ آنے والی نسلیں کہیں گی کہ بنگالیوں کے بیٹے سلطان
کے تخت پر لڑ رہے تھے۔“

”اب کچھ بھی نہ سوچو۔ ان نے کہا۔ خون میلے ہو جائیں تو آنکھوں میں
بھی میل آجاتا ہے۔ ستارے بھائی کے خون میں لالچ اور ہوس کی سیل آگئی ہے۔
اب بچو نہ سوچو۔ فوج سے واپس اور دوسرے نکال دو۔ اب اس فیصلے پر فائز ہو
جو ہم کر چکے ہیں۔ میں ساری رات خدا کے حضور سجدے کرتی رہی ہوں۔ جا
میرے بیٹے! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ میری دعائیں ستارے ساتھ ہیں۔
دفاع نگاروں کی تحریروں کے مطابق حملے میں پہل اسماعیل نے کی۔ اُس نے
تعداد کی افراط کے بل بوتے پر یلغار کے انداز سے آسمان سے سامنے کا حملہ کیا۔ محمود غزنوی
کی ہدایت کے مطابق تیر اندازوں نے اہل فوج پر تیر برسائے اور ان پر برچھیاں
بھی پھینکیں۔ دشمن کو اہلیوں پر بہت بھروسہ تھا لیکن اُس کے سالاروں کو
اندازہ نہیں تھا کہ ابھی اپنی دہشت طاقت اور جسامت کے باوجود کچھ زور ہوا
۱۰۰۔ اُس نے محمود۔ اسی لیے اہل فوج کو زخمی کرنے کو کہا۔ اہل فوج سے جو ابھی زخمی
ہوئے وہ اپنی فوج کے لیے مصیبت بن گئے۔ اُن کی چنگاڑ سے لھڑ سے بھی بکنے
لگے۔

محمود غزنوی ہندی سے واپس رہا تھا۔ اُس کے پیاسیوں نے دہشت اہلیوں کو
ہلا کر دیا تھا۔ گریہ کا نہیں تھا۔ اسماعیل کے حملہ آور دستوں نے اہلیوں کے نقصان

محمود غزنوی نے اپنی جان اور فوج کا باقی حصہ داؤ پر لگا دیا۔ یہ تازہ دم محفوظ تھا۔ محمود نے دشمن کے قلب پر برقی رفتار حملے کا حکم دیا اور اس حملے کی قیادت خود کی۔ ان دستوں میں زیادہ تر سوار تھے۔ محمود نے اپنے تیرا زاد دستوں کو یہ دلیت دی تھی کہ دشمن اگر کچھ کرشالوں کے قریب جائے تو وہ تیر بر سائیں۔ محمود غزنوی کے اس حملے کی ترتیب یہ تھیں ہی تھیں۔ اسماعیل کے قلب کے دستے دن بھر کی لڑائی کے نکلے ہوئے تھے۔ محمود کا محفوظ تازہ دم تھا۔ محمود کے کہنے پر محفوظ یہ نعرہ لگاتا جا رہا تھا۔ "بت پرستوں کے دوستوں کو کھل دو۔"

کچھ تو محمود کا حملہ بڑا اور غیر متوقع تھا۔ اور کچھ اس نعرے کا اثر تھا کہ اسماعیل کی صفوں میں بدولی پیدا ہونے لگی۔ محمود کے کماندوں نے ایک اور نعرہ لگاتا شروع کر دیا۔ "اللہ کے پیاسی تنخواہ کے لیے نہیں لڑا کرتے۔"

اسماعیل کے سالاروں نے قلب کو بچانے کے لیے پہلوؤں سے ٹکس لینے کی کوشش کی کہ محمود کے محفوظ کو گھیرے میں لیا جاسکے مگر محمود کے پہلوؤں والے دستوں نے ضرب لگاؤ اور بھاگو کے انداز کے چھاپہ مار حملوں سے دشمن کے پہلوؤں کو ایسا اہلایا کہ وہاں سے ٹکس نہ جاسکی۔ محمود غزنوی کا قہر ایک تاریخی حقیقت ہے۔ مقتصد مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ جب دشمن پر سامنے سے حملہ کیا کرتا تھا تو اس میں اتنا قہر ہوتا تھا جو دشمن پر دہشت طاری کر دیتا تھا۔ اسماعیل کے قلب پر حملے میں محمود کا قہر اس کے اپنے قابو میں بھی نہیں آتا تھا۔

سحر کہ یہ بھی شدید اور خوریز تھا۔ محمود کی نظر اسماعیل کے جھنڈے پر پڑی۔ یہ جھنڈا غائب ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسماعیل غمی ہو گیا یا ارگاہی ہے۔ جھنڈا فوجوں کے جھنڈے کو قائم رکھتا تھا۔ جھنڈا غائب ہو گیا تو اسماعیل کی فوج کے کپاؤں اکھڑنے لگے۔ محمود کے کہنے پر اس کے سپاہی اعلان کرنے لگے۔ "بت پرستوں کے بھائیو! سارا پرچم گر پڑا ہے۔"

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ سحر کے کاہن پٹ گیا۔ اسماعیل کی فوج کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ دستوں کو جس طرح تقسیم کیا گیا تھا، وہ ترتیب گم ہو گئی۔

کی پرواہ نہ کی۔ ان کی لیڈر بڑی بڑی تھیں۔ محمود کی ہدایت کے مطابق اس کے دستے سجم کرنے کی بجائے ادھر ادھر ہونے لگے۔ گمراہ دشمن کا داؤ اتنا زیادہ تھا کہ محمود کی چال کامیاب ہوئی۔ نظریں آتی تھیں۔ وہ اپنے سپاہیوں کو یہ دیکھ رہا تھا۔ ایک فرانسیسی مورخ ڈی ہیملٹن لکھتا ہے کہ محمود غزنوی کو اپنی شکست یقینی نظر آ رہی تھی۔ صاف یہ چلتا تھا کہ اسے پیاسی پچا سکتی ہے، یا کوئی معجزہ۔

اسماعیل نے حکم دے دیا کہ محمود کو زندہ پکڑو۔ دونوں طرف ہتھیار کے نعرے گرج رہے تھے، اور دونوں طرف ایک ہی جیسے پرچم بھر پھڑا رہے تھے۔ محمود کے دستوں کے نعرے بڑے جارحانہ تھے۔ ان کی یہ چال کہ وہ ادھر ادھر ہو کر دشمن کو بکھر دے گا۔ کام ہو گئی تھی۔ وہ اب جم کر لڑ رہے تھے۔ یونوں کے مطابق یہ سحر کہ سبت ہی خوریز تھا۔ دونوں فوجیں قہر اور غضب سے لڑ رہی تھیں مگر محمود غزنوی کے دستوں کا سبت جلد ہی ختم ہو جانا یقینی تھا۔

اپنے ان دستوں کو بچانے کے لیے محمود نے دشمن کے دونوں پہلوؤں پر حملے کر دیئے۔ لیکن اس انداز سے کہ سبے حملہ کر کے دائیں اور بائیں کو نکلنے کی کوشش کریں۔ یہ چال اس لحاظ سے کامیاب رہی کہ اسماعیل کی فوج پہلوؤں کی طرف پھیلنے لگی۔

محمود کے دستوں نے یہی طریقہ اختیار کر لیا کہ وہ گھوم پھر کر حملہ کرتے اور پہلوؤں کی طرف نکل جاتے۔ محمود نے اپنے ان دستوں کے لیے جو آئے سامنے کے تصادم میں الجھ گئے تھے، یہ حکم دیا کہ وہ یکجہ ہٹنے کی کوشش کریں۔

اس کوشش میں ان کا سہرا نقصان ہوا لیکن جو عسکری نکل سکے، وہ نکل آئے۔

سورج غروب ہونے میں تھوڑی سی دیر باقی تھی۔ محمود غزنوی نے پہلے تو سوچا تھا کہ وہ جنگ کو طویل دے گا لیکن اس نے دیکھا کہ اسماعیل کی فوج اس کی مرضی کے مطابق بکھر رہی ہے تو اس نے شام سے پہلے پہلے سحر کے کاہن کو دینے کا تہیہ کر لیا۔ اُسے دشمن فوج کے قلب میں اسماعیل کا پرچم دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے تیرا زادوں کو میدان جنگ کے ارد گرد کی چٹانوں پر بھیج دیا اور اپنے محفوظ کو حملے کی تیاری کا حکم دیا۔ جنگی امور کو سمجھنے والوں کی نظر میں یہ خود کش اقدام تھا۔

محمود غزنوی گھوڑے سے اتر کر لاشوں کے درمیان نسل رہا تھا۔ اُسے ایک انسان کی یاد سنائی دی۔ محمود محمدؒ۔ وہ اس آواز کو سہاٹا تھا۔ وہ اس آواز کی طرف دوڑ پڑا۔ اُس کی ماں کی آواز تھی مشعلوں کے گھومتے پھرتے شعلوں میں اُسے اپنی ماں لاشوں سے پھلانگتی اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ محمود نے اُس کے قریب جا کر اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ ماں نے اُسے اٹھا کر اس کا سراہر منہ چوما۔ دونوں پر اتنی رقت طاری تھی کہ وہ بول نہ سکے۔

محمود نے ماں کو رخصت کر دیا۔ محمود کا دل کوئی کام نہیں تھا لیکن وہ میدان جنگ سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ اُس پر جذبات کا ایسا غلبہ تھا کہ وہ کسی لاش کے پاس رک جاتا۔ کوئی شعل برادر قریب سے گزرتا تو محمود اُسے روک لیتا۔ شعل کی دھنکی میں لاش کے چہرے کو غور سے دیکھتا اور آگے چل پڑتا۔ وہ اسی طرح سر جھٹکا چلا جاتا تھا کہ اسے اپنی ماں کی طرح کی ایک اور نسوانی آواز سنائی دی۔ محمود وہ روک گیا۔ شعل برادر مل کے درمیان ایک خاتون شاہی لباس میں لمبوس آہستہ آہستہ اُس کی طرف آ رہی تھی۔ وہ غولہ صورت عورت تھی۔ شاہی خاندان کی عورت تھی۔ وہ اُس کے باپ کی بیوی تھی مگر اُسے دیکھ کر محمود غزنوی کاغون کھول اٹھا۔ کیونکہ وہ اسماعیل کی ماں تھی محمود اُس کی طرف بڑھنے کی بجائے روک گیا۔ اسماعیل کی ماں اُس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

”یہ دیکھنے آئی ہو کہ تمہارے بیٹے نے غزنی کی فوج کے کتنے ہزار آدمیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کر لیا ہے؟“ محمود نے پوچھا۔ ”کیا یہ سننے آئی ہو کہ آپس میں لڑ کر مرنے والے سپاہیوں کے کراہنے کی آوازیں کسی گئی ہیں؟“ ”میں کچھ بھی دیکھنے نہیں آئی۔“ اسماعیل کی ماں نے روتے ہوئے کہا۔ ”جس کچھ سننے نہیں آئی میں اپنے جینے کی جان بخشی کی التجا کرتی ہوں۔“ ”کہاں بے تارا دنیا؟“ محمود نے کہا۔ ”میں نے اُسے دیکھا ہی نہیں۔“ ”وہ اپنے جیمے میں ہے۔“ ماں نے جواب دیا۔ ”بھاگ نکلنے کے رستے بند

ان میں سے سپاہی اور کماندار چٹانوں کے درمیان پناہ ڈھونڈنے لگے۔ چٹانوں کے اوپر محمود غزنوی نے اپنے ترانما پھیلارکھے تھے۔ ان کے تیروں نے دشمن کے لئے کوئی پناہ نہ چھوڑی۔ سب سے پہلے قلب کے ایک سالار نے ہتھیار ڈالے۔ محمود غزنوی نے کئی ایک گھوڑا سواروں کو حکم دیا کہ وہ تمام میدان جنگ میں گھوم جائیں اور اعلان کریں کہ سلطان محمود نے حکم دیا ہے کہ اسماعیل کے کسی بھی فوجی کو ہلاک نہ کیا جائے۔ جو کوئی ہتھیار ڈالنے سے انکار کرے اُسے زندہ پکڑا جائے۔ اگر وہ مزاحمت کرے تو اُسے زخمی کر کے پکڑا جائے۔ اس اعلان سے اسماعیل کے سپاہیوں کے حوصلے باطل ہی ٹوٹ گئے۔

قلب کے جس سالار نے سب سے پہلے ہتھیار ڈالے تھے، اُس سے محمود غزنوی نے اسماعیل کے متعلق پوچھا۔

”وہ مراہمی نہیں زخمی بھی نہیں ہوا۔“ سالار نے جواب دیا۔ ”وہ حملے کی شدت سے ایسا گھبراہٹ کر کوئی حکم یا اطلاع دینے بغیر بھاگ گیا۔“ اُس نے وہ سمت بتائی جس طرف وہ گیا تھا۔

محمود غزنوی نے ایک جیش تیار کر کے حکم دیا کہ اسماعیل کو تلاش کریں اور اُس کے ہاتھ باندھ کر اخطائی مجرموں کی طرح پیش کریں۔

سورج غروب ہونے تک خانہ جنگی کا یہ انتہائی خونریز معرکہ ختم ہو چکا تھا۔ اسماعیل کے فوجیوں میں ٹولیسوں میں بیٹھ گئے تھے محمود کے سپاہی ان پر پیرہ دے رہے تھے۔ بڑی بی بی بھیاں آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ زخمی کراہ رہے تھے۔ بعض چیخ رہے تھے۔ زخمی ہاتھی چنگھاڑ رہے تھے۔ زخمی گھوڑوں کی آوازیں بڑی خوراکنی تھیں۔ رات گہری ہوئی جا رہی تھی۔ معرکہ کے بعد کی آوازیں اور زیادہ بلند اور ڈراؤنی ہوتی جا رہی تھیں۔ محمود غزنوی پہلے ہی حکم دے چکا تھا کہ دونوں طرفوں کے زخمیوں کو اٹھا کر ان کی برہم خیزی کی جائے۔

زخمی اٹھائے جا رہے تھے سینکڑوں مشعلوں کے شعلے گھوم پھر رہے تھے اور

ہو چکے ہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ سب اُس کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔

”کیا وہ بھی اُس کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں جنہیں خوشام کی بدولت تیار سے بیٹے نے کاغذ سے سالار بنایا تھا؟“ محمود نے پوچھا۔ ”دقیقہ بھی اُسے نہ چھوڑ گئے ہیں جنہیں تیار سے بیٹے نے امیر اور وزیر بنایا تھا؟“ ... نعلی الہی اور سلطان عالی مقام کھانا آسان ہے نیکو نعلی الہی اور سلطان عالی مقام بن کر دکھانا بڑی مشکل ہے۔“ محمود۔ اسماعیل کی ماں نے التہا کے لیے میں کہا۔ تیس جن پہنچا ہے کہ جو انٹی سیدی زبان پر آئے کہ دو میں اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگنے آئی ہوں۔ ”اگر تم میری جگہ ہو میں تو کیا اپنے اسماعیل کو اتنے انسانوں کا خواہ مخواہ نہیں؟“ محمود نے کہا۔ اپنے پاؤں دیکھو اور اپنے آپ سے پوچھو کہ جن کے خون سے تیار سے پاؤں تھر گئے ہیں اور جن کے خون کے چھینے تیار سے شخصوں کے اوپر تک جا پڑے ہیں، وہ کون تھا؟ اب سلطان کی بیوہ ہو سلطان کی بیوی ہو یا بیوہ، قوم کا برفرو اور پاسی اُس کا اپنا بڑا ہوتا ہے کیا یہ تیار سے بیٹے میں تھے جن کے خون سے چھستی اور جن کی لاشوں سے ٹھوکریں کھاتی تھیں؟ اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگنے آئی ہو قوم اور فوج کے خون کے ساتھ لھلھنے والے حکمران اسی انجام کو پہنچتے ہیں جن تک تیار اپنا بیٹہ چکا ہے کل کا سلطان آج کا سفرد مجرم ہے۔

”محمود! میں تیار ہی ہوں تو نہیں، تیار سے مجرم باپ کی بیوہ ہوں۔“ اسماعیل کی ماں نے کہا۔ ”اپنے باپ کی رُوح کی خاطر مجھے میرا بچہ دے دو میں اس سلطنت سے نکل جاؤں گی تیار صاحب کو میرے ساتھ اتنی ہی محبت تھی جتنی تیار کی ماں سے تھی۔“

”اور تم نے اس محبت سے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنے خاوند کو اُس کے نزع کے عالم میں دھوکا دیا اور اپنے اُس بیٹے کو سلطنت کا بادشاہ بنوا لیا جس نے سلطنت کو ڈوبنے کا ہتھم کر دیا۔“ اُس قوم کی ماں جو جس کی مائیں میری ماں کی طرح اپنے بیٹوں کو جوان کر کے محاذ کو نہضت کیا کرتی تھیں، تم نے اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھا

کر اُس کے سر پہ تاج رکھا۔ تم نے اُسے مجرم بنایا۔“

محمود غزنوی نے اپنے پاس کھڑے دو عیداروں سے کہا۔ اُس خاتون کے ساتھ جاؤ اور اس کے بیٹے کو میرے سامنے لے آؤ۔

اُس وقت اسماعیل اپنے نیچے میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اُس نے جب نیچے میں دو عیداروں کو داخل ہوتے دیکھا تو وہ اٹھا اور ستر پانچا پٹنے لگا۔ اُس نے ان عیداروں سے کہا کہ وہ اُسے فرار کرادیں تو وہ انہیں منہ مانگا انعام دے گا۔ عیداروں نے کوئی جواب دیئے بغیر اپنے پیاسوں کو حکم دیا کہ اسے کچر کر سلطان کے پاس لے چلو۔ وہ خود ہی ان کے ساتھ چل پڑا۔ اُس کی ماں اس کے پیچھے پیچھے آئی۔

اُسے جب محمود غزنوی کے سامنے کھڑا کیا گیا تو محمود نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا۔ تمہاری ماں نے مجھ سے تمہاری زندگی کی بھیک مانگی ہے نہیں ایک ماں کی اتنے عاقل کرنا ہوں جنہیں زندہ رہنے دوں گا۔

مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے۔ ”محمود غزنوی نے اسماعیل سے پوچھا۔ اگر فتح تمہاری ہوتی اور میں تیار ایتدی ہوتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“ اسماعیل نے جواب دیا۔ میں تیس ہزار ہر کے لیے قیدیں ڈال دیتا اور آندان کے سوا تیس نام کی ہر آسائش دیتا۔ محمود غزنوی نے کہا۔ اور میں تیار سے ساتھ اس سے بڑا سلوک نہیں کروں گا۔ تم ساری عمر کے لیے جرجان کے قلعے میں قید ہو گے جہاں آزادی کے سوا تیس نام کی ہر آسائش اور سہولت دینا کی جائے گی۔ اپنی ماں کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ اسماعیل نے باقی عمر اپنی ماں کے ساتھ اس قلعے میں گزاری۔ ایک بہت بڑا خطرہ ٹل گیا۔

اُس وقت جب سلطنت غزنوی میں ایک اور خانہ جنگی لڑی جا چکی تھی، اور غزنی کی بہترین فوج کی خامی نفی تباہ و برباد ہو گئی تھی، لاجپور میں راجہ جے پال نے کسیر اطلاع پہنچی کہ سلطان کیسٹگیس بر گیا ہے۔ اُس نے اپنے جرنیلوں کو لایا اور انہیں خوشی سے

کے ساتھ ایک کردے رہا تھا جہاں ایک مسلمان ملازم انیسر لکھا اٹھتا تھا یہ مسلمان
غزنی کا جاسوس تھا۔ وہ خوب دواور ذہنی اور جہاں لحاظ سے نظر آتا تھا۔ اس کمرے کے
ارد گرد سپرد تھا۔ راجہ جے پال کو دوسری شکست نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ وہ غزنی پر
ایک اور حملے کے لیے فوج کی تیاری اور تیاری میں آنا سمجھتا تھا۔ غزنی کے
ان دو قیدیوں کی طرف کوجہ نہ دے سکا۔

یہ مسلمان ملازم جبر کا نام ملاذری تھا انیسر کے رہا تھا۔ راجہ کو کوئی وجہ نہ
موت کا راز بتا دیں۔ ورنہ وہ انیسر قید خانے میں ڈال کر بڑی سی بھیا تک آدھے
دے گا۔ ملاذری کا مقصد یہ تھا کہ یہ دونوں راجہ پر اپنا اعتماد پیدا کر لیں تو ان کے
فرادی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ راجہ کو اعتماد میں لینے سے یہ فائدہ بھی اٹھایا جاتا
سکتا تھا کہ اس سے یہ معلوم کر لیا جاتا کہ وہ کب تک غزنی پر حملہ کر رہا ہے اور باب
کس طرف سے حملہ کرے گا۔ پشاور کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی ہو سکتا تھا۔

”اب راجہ بتیں جلاتے تو اسے دھوکہ دو۔“ عمران ملاذری نے ایک روز انیسر
کے پاس میں نے تمہیں چھپانے کا انتظام کر لیا ہے۔ تمہیں یہاں سے جلد ہی نکال دیا
ہوگا۔ ہو سکتا ہے میں یہاں سے غائب ہو جاؤں۔“
”تم کہاں جاؤ گے؟“

”ایک فرض تو سلطنت کی طرف سے مجھ پر عائد ہے جو مجھے پورا کرنا ہے اور کتنا
رہتا ہوں۔“ ملاذری نے کہا۔ ”مگر میں انسان بھی ہوں میرے جنابات بھی ہیں۔
مجھ پر ایک اور فرض آپڑا ہے۔ میں تم دونوں سے کچھ پھیلادوں گا۔ انیسر میں ایک دوسر
کی مدد کرنی ہے۔ چند لوگوں نے راجہ جے پال کو بتلایا تھا کہ وہ ایک کنواری لڑکی کی قربانی
دے تو اسے فتح ہوگی۔ یہ قوم دشمنی ہے اور بربریت پسندی کی عورت کا خاتمہ ہو جائے
تو اس کی بیوہ کو اس کی لاش کے ساتھ زندہ جلادیتے ہیں۔ یہ لوگ انسانی قربانی سے
بھی گرنے نہیں کرتے۔ چندت کو کسی خاص کل رنگ اور طرح کی خوبصورت کنواری
لڑکی مل گئی ہے۔ اسے وہ کسی مندر میں لے گئے ہیں۔ اسے قربانی کے لیے تیار کیا
جائے گا۔ مجھے اس لڑکی کو پہچانا ہے۔“

غزنی کی اب وہ غزنی کو آسانی سے فتح کر لیں گے کیونکہ جنگیں مگر اب ہے۔
”کیا ہماری فوج حملے کے لیے تیار ہے؟“ راجہ جے پال نے پوچھا۔

”پہلے دو تجربوں کو سامنے رکھ کر ہمیں جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے۔ ایک جزیل
سفر جواب دیا۔“ ایک آدمی کے مرجلنے سے پوری قوم نہیں سر جاتا کرتی۔۔۔۔۔

غزنی کی فوج میں جو جذبہ ہے، وہ ان کے ایک سلطان کے مرجلنے سے نہیں مرے
کا ہماری فوج پیش قدمی کے لیے تیار ہے لیکن اس میں ابھی لڑنے کا وہ جذبہ پیدا نہیں
ہوگا جو مسلمانوں میں ہے۔ ہم وہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہندوؤں میں
پندت بھی لوگوں کو کمری بتاتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ مذہبی جنگ ہے۔
”جنگیں کا پیشا محو جہاں ہو گیا ہے۔“ دوسرے جزیل نے کہا۔ میں یہ تو
نہیں بتا سکتا کہ وہ پوری فوج کی کان کے قابل ہے یا نہیں۔ میں نے اس کے دو
حملے دیکھے ہیں۔ مجھے اس میں قابلیت اور جرأت نظر آتی ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہیئے
کہ وہ کس حد تک قابل ہے۔“

”یہ میں نہیں معلوم کر لوں گا۔“ راجہ جے پال نے کہا۔ ”تمہیں معلوم ہے کہ
میرے پاس غزنی کی فوج کے اپنے درجے کے دو قیدی ہیں۔ میں ان سے معلوم
کر لوں گا۔ آپ لوگ فوج کی تربیت اور نیدی تیز کریں۔ میرا بہت جلدی
غزنی کی طرف کوچ کروں گا۔ جنگیں کا کوئی بھی پٹا اس جتنا قابل جزیل نہیں ہو سکتا۔
مجھے امید ہے کہ اب ہم دو شکستوں کا انتظام کر جنگیں کی سلطنت پر قبضہ کر لیں
گے۔ میں ایک لڑکی کی قربانی بھی دے رہا ہوں۔ چندتوں نے لڑکی حاصل کر لی ہے۔
اسے خاص محل کے بعد قربان کیا جائے گا۔“

راجہ جے پال نے غزنی کے جن دو قیدیوں کا ذکر کیا تھا وہ ندام اور بیری اور کاکا لکھی
تھے۔ آپ نے اس داستان کی کچھ تسط میں پڑھا ہے کہ راجہ جے پال ان سے پوچھ رہا
تھا کہ غزنی کی فوج کی کامیابی کا راز کیا ہے۔ ان دونوں نے اسے تاثر دے رکھا تھا
کہ یہ ایک گمراہ راہ ہے جو وہ نہیں بتا سکتے۔ راجہ جے پال نے انیسر راج محل

دونوں پر جو تک اُنھے لیکن سنبھل گئے۔

”اب غزنی کی سلطنت کو بچانے والا کوئی نہیں رہا۔ راجہ نے کھلم کھلا تم اب میرا ساتھ دو میں تمہیں اپنی فوج میں عہدہ بھی دے سکتا ہوں.... مجھے یہ بتاؤ کہ اُس کا بیٹا محمود اپنے باپ کی جگہ فوج کی کمان کر سکتا ہے؟ اُس پر جنگی قابلیت کتنی کچھ ہے؟“

”اتنی نہیں جتنی سلطان بنگلیس میں تھی“ — ادیزلی کے جواب — ”میدان جنگ میں وہ اپنی مخصوص چالیں چلتا ہے۔ اگر آپ کو یہ چالیں بتادی جائیں تو آپ اسے آسانی سے شکست دے سکتے ہیں۔ آپ کو دوسری شکست معمولی چالوں نے ہی دی ہے۔“

ان دونوں نے راجہ جے پال کو محمود کی چالیں بتانی شروع کر دیں۔ ان کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ راجہ نے اپنے جنریلوں کو بلایا۔ ادیزلی اور بلنجی انہیں چالیں سمجھانے لگے۔

”ہم آپ کو علی طور پر بھی یہ چالیں سمجھائیں گے۔“ قاسم بلنجی نے کہا۔ لیکن ہر قیدی بن کر آپ کو ان چالوں کی علی کل نہیں بتائیں گے۔“

راجہ جے پال نے اُسی وقت حکم دے دیا کہ ان کے کمرے سے پہرہ ہٹا دیا جائے۔ پہرہ ہٹا دیا گیا۔ رات آئی اور گزر گئی۔ اگلے روز نظران بلاذری ان کے لیے کھانا لے کر کمرے میں بیٹھ گیا۔ بہت دیر گزر گئی۔ راجہ مکمل سے ادیزلی اور بلنجی کا بلا دیا آیا۔ بلاذری نے قاصد کو بتایا کہ وہ صبح سے کھانا لے کر بیٹھا ہے، وہ دونوں کمرے میں نہیں تھے۔ وہ رات کو ہی نکل گئے تھے، اور بلاذری انہیں ایک گھر میں چھپا آتا تھا۔

”اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا؟“ نظام ادیزلی نے پوچھا۔ یہ کا فرانی تمام لڑکیوں کو اپنے بھتیجے کے آگے قربان کر دیں ہمیں اس سے کیا؟“

”یہ لڑکی مجھے اس قدر چاہتی ہے کہ میرے ساتھ چلنے کو تیار تھی۔“ نظران بلاذری نے کہا۔ وہ اسلام قبول کرنے کا بھی فیصلہ کر چکی تھی۔ میں اسے کبھی کالے جٹا نہیں جاسوس کی حیثیت سے میرا فرض مجھے یہاں سے بھٹکے نہیں دے رہا۔ میں یہاں سے کوئی کام کی اطلاع یا راجہ جے پال کے آئندہ عزائم کی صحیح خبر لے کر غزنی کو روانہ ہونا چاہتا تھا۔ لڑکی جب مجھے ملتی سی کسی کمرے میں اُسے غزنی لے چلوں۔ اتنے میں تم دونوں آگے۔ یہ بھی میرے فرائض میں شامل ہے کہ تیس یہاں سے فرار کرواؤں میں لڑکی کو ساتھ لے کر تدرے ساتھ نکل جانے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ ایک روز لڑکی مندر میں گئی اور واپس نہ آئی۔ مجھے پتہ چل گیا کہ پندتوں نے اسے قربانی کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ قربانی فیصہ میں ابھی بہت دن ہیں۔ مجھے کمرہ لڑکی کو جی میں آئے کہ لڑکیوں میں دوتا ہوں کہ بہت فرض پر غالب آجائے گی۔ تم راجہ کو اعتماد میں لو اور یہاں سے نکلیں نہیں کچھ دن چھپائے رکھوں گا پھر لاہور سے نکال بھی دوں گا۔“

”تم ہم سے جلدی بند نہ کرنا چاہتے ہو؟“ قاسم بلنجی نے کہا۔
”اے بلنجی۔“ بلاذری نے جواب دیا۔ ”بہت جلدی سمجھے راتوں کو نیند نہیں آتی۔“

اس سے ایک دو روز بعد انہیں راجہ جے پال نے بلایا۔

”کیا تمہارے سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہو؟“

راجہ نے کہا۔ ”مجھے امید ہے کہ تم اپنے آپ پر رحم کر دے۔“

”نہاں مبارک! — نظام ادیزلی نے کہا۔ آپ نے ہمارے

ساتھ جو اچھا سلوک کیا ہے اس کے عوض ہم آپ کو ہر سوال کا جواب دینگے۔“

”تمہارا سلطان بنگلیس مر گیا ہے۔“ راجہ جے پال نے انہیں خبر سنائی۔

مذہب، مجرم اور مچا ہد

تھا جگ موہن اکثر رات کو عمران بلاذری کے گھر آیا کرتا تھا۔ اُن دنوں ہندو اور مسلمان کی دوستی کم ہی دیکھنے میں آیا کرتی تھی۔ مسلمان اقلیت میں تھے اور ہندو ان سے نفرت کرتے تھے۔ راجوں مہاراجوں اور پٹنہ والوں نے مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کر رکھی تھی، مگر جگ موہن جو ذات کا برہمن تھا، عمران بلاذری سے پہلی ہی ملاقات میں اتنا متاثر ہوا تھا کہ اسے جبارا اور ان کی دوستی ہو گئی۔

دوستی کے ابتدائی دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک رات جگ موہن بلاذری سے ملنے اُس کے گھر آیا تو جگ موہن رو رہا تھا۔

”آج میری بہن زندہ جلادی گئی ہے۔“ جگ موہن نے بلاذری کو بتایا۔

”کس نے جلادی ہے؟“ عمران بلاذری نے پوچھا۔

”میرے مذہب نے۔“ جگ موہن نے بتایا۔ ”اُس کی شادی ہوئے ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ اُس کا خاوند گھوڑا بہ سے گر کر زخمی ہو گیا۔ آج صبح وہ مر گیا ہے۔ اُس کی بیوی کو بھی اُس کے ساتھ ہی مرنے پڑا تھا۔ آج میرے بیٹے کی لاش چتا پر رکھی گئی تو اُس کے بھائیوں نے میری بہن کو بھی چتا پر گھرا کر دیا اور چٹاؤ لگا دی۔ تم نے جانی نہیں دیکھی ہوگی لکڑیوں کا بہت بڑا ڈھیر لگایا جاتا ہے جو چو کو اور اوپر سے ہوا رہتا ہے۔ اس کی لہائی انسان کے قدم سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ اور اونچائی کم جتن ایک گز۔ اس پر لاش رکھ دیتے ہیں لکڑیوں پر تیل یا گھی ڈالتے اور آگ لگا دیتے ہیں میں تو لاش کو بھی جلنے نہیں دیکھ سکتا گر میں نے اپنی بہن کو ایسے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلتے دیکھا ہے....“

نکستے ہیں کہ ہندو عورت اتنی عزت والی ہوتی ہے کہ اُس کا خاوند مر جائے تو اُس کے ساتھ زندہ جل جاتی ہے۔ اسے تپتی ہوا نکستے ہیں جو عورت تپتی نہیں ہوتی وہ ساری عمر شادی نہیں کر سکتی۔ وہ خطہ محسوس کرتی ہے کہ انسان کی زندگی اسے گناہ کا بنادے گی اس لیے خاوند کے ساتھ ہی مرجانا بہتر ہے۔۔۔ میں کی کو اچھا سمجھتا تھا مگر جب ایسی بہن کو زندہ جلتے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا مذہب کس قدر بے رحم

عمران بلاذری پر کسی نے شکر نہ کیا کہ غزنی کے دونوں قیدیوں۔۔۔ نظام اور بڑی اور قلم لکھی۔ کو اُس نے راج محل سے فرار کر لیا ہے۔ اُس نے یہ فرض تو ادا کر دیا تھا کہ اُسے ابھی ایک اور فرار کرانا تھا۔ یہ وہ ہندو لڑکی تھی جو اُس کی محبت کی خاطر اپنا مذہب اپنا گھر اور اپنا ملک چھوڑنے کو تیار تھی مگر اسے پینٹ، انسانی قربانی کے لیے لے گئے تھے۔

بلاذری خوش وضع، خوش لباس اور خوش گفتار جوان تھا۔ ہر دھنگ کھیلنا اور ہر جیس بلنا جانتا تھا۔ اُس کی زبان میں جادو کا اثر تھا۔ وہ اُن مردوں میں سے تھا جن کے خدو خال میں انتہائی دلکش اور سہاویں ایسی کشش ہوتی ہے جو جنس مخالف کو کچھ دیر تک روک رکھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ عمران بلاذری ہزارہ نہیں تھا۔ راج محل کا ملازم تھا۔ ملازموں جیسے کچھ بڑے پنہا تھا۔ ملازموں کی طرح بولتا تھا، مگر غزنی کا جاسوس تھا۔ یہ جناب کی اُس وقت کی زبان روانی سے بولتا تھا اور کسی کو بھی شک نہیں ہوا تھا۔ کہ یہ خوش طبع آدمی راجہ پال کی ریاست کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔

وہ پورے لاجپور میں تھا۔ شہر میں ایک مکان میں اکیلا رہتا تھا۔ اس کے اوٹس پڑوس میں رہنے والے اس کے متعلق اتنا ہی جانتے تھے کہ راج محل کا ملازم ہے۔ سلطان کا بہت والا ہے۔ اچھا آدمی ہے اور راجہ پور سے گھر آتا ہے۔ اس کی ہستی ایک ہندو جگ موہن کے ساتھ تھی جو اُس کا ہم عمر تھا۔ اُس کا بابا تاجر

”انہوں نے اعلان کر رکھا ہے کہ لوگ مندر میں اپنی کنواری بیٹیوں کو بھیجا کریں۔
رکشاں مندروں میں جاتی ہیں۔ ابھی پنڈتوں کو خاص قسم کی رک کی نظر نہیں آئی یہ
مندری کوئی بہن کنواری تو نہیں؟“

”میری چھوٹی بہن کنواری ہے۔“ جگ موہن نے کہا۔ ”لیکن میں اسے مندر
میں نہیں جانے دیتا میرے باپ نے بھی اسے کہا ہے کہ وہ مندر میں نہ جایا کرے
۔۔۔ میری بہن بہت خوبصورت ہے۔ کچھ دیر ہے کہ وہ پنڈتوں کے سامنے
گئی تو وہ اسے قربانی کے لیے منتخب کر لیں گے۔“

عمران بلاذری کو موقع مل گیا۔ اس نے جگ موہن کو اسلام کے بنیادی اصول
بتائے اور کہا: ”ہمارا مذہب بنی نوع انسان کی سبب و حقوق دینے کے لیے آیا
تھا۔“

جگ موہن کا دل نرمی تھا عمران بلاذری کی باتوں سے اسے ٹھنک سونے لگی۔
”تم نے اچھا کیا ہے کہ اپنی چھوٹی بہن کو مندر میں سے چھپا رکھا ہے۔“
بلاذری نے کہا۔ ”راجہ جے پال نے شکست کھائی ہے تو یہ اس کی غلطی ہے۔
وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے اور اپنی قوم کو بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ
اسے تیسارے پنڈت فریب دے رہے ہیں، ہر کوئی بادشاہ یا مہاراجہ کی خوشنودی
چاہتا ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے، یہ مسلمانوں میں بھی ہوتا ہے، عیسائیوں
میں بھی پنڈت ہو یا مولوی اس کے پاس مذہب کی پیشوائی ہوتی ہے، اس لیے
وہ مذہب کو موڑ تو دے گا اپنے بادشاہ کو خوش کر لیتا ہے۔ تیسارے پنڈتوں نے
بھی یہی کیا ہے۔ راجہ جے پال کو یہ کہنے کی بجائے کہ اپنی غلطیوں اور سلطان سنگھ
کی کامیابیوں کو پرکھے اور اپنی فوج میں تقوہ مل کرے، پنڈتوں نے اسے
یہ کہہ کر اس کا دل پرچا دیا کہ دیکھا مارا میں اور وہ ایک کنواری کی قربانی مانگتے
ہیں۔۔۔۔“

”تم جیسے اپنے مذہب کی قربانی کہتے ہو یہ دہاں تیسارے مذہب پرستوں

بہنہ کوئی عورت زندہ نہیں چلا چکا ہے۔ میری بہن کو گھسیٹ کر چٹا تک لے گئے اور
اسے اٹھا کر چٹا پر کھڑا کر دیگا۔ اس کے پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے گئے تھے۔
وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھی۔ میں اسے بچانہ سکا۔ وہاں کم دیش ڈیرھ سو
آدمی تھے۔ کئی بھی اسے بچانے کے لیے آگے نہ بڑھا۔ سب مذہب کی رنجشوں
میں جکڑے ہوئے تھے۔ میں نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ کچھ کلکوں کے جلنے کی آواز
آئی اور اس کے ساتھ ہی مجھے اپنی بہن کی چیخیں سنائی دیں۔۔۔۔“

”میں نے جھوم کر دیکھا۔ شعلے بہت اونپنے تھے۔ ان میں مجھ سے اپنی بہن نظر آئی۔
موجز ہی تھی، پھر جلتی ٹکڑیوں کی تراخ تراخ نے اس کی چیخیں ختم کر ڈالیں۔ مجھے غشی آنے
لگی۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ میں ابھی تک بہن کی چیخیں سن رہا ہوں۔ مجھے اپنے مذہب
سے نفرت ہو گئی ہے۔“

”وہ مذہب ہی کیا جس سے انسانوں کو نفرت ہو جائے۔“ عمران بلاذری نے
کہا۔ ”وہ مذہب ہی کیا جو انسان کو جینے کے حق سے محروم کر دے۔ کوئی مذہب بربریت
کی اجازت نہیں دیتا۔ میں تمہیں اپنے مذہب میں لانے کی کوشش نہیں کر رہا صرف
بتا رہا ہوں کہ میرا مذہب عورت کے لیے بہت نرم ہے۔ اگر کسی عورت کا خاندان
جائے تو اسے اجازت ہوتی ہے کہ تین ماہ بعد شادی کر لے۔ اگر وہ جوان ہو تو کوشش
کی جاتی ہے کہ اس کا دوسری شادی ہو جائے اسلام عورت کو ذرا سی بھی جہان ایدا
دینے کی اجازت نہیں دیتا۔“

”ہمارے پنڈت وہاں پہنچے کچھوں کی قربانی بھی دیا کرتے ہیں۔ جگ موہن
نے کہا۔ ”ایسا اکثر ہوتا ہے کہ چٹک۔ سالی ہو تو کاغذ ہو، سیلاب کا لہ ہو تو کسی
کا مصروف ہو کر اسے ذبح کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کی لاش جلادی جاتی ہے۔ اب
ہمارا اجغزلی سے شکست کھا کر آیا ہے تو پنڈتوں نے اسے کہا ہے کہ وہ ایک
کنواری لڑکی کی قربانی دے تو اس کی شکست فتح میں بدل جائے گی۔“

”یہ قربانی کب دی جا رہی ہے؟“

”پنڈت خاص قسم کی لڑکی کی تلاش میں ہیں۔ جگ موہن نے جواب دیا۔“

کی خرابی ہے۔ انسانوں کی پیدا کردہ فرامیاں ہمارے مذہب میں بھی ہیں ہمارے مولوی اور امام بھی بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسی ایسی باتیں پیدا کر لیتے ہیں جنہیں انسانی ذہن قبول نہیں کرتا لیکن اس پر وہ مذہب کی چھاپ لگا کر لوگوں کا منہ بند کر دیتے ہیں۔ اگر بادشاہ اپنے تخت و تاج کی مضبوطی کے لیے مذہب کو استعمال کرے اور مذہب کی آڑ میں بیٹھ جائے تو مذہبی پیشوا اسے مذہب کے ہی اصولوں اور فلسفوں کو توڑ موز کر اسے آرمینا کر دیتے ہیں۔ اگر یہی بادشاہ مذہب سے نگاہیں پھیر کر رعایا پر ظلم و تشدد شروع کر دے تو یہی مذہبی پیشوا اس کی دھاندلیوں اور جھوٹ کو مذہبی جواز دیتا کر دیں گے۔ مذہب ہر کسی کے لیے قابل قبول ہوتا ہے، مذہب کو اس کے پیشوا قابل لغت بنایا کرتے ہیں۔

”کیا تمہارے مذہب میں انسانوں کی قربانی دی جاتی ہے؟“ — جگ موہن نے پوچھا۔

”نہیں۔“ — عمران بلاذری نے جواب دیا۔ ”ہمارا مذہب اسے قتل کرتا ہے۔ اگر ہمارا کوئی مذہبی پیشوا کسی کو انسانی قربانی کے لیے تیار کرے گا تو وہ قاتل کہلائے گا اور سزائے موت پائے گا۔ مسلمان میدان جنگ میں اپنی جانیں دیا کرتے ہیں، اور یہی سلطان بنگلیوں کی کامیابی کا راز ہے۔۔۔ میں تمہارے مذہب کی توہین نہیں کرنا چاہتا، حقیقت بیان کرنا ہوں۔ ہم صرف ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں ہمارے مکی ایک خدا نہیں، ادھر ہمارے خدا ہتھ اور منی کے بھی نہیں۔ اپنی عقل استعمال کرو۔ یہ بُت، ایک جگہ دھرے رہتے ہیں۔ تم انہیں صرف مندروں میں دیکھ سکتے ہو۔ یہ اپنے اوپر بڑی مکھی کو بھی نہیں اڑا سکتے۔ ان میں جان نہیں، روح نہیں، ہمت کرو اور ایک بُت کو توڑ دو، پھر دیکھنا کہ یہ خدا اپنے نکرے جوڑ سکتا ہے یا نہیں اور یہ تمہارا کیا بگاڑے گا۔ ہمارا خدا صرف مسجد میں نہیں رہتا، ہر جگہ موجود ہوتا ہے اور ہمارے دلوں میں بھی رہتا ہے۔ وہ کسی انسان کا خون نہیں مانگتا۔ نہ کسی کنواری کو اپنے سامنے دیک کر خوش ہوتا ہے۔“

عمران بلاذری کی زبان کا جادو اس جواں سال ہندو کو مسحور کر لیا تھا۔ اس ناثر کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ بلاذری کی زبان میں سحر تھا اور دوسری وجہ یہ کہ جگ موہن نے اپنی بہن کو زندہ جلتے دیکھا تھا۔ یہ انسانی جذبات تھے جو ہندوؤں اور پتھر کے خداؤں پر غالب آگئے تھے۔ عمران بلاذری نے اُسے اُس کے مذہب سے منحرف کر دیا تھا یا انحراف اور لغت کا بیج بویا تھا۔ جگ موہن کے آنسو بہے جا رہے تھے، اور اس کے چہرے پر دہشت کا ماتر بھی تھا۔ اُسے جیسے ابھی تک اپنی بہن جلتی نظر آ رہی تھی۔

”تمہارا اہم ایسا ہے جو بائبل میں جاسکتا۔ عمران بلاذری نے کہا۔ میں ہمدردی کے دوچار الفاظ کہہ سکتا ہوں۔ اگر میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں تو مجھے بتانا۔“

غزوہ حالت میں ہمدردی کے دوچار الفاظ بھی بہت بڑی مدد ہوتی ہے۔ جگ موہن عمران بلاذری کا رویہ تو کیا، اور اس کی باتوں کو دل میں بٹھانے لگا۔ ایک دفعہ بلاذری کو کام سے چھٹی تھی۔ وہ جگ موہن کو شہ کار پر لے گیا۔ ۱۰۰ بن چھپتے چھپتے مکھی۔ یہ بھی جگ موہن کے دل ہلا دے کا اہتمام تھا۔ وہ شہر سے دو چرخل میں نکل گئے۔ برفوں نے بہت سے پرندے شکار کیے۔

”عمران! جگ موہن نے ہنس کر کہا۔ تم نے مجھ سے ان پرندوں کا ناقص خون کرایا ہے تم جانے ہو کہ میں جڑن ہوں، ہمیں گوشت کھانے کی اجازت نہیں۔“

”اگر تم گوشت کھاؤ تو تمہارے خیالات بدل جائیں۔“ بلاذری نے کہا۔ ”میں تمہیں آج گوشت کھلاؤں گا۔ اگر پتھر کے کسی بُت نے تمہیں سزا دی تو وہ میں بھگتوں گا۔“

اُس نے پرندوں کے پر آار سے پرندے صاف کیے اور کڑیاں وغیرہ اکٹھی کر کے آگ پر پرندے بھون لیے۔ وہ نمک ساتھ لے گیا تھا۔ جگ موہن

گوشت کو ہاتھ لگاتے ڈر رہا تھا۔ عمران بلاذری نے زبان کا جادو چلایا تو جگ موہن نے کانپتے ہوئے ہمتہ سے ایک پرندہ اٹھایا اور دانتوں سے ایک بوٹی۔ سر میں ڈالی۔ اُس نے گوشت کا ذائقہ پہلی بدچھٹا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی پورا پرندہ کھالیا۔

”اور کھاؤں گا۔“ جگ موہن نے کہا۔

وہ ایک اور پرندہ کھالیا۔

”میں ایک اور کھلاؤں گا۔“ عمران بلاذری نے کہا۔

جگ موہن نے ایک اور پرندہ کھالیا۔ پرندوں کی کمی نہیں تھی۔ بلاذری آگ پر پھینکتے بھونٹا اور تنک لگاتا جا رہا تھا۔ جگ موہن نے ایک اور پرندہ اٹھایا تو بلاذری نے روک دیا۔

”زیادہ نہیں۔“ اُس نے جگ موہن سے کہا۔ ”ستار اپنی گوشت کا عادی نہیں۔ شاید زیادہ ہضم نہ کر سکے۔ میرے گھر آتے ہی رہتے ہو میں نہیں گوشت کا عادی بنا دوں گا۔“

جگ موہن نے بلاذری کے منع کرنے کے باوجود ایک اور پرندہ کھالیا اور بولا۔ ”بھاگیں دوڑیں گے تو سب کچھ ہضم ہو جائے گا۔“

اُس روز کے بعد جگ موہن عمران بلاذری کے گھر جاتا تو گوشت کی فرمائش کرتا۔ بلاذری اس کے لیے گوشت تیار رکھتا تھا۔ یہ گوشت کا اثر تھا، یا بلاذری کی باتوں کا کہ جگ موہن اپنے مذہب سے متنفر ہو گیا۔

”تم مندر میں جایا کرتے ہو؟“ ایک روز عمران بلاذری نے اس سے پوچھا۔

”کبھی کبھی۔“ جگ موہن نے جواب دیا۔ ”اب تو ایک رسم پوری کرنے جاتا ہوں۔“

”تم جس بُت یا موتی کے سامنے بیٹھ کر عبادت کیا کرتے ہو، اُسے ایک روز کنا کہ تم گوشت خور ہو گئے ہو۔“ عمران بلاذری نے کہا۔ ”پھر وہ کھانا ستارا یہ مصنوعی خدا نہیں کیا کرتا ہے۔۔۔۔۔ وہ کچھ بھی نہیں کھے گا۔ تم اتنے دنوں سے گوشت

شام کے بعد کا دافعہ سے عمران بلاذری اپنے گھر میں تھا۔ ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی اُس کے گھر میں آئی۔ لڑکی کا رنگ گورا، آنکھیں شربتی اور بال بھی شربتی رنگ کے تھے۔ وہ خوبصورت توتھی ہی لیکن اُس میں جوشش تھی، وہ اُس کے جسم کی ساخت کی بدولت تھی۔ اس کی چال ڈھال میں انوکھی کشش تھی۔ اس کی عمر مشکل سولہ سترہ سال تھی۔ عمران بلاذری اس لڑکی کو ایسے وقت جب شام گھری ہو گئی تھی، اپنے گھر میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”عمران بلاذری تم ہو؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ میں ہی ہوں۔“

”میں جگ موہن کی بہن ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میرا نام رشی ہے۔ جگ موہن کو دیکھنے آئی ہوں۔ میرے باپ کی طبیعت غراب ہو گئی ہے۔ گھر میں کوئی مرد نہیں جو کسی سیانے کو بلا لائے۔ مجھے معلوم تھا کہ میرا بھائی ستار سے پاس آیا کرتا ہے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ آیا کرتا ہے لیکن دیر بعد۔“ عمران بلاذری نے کہا۔ ”رات گھری ہو چکی ہوتی ہے تو آتا ہے۔ میں ستار سے ساتھ چلتا ہوں کسی دیمیا کسی سیانے کو بلا لائے گا۔“

”تم یہاں اکیلے رہتے ہو؟“ رشی نے پوچھا۔

”بائبل اکیلا۔“

”بیوی نہیں؟“ رشی نے سُکا کر پوچھا۔

”ابھی شادی نہیں ہوئی۔“

اس ہندو لڑکی کے چہرے کے اثرات اور سکراہٹ سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اس گھر سے جلدی نہیں نکلتا جارتی۔ عمران بلاذری ایک تاثر بن کر اس پر چھا

گیا تھا۔

”تم نے شادی کیوں نہیں کی؟“ رشی نے پوچھا۔

”تمہارا بپا بپا بپا ہے رشی!۔۔۔ عمران بلاذری نے کہا۔۔۔ تمہیں جلدی گھر جانا چاہیے۔“

”آنا زیادہ تو بیمار نہیں۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ ویسے ہی تمہارے پاس رک گئی ہوں۔ تمہیں اچھا نہیں لگتا تو چلی جاتی ہوں۔۔۔ میرا بھائی ستاری بہت تعریفیں کیا کرتا ہے۔ تمہیں دیکھنے کا بہت شوق تھا۔۔۔ ہم واقعی اچھے آدمی ہو۔ جگ موہن بہت۔۔۔ اداس رہتا ہے۔ اُس نے کھانا پینا بھی کم کر دیا ہے۔“

عمران بلاذری کے منہ سے نکل چلا تھا کہ جگ موہن نے کھانا پینا اس لیے کم کر دیا ہے کہ وہ اُس سے چوری چھپے گوشت کھاتا ہے لیکن اُسے یاد آگیا کہ یہ راز ہے۔ اُس نے کہا۔۔۔ جس نے اپنی بہن کو زندہ جلتے دیکھا ہو وہ اداس نہ رہے۔ تو کیا کرے۔۔۔ تمہیں بھی اپنی بہن کا بہت غم ہو گا۔“

رشی نے آہ لی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ زندہ ہی ہوئی آواز میں بولی۔

”میری قسمت میں بھی شاید زندہ جلتا ہی دکھائے کبھی تو جی میں آتی ہے کہ شادی نہ کروں۔“

عمران بلاذری کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ پھر آہستہ آہستہ نیچے کو پھسلے گئیں۔ رشی اُسے دیکھ رہی تھی۔ بلاذری تصور میں دیکھنے لگا کہ اتنی حسین لڑکی جلد ہی جے۔۔۔ تصور میں کھیلنے لگا۔ اُس کے اپنے سینے کو جلتے گئے۔

”نہیں رشی!۔۔۔ بلاذری نے بے ہمتی سے ایک کر رشی کے کندھے پر ہاتھ لیے اور بولا۔۔۔ تم نہیں جانتی کہ تمہاری لاش کو کبھی میں جلتے دوں گا۔ تمہاری لاش اٹھائے جاؤں گا۔“

رشی گھر آئی۔ بلاذری نے بھی گھر آ کر کھانا کھا کر سوتا ہوا تھا۔ ”مجھے معاف کر دینا رشی!۔۔۔ مجھے غلط سمجھا۔۔۔ میں سمجھتا تھا کہ تم جیسے عورتوں کو زندہ کس طرح

جلادیتے ہیں۔ تمہارے پنڈت اور دوسرے لول اسنے پتھر دل کس طرح بن جاتے ہیں۔“

”تم میری قسمت نہیں بدل سکتے عمران!“

عمران نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ دونوں پر خاموشی طاری ہو گئی۔ عمران بلاذری اُس کے اور قریب ہو گیا۔

”میں تمہاری قسمت بدل سکتا ہوں۔ اُس نے زیر لب کہا۔ اگر تم نے ساتھ دیا تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔“

”کل آؤں!“ رشی نے پوچھا۔

”اسی وقت۔“ عمران بلاذری نے کہا۔ ”لیکن کوئی دیکھ نہ لے ہمارے مذہب بدلے۔“

مذہب بدلے۔۔۔ یہی شکل پیدا کریں گے۔۔۔ جگ موہن نے بتایا تھا کہ تمہیں مندر میں نہیں جانے دیا جاتا۔ اُس نے وجہ بھی بتائی تھی۔

”میں اپنے کمری دیوتا پر قربان ہونے کے لیے تیار نہیں۔“ رشی نے کہا۔

”جس دن کو گھر سے باہر نہیں جاتی۔ مات کو نکلتی ہوں۔“

”کل آؤ گی تو باتیں کریں گے۔ بلاذری نے کہا۔ تم گھر چلو۔ میں کسی حکیم یا سائنس دان کو لے کر آتا ہوں۔“

وہ رشی کے ساتھ دروازے تک گیا۔ یہ تاکید دیوڑھی تھی۔ رشی اس کے قریب ہو گئی۔ عمران بلاذری نے اپنا بازو اُس کی کمر میں ڈال دیا۔

”میں کسی غیر مرد کے اتنی قریب کبھی نہیں ہوتی تھی۔“ رشی نے کہا۔

”تمہارے قریب ہوتے ڈرتا ہے۔ میٹروں کے متعلق ہمیں کبھی کوئی اچھی بات نہیں بتائی گئی۔ جگ موہن مجھے یہ نہ بتاتا کہ تم اچھے آدمی ہو تو میں یہاں کبھی نہ آتی۔۔۔ تم تو بہت اچھے ہو۔“

رشی دروازے سے نکل کر بھی اس کے ہاتھ میں عمران کا ہاتھ تھا۔ جیسے وہ اس کو ہر مسئلہ ان کے سامنے اپنے مذہب کے میلانی دریا میں اتر رہی ہو۔

عمران بلاذری نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہ کی۔ رشی کچھ دیر تک رہی۔ اُس نے

بے دلی سے عمران کا اہل چھوڑا اور چلی گئی۔ وہ کچھ دور چلی گئی تو عمران باہر نکلا اور ایک حکیم کے گھر کو چل پڑا۔

حکیم کو جگ موہن کے گھر میں داخل کر کے عمران ملاذری واپس آ گیا۔ ملاذری نے گزر کر صحن میں آتا تو باہر کا دروازہ کھلا اور بند ہو گیا۔ اُس نے گھوم کر دیکھا۔ وہ عورت ہی لگتی تھی۔ وہیں اندھیرا تھا۔ شاید شیشی پھر آگئی تھی۔ قریب آئی تو ملاذری نے یہ جان کر کہا۔ ”فاطمہ؟... تم یہاں کیسے آ گئیں؟“

”صرف یہ لو پھنسے آئی ہوں کہ یہ ہندوائی نیماں کیوں آئی تھی؟“ — فاطمہ نے پوچھا — ”کیا میں اتنی بڑی ہوں کہ دُور سے میرے سلام کا جواب دے دیتے ہو؟... (دیر بے بیخام کا یہ جواب دیتے ہو کہ تمہارے خاوند سے ملتا ہوں میرے گھر نہ آنا، تم سنیں ہی سکتے۔“

عمران بلا ذری نے جا کر دروازہ اندر سے بند کیا اور فاطمہ کو اپنے کمرے میں لے گیا جہاں کھڑکی پر سیلے لٹکی ہوئے تھے۔

”وہ اپنے بھائی کو دیکھنے آئی تھی“۔ عمران بلاذری نے فاطمہ سے کہا۔ میں نے آج پہلی بار اس لڑکی کو دیکھا ہے۔ اس کے ساتھ میرا کئی تعلق نہیں....
اب میں بتارے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں رکھ سکتا فاطمہ! تم مسلمان ہو۔ خاندان والی
جو بتاتارے سلام اور بتارے پیغامِ جہانی تعلق کی خاطر ہیں۔ میں گنہگار نہیں
کسلاؤں گا۔“

”جیسے تم میرا تھانہ کر رہے ہو، وہ مجھ کی اکیلی کاخاوند نہیں۔“ فاطمہ نے کہا۔

”اُس کی تین بیویاں ہیں، میں سب سے چھوٹی ہوں میری عمر بیس سال سے کچھ

میں سے اوپر ہوگی۔ میرے خاوند کی عمر مجھ سے دگنی سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس نے

تین بیویاں منہ اس لیے رکھی ہوئی ہیں کہ وہ دولت مند باجر سے خد ائے

اے ایسی شکل و صورت بھی نہیں دی کہ کوئی عورت اسے پسند کرے۔ اس کا

جسم اس قابل نہیں کہ تین بیویاں اس سے خوش رہیں، مگر دولت کے زور پر اُس

نے مجھ جیسی جوان لڑکی کو تیسری بیوی بنالیا ہے اگر اس قسم کے مرد میں بیویاں رکھ سکتا ہے تو کیا ایک عورت دو خلوہ نہیں رکھ سکتی؟ عورت کو اس حق سے کیوں محروم کیا گیا ہے کہ وہ اپنی پسند کے مرد کے پاس جائے؟ مرد کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ تین تین چار چار جوان لڑکیوں کو اپنے عقد میں باندھ لے؟

”اس میں میرا کوئی قصور نہیں“۔ عمران ہلاذری نے بے زنجی سے کہا۔
 یہ میں نے مرد کو تین اور چار بیویاں رکھنے حق دیا ہے، نہ عورت کو ایک سے
 زیادہ خاوند رکھنے کے حق سے محروم کیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں
 رکھنا چاہتا۔ تم علی جاؤ۔ تمہارے خاوند کو پہنچل گیا کہ تم یہاں ہو تو میری مصیبت
 آج جائے گی۔“

وہ یہاں نہیں ہے۔ فاطمہ نے کہا۔ پشاور مال لینے چلا گیا ہے وہ ایک مینٹے سے زیادہ عرصہ غائب رہے گا۔ مجھے ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن میں نے ایسی بیماری کا سہانہ بنایا کہ وہ گھبرا گیا۔ وہ دوسری بیوی کو ساتھ لے گیا ہے۔ جو کچھ تیرے من سال بڑی ہے۔ اس سے بڑی کہیں اور چلی گئی ہے۔ رات دیر سے آئے گی۔ وہ مجھے کہیں جانے سے نہیں روک سکتی اور میں اس کے راستے میں نہیں آتی۔۔۔۔۔ ہم نے مجھے مسلمان کہا ہے میں نام کی مسلمان رہ گئی ہوں میرا کوئی مذہب نہیں میرے باپ کا مذہب اور ایمان سونا چاندی ہے۔ اُس نے مجھے مذہب کے نام پر بچا ہے میری قیمت نقد وھول کر کے میرا نکاح پڑھوایا ہے۔ مجھے اپنے مذہب کے ساتھ کوئی دل چسپی نہیں رہی۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ عورت کو مرد کی تفریح کے لیے خرید کیا گیا ہے۔ میں ایک مرد کی تفریح کا ذریعہ بن گئی ہوں میں اسے اپنا حق سمجھتی ہوں کہ اپنی تفریح کا کوئی ذریعہ پیدا کروں۔ وہ ذریعہ تم ہو کیونکہ اپنی قیمتی ماگتے ہو کیا میں اس بندوڑ کی منتہی خوبصورت نہیں؟

میں ستارے خلافت کی قبیل میں سے نہیں بنوں — عمران بلاذری نے کہا —
مجھے ستارے حسن اور ستارے جسم کے ساتھ ذرا سی بھی دل چسپی نہیں۔ اگر میں ایسا

”میں تمہارا ساتھ مدوں گا۔ اس نے فاطمہ کے بازو سے آزاد ہو کر پرے
بہنے ہوئے کہا۔ ”لیکن اپنے خاوند کو اُس مذہب پر دینا جس روز میں کموں گا۔
اس سے پہلے میں کہیں اور ذلیلہ معاش کا انتقام کروں گا۔“
”دھوکہ تو سنیں دو گئے؟“
”نہیں۔“

”مجھے اپنے گھر آنے سے تو نہیں روکے گئے؟“
”نہ آؤ تو اچھا ہے۔ بلاذری نے کہا۔ ”کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے
کہ متار میرے ساتھ تعلق ہے۔“

فاطمہ مطمئن ہو کر چلی گئی مگر عمران بلاذری کا اس طرح گھٹ رہا تھا جیسے
اس کی گردن پھانسی کے پھندے میں آگئی ہو۔ فاطمہ رشی جیسی خوبصورت تھی، اور
دو جذبات کا آتش نشان پیدا تھی۔ اُس کے خاوند کا گھر اسی گلی کے آخر میں تھا جو
امیرانہ مشائخ کی حویلی تھی۔ فاطمہ نے عمران بلاذری کو اپنے گھر کے سامنے سے
گزرے کسی بار دیکھا تھا۔ اس نے کئی بار اس خوبصورت کو سلام کیا، پھر ایک
غریب سی عورت کی زبانی ملاقات کے لیے پیغام بھیجے تھے مگر عمران اس سے
پرہیز کر رہا تھا۔ آج رات فاطمہ نے ایک ہندو لڑکی کو عمران کے گھر سے نکلنے دیکھا
تو ثابت نے اسے اتنا دلیر بنا دیا کہ وہ عمران کے گھر آگئی۔ عمران کو یوں محسوس ہوا
جیسے دیکھے انکا دونوں پر سنگے پاؤں میں رہا ہو۔ فاطمہ نے اپنے خاوند کو زبردستی
کی تجویز پیش کی تو عمران بلاذری کو فرار کا راستہ نظر آگیا۔ اسے فاطمہ بتا چکی تھی کہ اس کا
خاوند ایک ماہ بعد آئے گا۔ بلاذری نے سوچا کہ آگے بڑھنا فاطمہ دھوکے میں
رہے گی۔

حقیقت یہ تھی کہ عمران بلاذری کو رشی جیسی تھی جیسی تھی مگر وہ اسے بار بار ملنے کو
بے تاب ہو رہا تھا۔ فاطمہ رشی کے کم خوبصورت سنیں بھی نہ کہیں یہ دل کا سامنا تھا مگر
فاطمہ چلی گئی تو بلاذری کے سامنے اپنا ترن آگیا۔ وہ جاسوسی کے لیے آیا تھا اور
اب تک اُس کا ہر وہ کام یا بے شمار راج محل کی فوجی نوعیت کی سرگرمیوں پر

ہوتا تو میں اس وقت دو سنیں تو ایک شادی ضرور کر چکا ہوتا میری نظر نہ اپنے
جسم پر ہے نہ متار کے جسم پر تم بھی جسم سے توجہ بنا لو۔ مسلمان کی دولت اس
کی روح ہوتی ہے روح کو پاک رکھو۔“

”تم پیچھے ہو۔“ فاطمہ نے کہا۔ ”ڈرتے ہو۔ اپنے آپ کو فریب دیتے
جو میرا جسم روح سے خالی ہے جو عورت نیلام ہو جاتی ہے اُس کی روح
مر جاتی ہے تم میری روح کو زندہ کر سکتے ہو۔“

”مجھ اپنے خاوند سے طلاق لو اور میری بیوی بن جاؤ۔“
”یہ ممکن نہیں۔“ فاطمہ نے کہا۔ ”میں متار کے ساتھ گھر سے بھاگ سکتی
ہوں نقد بھی ساتھ لاؤں گی، زیورات بھی۔ جہاں کسوں گے چلوں گی۔“ وہ اُس
کے قریب آگئی بائیں اُس کے گلے میں ڈال کر جذباتی اور محسوس آوازیں بولی۔
”تم میری زنجیروں سے نکل نہیں سکو گے۔ اپنے خاوند کے سوا میں کسی اور مزد
کے جسم سے واقف نہیں کرتیں میرے دل نے چاہا ہے میرا جسم بھی پیاسا ہے،
میری روح بھی پیاسی ہے۔“

”تم نفس کی آگ میں نہیں، انتقام کی آگ میں جل رہی ہو۔“ عمران نے کہا۔
”اس میں اپنے باپ کو جلاؤ جس نے نقدی لے کر تمہاری جوانی کے
خواب اُس جوں کا خاوند کے حوالے کیے تھے۔ پھر اس خاوند کو اس آگ
میں جھونکو۔“

”تم میرا ساتھ دو گئے؟“

”تم کیا کرنا چاہتی ہو؟“

”اپنے خاوند کو زہر دے دوں تو مجھے یہاں سے کہیں دور لے جاؤ گے؟“
”عمران بلاذری گہری سوچ میں کھو گیا۔ فاطمہ نے اُس کے سپلے ہر دھڑکے کا ایک
بازو اُس کے گلے میں ڈالا اور کال اُس کے گال سے لگا دیا۔ وہ تڑپ اٹھا جیسے
پتھر سے پسند کر لیا گیا ہو۔“

اچھی لگتی ہو۔
 "میں نے کل شمس بتایا نہیں تھا۔" رشی نے کہا۔ "میری شادی بھی ایک
 فوجی کے ساتھ ہوگی۔"

"جو غزنی پر حملے کے لیے جانے گا۔" بلذری نے کہا۔ "اور تمہاری زندگی
 اپنی بہن کی طرح حتمی چتا پر ختم ہو جائے گی۔"

"یہ لوگ عورت کو انسان کیوں نہیں سمجھتے؟" رشی نے رنجیدہ لہجے میں
 پوچھا۔ "انسانی قربانی لڑکی کی کیوں دی جاتی ہے؟ کسی مرد کو قربان کیوں نہیں
 کیا جاتا؟"

۵ "تمہارے مذہب میں ہزاروں سوالوں کا کوئی جواب نہیں۔" علان بلانڈی
 نے کہا۔ "میرے مذہب میں انسانی قربانی کا رواج نہیں۔"

"میں زندہ نہیں چلنا چاہتی۔" رشی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "میرے
 لیے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں، کوئی پناہ نہیں۔"

سیال سے بات چلی تو اتنی دور پہنچ گئی جہاں عمران اور رشی ایک ہوسکے۔ ان
 کی بحث روتوں تک اتر گئی۔ انیس یہ بھی احساس نہ را کہ رات کتنی گزر چکی ہے
 وہ اپنے منہ بھری بھی بھول گئے۔ عمران بلذری کو اپنے فرض کا بھی احساس نہ را۔
 رشی کو یقین ہو گیا کہ عمران اُسے پناہ میں لے لے گا۔ وہ جانے کے لیے یوں اٹھی
 جیسے جاننا چاہتی ہو کہ جانا تھا اور وہ چلی گئی۔

دو تین روز بعد رشی پھر عمران کے گھر گئی۔ ابھی بیٹھی ہی تھی کہ جگ موہن نے
 باہر سے عمران بلذری کو آواز دی۔

"سارا اُبھائی آیا ہے۔" عمران نے رشی سے کہا۔ "تم ساتھ والے کمرے
 میں چھپ جاؤ۔"

جب جگ موہن اس کمرے میں آیا، اُس کی بہن دوسرے کمرے میں جا
 چکی تھی۔

"تم نے مجھے گوشت کا ایسا عامی بنایا ہے کہ اپنے گھر کی سبزی ترک کر دی۔"

اُس کی نظر تھی کہ وہ سلطان بنگلیں تک کئی اہل امیں اور معلومات پہنچا چکا تھا۔ اُس
 نے جذباتی لحاظ سے اپنے آپ کو پتھر بنا رکھا تھا مگر رشی اور فاطمہ نے اُسے
 ایسا دھکے دیا کہ وہ جذبات کے سیلاب میں غوطے کھانے لگا۔ فرض اُس کے ہاتھ
 سے چھوٹا نظر آنے لگا۔ ہمالی میں اُس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت
 کوشش کی اور وہ سنبھل گیا مگر اُسے یہ خطرہ بھی نظر آنے لگا کہ یہ دو لڑکیاں آج رات کی
 طرح اُس کے پاس آتی رہیں تو وہ فرض کے راستے سے ہٹ جائے گا۔ اُس
 نے اس کا علاج یہ سوچا کہ وہ یہاں سے نقل مکانی کر جائے گا اور ان لڑکیوں کو پتہ
 نہیں چلے گا کہ وہ شہر کے کونے کونے کھد رے میں رہتا ہے۔ اُسے یہ
 موقع بھی کہ وہ کسی بھی روز لاہور سے غزنی چلا جائے گا۔

وہ آخر ان تک پہنچ نہیں تھا۔ انسانی فطرت کی اس سب سے بڑی کمزوری
 جیسے عورت کہتے ہیں پر قابو پانا اُس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ چمکی کے دیدہ پھروں
 میں اُگل گیا تھا۔

اچھی شام گری ہوئی تو رشی آگئی عمران بلذری گھر میں اکیلا تھا یہ اُن کی دوسری
 ملاقات تھی لیکن انیس یوں لگا جیسے وہ پہلی سے اکٹھے کھلتے جوان ہونے
 ہوں۔

"میں تم نے کہا تھا کہ میری لاش کو کبھی نہیں چلنے دو گے۔" رشی نے کہا۔
 "تم نے ایسے کیوں کہا تھا؟"

"کل تم یہاں اپنے بھائی کو دیکھنے آئی تھیں۔" بلذری نے رشی کے سوال
 کا جواب دینے کی بجائے پوچھا۔ "آج کیوں آئی ہو؟"

"شمس دیکھنے۔"

"کیوں؟"

"تم مجھے اچھے لگتے ہو۔"

"اچھے لگنے سے شادی لاش میں چلنے دوں گا۔" عمران بلذری نے کہا۔ "تم مجھے"

مانگتے ہو۔

”مجھے کچھ نہیں چاہیے فاطمہ!“

”تمہیں وہ ہندو اتنی چاہیے۔“ فاطمہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”وہ جو مسلمانوں کو آتی رہتی ہے۔ میں چاہوں تو تمہیں پکڑا سکتی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ یہاں ہندوؤں کا راج ہے جو مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں۔ ہتھاری چوڑی پکڑی گئی تو سیدھے قید خانے میں جاؤ گے۔“

”میں اس سے پہلے لڑکی سمیت غائب ہو جاؤں گا۔“ عمران بلاذری نے کہا۔ ”تم میرے پاس جو اُمید لے کر آئی ہو وہ پوری نہیں ہو سکے گی۔ رشی کے مقابلے میں میں تم بھیسی ہیں لڑکیوں کو دھتکار سکتا ہوں۔“

یہ عمران بلاذری کی بڑی خطرناک غلطی تھی۔ اُسے احساس نہیں تھا کہ تعاقب عورت کو چڑیل بنا دیا کرتی ہے۔ فاطمہ کے ساتھ جو غلط ہوا تھا، اس سے وہ باؤلی ہوتی جا رہی تھی۔ اُس نے شرم و حجاب اتار پھینکا تھا۔ وہ غصے سے چلی گئی۔

فاطمہ کو ہندو عورتوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ پنڈت راجہ جے پال کی فتح کی خاطر ایک کنبھاری لڑکی کی قربانی دے رہے ہیں لیکن انہیں اپنے مطلب کی لڑکی نہیں مل رہی۔ فاطمہ نے انکا دی بڑی مشکل سے گزارا۔ رات کو وہ مندر میں چلی گئی۔ اُس نے ہندو عورتوں سے باتوں باتوں میں مزہ لیا۔ خاکہ بڑا پنڈت کہاں رہتا ہے۔ وہ پنڈت کے پاس چلی گئی۔ پنڈت اُسے دیکھ کر حیران ہوا۔ اسے اپنے پاس نہ لیا۔ ”آپ لڑکی کی قربانی کب دیں گے؟“ فاطمہ نے پوچھا۔

”جب میں وہ خاص قسم کی لڑکی مل جائے گی۔“ پنڈت نے کہا۔

”تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

”میں آپ کی مدد کرنے آئی ہوں۔“ فاطمہ نے کہا۔ ”آپ کو علم نہیں کہ شکر کا تمام ہندو لڑکیاں مندر میں نہیں آتیں۔ میں آپ کو ایک لڑکی دکھائگی۔ مجھے ہمد

ہے کہ وہ قربانی کے لیے سوزوں ہوگی۔“ اُس نے رشی کے باپ کا نام لیا اور پوچھا۔ ”آپ نے اس کی بیٹی کو کبھی دیکھا ہے؟“

”میں نے تمہیں بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔“ پنڈت نے کہا۔ ”تم کس کی بیٹی ہو؟“

”میں مسلمان ہوں۔“ فاطمہ نے جواب دیا۔ ”اور ایک تاجر کی بیوی ہوں۔“

”تمہیں ہماری قربانی ادھارے مذہب کے ساتھ کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟“ پنڈت نے پوچھا۔ ”تمہارے دل میں جو کچھ ہے وہ بتاؤ۔“

یہ مندر کے ساتھ ملا ہوا ایک کمرہ تھا۔ کسی مسلمان کو مندر کے اندر قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ کوئی مسلمان کسی ہندو کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ مسلمانوں کو ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ مگر پنڈت کو جب فاطمہ کے متعلق پتہ چلا کہ وہ مسلمان ہے تو اُس نے اُسے گھر سے نکالا نہیں۔ وہ چونکا اور ہکا بھی نہیں۔ وہ جان گیا کہ یہ جواں سال اور حسین لڑکی اور مقصد کے لیے آئی ہے۔ پنڈت گھاگھ اور فرحان آدمی تھا۔ اُس نے فاطمہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ تمہارے دل میں جو کچھ ہے بتا دو۔

فاطمہ تجربہ کار اور فرحان نہیں تھی۔ وہ فوراً ثابت اور اپنی توہین کی آگ میں جل رہی تھی۔ اُس کی عقل پر شیطانی قوتیں قابض تھیں۔ وہ اپنے ماں باپ سے اپنے خاوند سے رشی سے اور عمران بلاذری سے انتقام لینے رہی ہوئی تھی۔ اُس کی تمام رزق ریزی توہین بھوت کے مذہب کی طرح تیار اور مستعد ہو گئی تھی۔ اُس نے پنڈت کے سوال کے جواب میں اپنے کپڑوں کے اندر سے ایک پونلی نکالی اور پنڈت کے آگے رکھ کر کھول دی۔ اس میں سونے کے چند ایک سکہ تھے۔ اُس نے پنڈت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

”میں نے جس لڑکی کا نام لیا ہے اس کی آپ انسانی قربانی دے دیں۔“ فاطمہ نے رازدار سی کے لہجے میں کہا۔

”اگر یہ لڑکی ہمارے مطلب کی نہ ہو تو“

”وہ کنواری ہے۔“ فاطمہ نے کہا۔ بہت خوبصورت ہے۔ عمر سولہ ستر سال

بچہ مگر وہ قربانی کے مطلب کی نہیں تو کبھی اس کی قربانی دے دیں۔“

”ہمارے مذہب میں دخل اندازی نہ کرو لڑکی۔“ پنڈت نے بھی منسوب

کے رعب سے کہا۔ ”ہم ایک خاص قسم کی لڑکی کی تلاش میں ہیں۔“

”پنڈت جی مہاراج اُ۔۔۔“ فاطمہ نے کہا۔ ”کبھی مذہب انسان کی قربانی

کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ رسم مذہب کے اُن ٹھیکیداروں نے شروع کی ہے۔

جو اپنے مہاراج کو خوش کر کے انعام داکرا لے کر لیتا چاہتے ہیں اور جو لوگوں پر یہ

ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خدا اُکل اور دیوتاؤں کے خاص درباری ہیں اور وہ

جس کسی کی بھی جان لینا چاہیں لے سکتے ہیں۔ آپ لوگ اپنے آپ کو عام انسانوں

سے بہت اونچا رکھتے ہیں۔“

”میرے مذہب کی توہین نہ کرو لڑکی۔“ پنڈت نے دے دے دے غصے

سے کہا۔ ”تم نہیں جانتی کہ اس کی سزا کیا ہے۔“

”میں صرف آپ کے مذہب کی بات نہیں کر رہی مہاراج اُ۔۔۔“ فاطمہ

نے کہا۔ ”میرے مذہب میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ صرف انسانی قربانی نہیں دی

جاتی جہاں تک ہمارے اماموں اور مولویوں کا تعلق ہے، وہ آپ کی طرح مذہب

کی ٹھیکیداری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اپنی آواز کو خدا کی آواز کہتے ہیں۔ اپنی خواہشات

کو خدا کا حکم بتاتے ہیں، اور اپنے آپ کو عام انسانوں سے بہت بلند خدا کے

قریب سمجھتے ہیں۔ اس طرح مذہب کی اصلیت پر پردے پڑے رہتے اور

انسان بھٹکتے پھرتے ہیں۔۔۔ پنڈت جی مہاراج اُ آپ نے اپنا جو بیٹا بنا رکھا ہے

اس سے نیچے آئیں۔ مجھے اس مندر کے کچھ ایسے راز معلوم ہیں جو آپ سمجھتے ہیں

کچھ کسی کو بھی معلوم نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جسے نرم آواز ہے یا چوٹ لگتی ہے، وہ درد

سے کراہتا ہے اور اُس کے کراہنے کو وہ لوگ سن لیتے ہیں جن کے کان ہوتے ہیں۔

”تم نہیں جانتی کہ اب پنڈت کے لیے میں رعب کی بجائے اپنائیت کی جگہ بن گئی۔“

”اُ۔۔۔ اس عمر میں تم ایسی باتیں کرتی ہو جو پختہ عرصے میں بھی نہیں سوچی جاسکتیں۔“

”میرے دل کے زخموں نے مجھے پختہ کار بنا دیا ہے۔“ فاطمہ نے جواب دیا

”یہ میری عقل کی نہیں میرے دل کی آواز ہے میرا دل کراہ رہا ہے سیکیاں

لے رہا ہے۔“

”وہ کوئی راز نہیں جو تم جانتی ہو؟“

”ایک یہ کہ میں حسین اور نوجوان نہ ہوتی تو آپ اتنا ہی سن کر کہ میں مسلمان ہوں مجھے

دھکے دے کر اس کمرے سے نکال دیتے۔ مگر بے کو دھکاتے، یہاں لوہاں جلاتے،

بھجن گاتے، تب یہ کمرہ پاک ہوتا، مگر مجھے دیکھ کر آپ بھول گئے کہ مسلمان ناپاک ہوتا

ہے۔ آپ نے سونے کے سکوں کو اٹھا یا نہیں پھینکا۔ آپ کی زبان میں اور آپ

کے الفاظ میں پنڈت موجود ہے مگر جن آنکھوں سے آپ مجھے اور سونے کے

ان سکوں کو دیکھ رہے ہیں، ان سے پنڈت غائب ہو چکا ہے۔ آپ کی آنکھوں

میں مجھے اپنا خوف دکھائی دے رہا ہے۔ اُس نے میرے باپ کے ساتھ میرے

حسن اور میری جوانی کا سودا کیا تھا میں کئی بڑی چیز ہوں میں اب سودا کرنے سے

نہیں ڈرتی۔ اپنے دل کی مراد کی خاطر میں سودا کرنے آئی ہوں۔“

”تم راز کی بات کر رہی تھیں۔“

”دل پر ہاتھ رکھیں اور سنیں۔“ فاطمہ نے کہا۔ ”آپ کو انسانی قربانی کے لیے

خاص قسم کی لڑکی صرف اس لیے نہیں مل رہی کہ آپ نے دو دولت والوں کی بیٹیوں

پر ہاتھ رکھا لیکن زرد جو اہرات کے کا آپ نے ان سے ہاتھ کھینچ لیا میرا خاوند

بہت بڑا تاجر ہے۔ وہ نام کا مسلمان ہے۔ وہ اپنے مذہب کا صرف ایک اصول

جانتا ہے کہ ایک مسلمان بیک وقت چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا

اور اس کا دوستانہ ہندوؤں کے ساتھ ہے۔ اُسے بہت سچی باتیں معلوم ہیں۔۔۔ میں

اپنے ایمان کو ایک طرف رکھتی ہوں۔ آپ اپنے دھرم کو اس دواڑے سے باہر

نکھ دین سونے کے ٹکڑے گن لیں، اور سودا کریں کچھ اور چلے تو بتادیں۔“

پنڈت کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آگئی جیسے بھڑکنے لگا۔

• اپنا وعدہ یاد رکھنا۔ فاطمہ نے کہا۔

عمران بلاذری کا خون کھونٹے لگا۔ وہ کچھ بھی نہ بولا اور چل پڑا۔ راج محل کے احاطے میں جا کر وہ اسی کمرے میں گیا جہاں غزنی کے دو قیدی نظام اندیزی اور تاسم لہنی کو رکھا گیا تھا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، ان کے ہاتھ پاؤں کھڑے تھے۔ کمرہ کھلا تھا۔ کمرے کے باہر اور عقب میں دو چار ستری موجود رہتے تھے۔ چونکہ راجہ جے پال ان سے راز کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اس نے انہیں قیدیوں کی طرح زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں نہیں رکھا تھا۔ ان کی خاطر قلعہ کا ایسا انتظام تھا جیسے شاہی مہمانوں کا ہوتا ہے۔ ان کے مطالبہ پر کمران کے کھانے پینے کا انتظام کوئی مسلمان کرے، یہ انتظام عمران بلاذری کے ہاتھ میں تھا۔ عمران بلاذری ان کے فرار کا بندوبست بھی کر رہا تھا۔ دشواری صرف یہ تھی کہ وہاں ستری موجود رہتے تھے۔ عمران غزنی کے ان دونوں قیدیوں سے کہتا رہتا تھا کہ وہ راجہ کو جھوٹا نوٹ راز کی باتیں بتا کر اس کا اتنا اعتماد حاصل کر لیں کہ وہ ان کے کمرے کے پرے سے ستریلوں کو ہٹا دے۔

نظام اندیزی اور تاسم لہنی نے سوچ لیا تھا کہ وہ راجہ جے پال کو کیا بتائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ وہ راجہ کو پیش کش کریں کہ دونوں اس کی فوج میں ہیں۔ عسکری اور پوری مسامت اور وفاداری سے اس کی فوج کو غزنی کی فوجی قیادت کی جنگی جہازوں کے مطابق ٹریننگ دیں گے۔ اس طرح فرار کی صورت پیدا ہو سکتی تھی۔ مگر راجہ جے پال لاہور سے غائب ہو گیا تھا۔ وہ اپنی شکست کو فتح میں بدلنے کے لیے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ وہ نئی فوج تیار کر رہا تھا اور پڑوسی ریاستوں سے بھی فوج اکٹھی کرنا پھر رہا تھا۔ اسے غزنی پر حملہ کرنا تھا۔

اُس روز عمران بلاذری غزنی کے دونوں قیدیوں کے کمرے میں گیا تو وہیں اس نے دونوں پر زبردیا کہ وہ راجہ کو گمراہ کریں اور اس کے منظور نظر بن جائیں۔ وہ جس وقت ان کے ساتھ باتیں کر رہا تھا، اُس وقت اس کی محبت پر موت چھٹ رہی تھی۔ رات فاطمہ نے پورا انتظام کر دیا تھا۔ رشی اپنے گھر میں تھی۔

شکار دیکھا گیا ہو۔ یہ خندہ دندان نہ تھا۔ وہ فرش پر بیٹھا تھا۔ فاطمہ اس کے سامنے دو ہاتھ دُوبیٹھی تھی۔ پنڈت، اہل فاطمہ کی طرف بڑھا اور اس کے ہاتھ کو دلہنچ لیا۔ پنڈت کے دوسرے ہاتھ نے سونے کے سکوں والی پونلی اپنی طرف سرکا کر گھٹنے کے نیچے کر ل۔ فاطمہ نے اپنا ہاتھ پنڈت کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

• میں کیسے یقین کر سکتی ہوں کہ میرا کام ہو جائے گا اور میرے ساتھ دھوکہ نہیں ہوگا؟

• تم اس لڑکی کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہو؟ پنڈت نے ایسے لمبے میں کہا جو گناہ کے تصور سے شرابی کے قدموں کی طرح ڈگمگا رہا تھا۔ ہٹ جائے گی۔

• اگر اس کے ماں باپ نے آپ کی منہی گرم کر دی تو کیا ہوگا؟

• وہی ہوگا جو تم چاہتی ہو۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ پنڈت نے ایک ٹانگ لپی کہ اسے ایک کواڑ بند کر دیا۔ فاطمہ نے ہاتھ لبا کر کے دوسرا کواڑ بند کر دیا۔ رات خاموش تھی۔ مندر میں رکھا ہوا اندر کا بیت خاموش تھا۔ پنڈت کے کمرے میں رکھی ہوئی سوتیلیاں خاموش تھیں۔ کچن سردار کی مڑی خاموش تھی۔ مندر کا سنگھ خاموش اور گھنڈیاں خاموش تھیں۔ رشی اپنے گھر اور عمران بلاذری اپنے گھر گری زمیند سوئے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو خواب میں دیکھ رہے ہوں گے۔

مند میں ان کے خوابوں کا سودا طے ہو چکا تھا۔

اگلے دن کا سورج ابھی ابھی طلوع ہوا تھا۔ عمران بلاذری کچھ دیر پہلے گھر سے اپنے کام کو جانے کے لیے نکلا تھا۔ وہ فاطمہ کے خانہ مکس محل جیسی جوتی کے سامنے سے گزرا تو محل میں کی ادٹ سے اُسے فاطمہ کی سرگوشی سے فدا ہی بلند آواز سنائی دی۔ • عمران۔ وہ رگ گیا۔ محل سے جھانکتا ہوا فاطمہ کا چہرہ نظر آیا۔ اس چہرے میں اُسے کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔

جائے گی..... یہ بیٹی ستاری نہیں یہ دیوی کی امانت ہے۔ ہم اسے لے جائے ہیں۔

رشی کو گھسیٹ کر ہانگی میں دھکیلا جا رہا تھا اور وہ روتی چلاتی اور آواز دہونے کی کوشش کرتی تھی۔ ہندوؤں کے ساتھ آئے ہوئے ایک آدمی نے رومل جتنا ایک کپڑا رشی کی ناک اندر منہ رکھ کر ہاتھ دیا۔ رشی تڑپا اور فریادیں اسی کا جسم ساکن ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور اس کا سر ڈوبنے لگا۔ اُسے ہانگی میں ڈال دیا گیا پھر جس طرح یہ جلوس سکھ اور گھنٹیاں بجاتا آیا تھا۔ اُسی طرح واپس چلا گیا۔

پہلے کے لوگ رشی کے ماں باپ کو مبارک دینے لگے کہ دیوی نے اُن کی بیٹی کی قرانی قبول کی ہے۔ مذہب کے گنہگار رشی کے ماں باپ کو رشکسکی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے مگر جن کی اتنی پیاری بیٹی کو ہندوؤں کے گرنے کے لئے گئے تھے۔ ان کے دلوں کا حال کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کے کانوں میں ابھی اُس میٹی کی تمغیں گونج رہی تھیں جسے چند دن پہلے اس کے خاندان کے ساتھ زہم جلا دیا گیا تھا۔

شام کے بعد عمران بلاذی گھر آیا تو تھوڑی ہی دیر بعد جگ موہن آگیا۔ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ اُس نے تیلاک رشی کو ہندوؤں کے لئے گئے ہیں۔ بلاذی کو تو جیسے کہتے ہو گئے ہو گئے۔ اُس نے بتایا کہ ہندوؤں کو کسی نے بتایا کہ رشی مندر میں نہیں جاتی اور یہی لکی قرانی کے لیے موزوں ہے۔

”میں معلوم کر سکتے ہو کہ اسے کہاں رکھیں گے۔“ عمران بلاذی نے پوچھا۔
”اب اس کی جان کی قرانی کب دیں گے؟“ یہ معلوم کر دیکھ موہن اُن سے پچانے کی کوشش کروں گا۔“

”اُسے بڑے مندر میں ہی لے گئے ہوں گے۔“ جگ موہن نے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ انسان کی قرانی لوں میں دی جاتی ہے کہ کسی کو کپڑا اور اسے مار ڈالا۔ اُسے اہوت دن ہندو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اُسے پاک کرتے ہیں تیار کرتے ہیں اور مظلوم نہیں اس پر کیا عمل کرتے ہیں کہ وہ اپنی زبان سے کہنے لگتا ہے کہ مجھے دیوی

گھر میں تمام افراد موجود تھے۔ انیس سکھ اور گھنٹیوں کی آواز سنائی دی۔ گلی میں بھاگتے ہوئے تھوڑے عرصوں کی دھمک دھمک بھی سنائی دی۔ بچوں کا شور مچا بھی سنائی دیا۔ رشی کھلی کھلی ہی تھی۔ وہ بھی تماشہ دیکھنے باہر کو بڑھی۔ گلی میں ایک جلوس آ رہا تھا جس کے آگے آگے بڑے مندر کا بڑا ہندو تھا۔ اُس کے ہاتھ میں چھوٹی سی ایک گھنٹی تھی جو وہ بجاتا آ رہا تھا۔

اُس کے پیچھے چار پانچ ہندو ان کے ہاتھ تھے۔ وہ سکھ اور گھنٹیاں بجاتے تھے۔ ان کے پیچھے ایک خوشنما لکی تھی جو چار آدمیوں نے اٹھا رکھی تھی۔ ہندو بھجن گنگناٹے آ رہے تھے۔ ان کے جلوس کے پیچھے تماشائیوں کا جلوس تھا۔ رشی اپنے سواڑے میں کھڑی دیکھ رہی تھی۔ بڑا ہندو اُس کے قریب آ رہا تھا۔ اُس کا نام پوچھا۔ تب رشی بگھڑاٹ طاری ہوئی اور اُسے یاد آ گیا کہ اس کے باپ اور اس کے بھائی نے اسے ہندوؤں کی نظروں سے بچا کر رکھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا نام نہ بتایا۔

”اس کا نام رشی ہے۔“ جانتے یہ کس کی آواز تھی۔
رشی کی ماں اُس کا باپ اور بھائی بھی باہر آ گئے۔ رشی پیچھے ہٹنے لگی۔ ہندوؤں کے چہرے پر حیرت اور مسرت کا اثر تھا۔ رشی اُس کے قصصوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔
”انہما دیوی نے اسی کو مانگا ہے۔“ ہندو ہندو نے کہا۔

”نہیں مہاراج! رشی کی ماں چلاتی ہوئی آگے آئی اور ہندوؤں اور اپنی بیٹی کے درمیان کھڑی ہو کر بول رہی وہ لکی نہیں ہے۔ جسے آپ دھونڈ رہے ہیں۔“
رشی اپنے سواڑے کے طرف پیچھے ہٹنے لگی۔ ایک ہندو نے آگے بڑھ کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔ بڑے ہندو نے ہانگی آگے لانے کو کہا۔ ہانگی آگے لاکر کھ دی گئی۔

”یہ حکم دیوی کا بھی ہے۔“ بڑے ہندو نے کہا۔ انہما دیوی نے جس کمنواری کینا کو مانگا ہے وہ جس گھر میں اُس گھر پر تمام دیوی دیوتاؤں کا تمنا نل ہوگا۔ اُسے جن ماں نے ہم دیا ہے وہ ماں کو رشی ہو کر آ دیوی سے دھمکائی

عمران بلاذری نے کہا: میں تبارے دیوتاؤں کو شکست دینا چاہتا ہوں۔ میں
بھولوں کے منہ سے شراب چھیننے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ اس کی خاطر میں جان دینے کو تیار
ہوں۔ میں تبارے راجا کو بتاؤں گا کہ پھر کے خدا، مسلمان کے بچے خدا کے سامنے بے جاں
پھرے بڑھ کر کچھ بھی نہیں... ہم چلے جاؤ جگ موہن! اسلام کی نیند سو جاوے۔

جگ موہن چلا گیا۔ عمران بلاذری کی جذباتی کیفیت آگ کی مانند تھی جیسے اس
کے اندر آگ بھڑک اٹھی ہو۔ پہلے وہ غزنی کے دو جنگی قیدیوں کو فرار کرانے کی نیکوئی
سوچتا رہتا تھا۔ ان کے فرار کو وہ صرف اس لیے ضروری نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تہ
نے نکل جائیں بلکہ اس لیے کہ راجا جے پال ان کی خاطر و علمات سماںوں کی طرح کرنا
تھا۔ بلاذری کو ایک دو دنوں سے خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ ادیری اور لہری جو ان ہیں
اور راج محل میں ایسی ایسی خوبصورت اور شوخ لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک بھی
ان دونوں کے کمرے میں داخل کر دی گئی تو دونوں اپنے ملک اور اپنے مذہب کو
بھول جائیں گے اور اس کا نتیجہ ہو گا کہ وہ راجا کی فوج کے ہوس کے رہ جائیں گے اور
غزنی کی فوج کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔

عمران بلاذری ان کے فرار کے لیے پریشان ہوا تھا مگر اس کے ساتھ ہی رشی
کافر بھی اس کے کندھوں پر آ بیڑا۔ وہ رشی کو دل میں بپا چکا تھا۔ اس طرح یہ اس کے
لیے ذاتی جذبات کا مسئلہ بن گیا تھا مگر اس کے ساتھ ہی اسے اُس نے ایک چیلنج بنایا
جیسے ہندوؤں کے دیوتاؤں نے مسلمان کے خدا کو لاکاراجو۔ اس طرح اسے اُس نے
مذہب کا معاملہ بنالیا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو گیا۔ وہ کمرے میں شلوار پہنچتا
رہا حتیٰ کہ اس کا داغ تھک گیا۔

اس نے اوپر دیکھا اور اس جذباتی کیفیت میں اسے ایسے لگا جیسے چھت میں
ایک تار چکا ہو۔ اس کے ہاتھ ٹٹا کے لیے اٹھ گئے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔
پھر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اُس کی زبان اپنے آپ چل پڑی۔
”خداے خدا بھلا! میں جو کچھ کر رہا ہوں، ترے نام پر کر رہا ہوں۔ مجھے ہمت اور
استقامت عطا فرما کہ میں کفر کی اس دھرتی پر ثابت کر سکوں کہ تیرا نام برحق ہے، اور تیری

کے چرنوں میں قربان کر دو... میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا مگر تم اسے بچائیں سکو
گے۔ اگر سچا لاؤ گے تو ہم اُسے اپنے گھر میں نہیں رکھ سکیں گے۔ اُسے پھر لے جائیں
گے، اور تبارے ساتھ تبارے لیے بھی محبت آجائے گی۔“ وہ دھڑکن
مار مار کر رونے لگا۔ ذرا سنبھلا تو بولا: ”میں اس ملک سے نکل جانا چاہتا ہوں۔
مجھے اپنے مذہب سے گھٹن آنے لگی ہے۔“

”تبارے مذہب میں گھٹن کے سوا ہے ہی کیا؟“ عمران بلاذری نے کہا
— ”اپنی مذہبی کتابیں پڑھ کر دیکھ لو۔ جنگوت گیتا، رامائن اور مابھارت پڑھو یہ
ضیقت اور بربریت سے بھری پڑی ہیں۔ ان میں غمگینی اور دھوکہ دی کو جائز قرار
دیا گیا ہے۔ دیویاں اور دیوتا جنسی اختلاط کرتے دکھائے گئے ہیں۔ ان کتابوں میں
ایک سے ایک شرمناک بات بھی ہے عورتوں اور بچوں کے قتل کو جائز قرار دیا گیا
ہے۔ اگر تباری سن کو فراتقل کر دیں تو زیادہ اچھا ہے میں جانتا ہوں وہ جب تک
زندہ رہے گی ہیننت اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟“

جگ موہن کی آنکھیں کھل گئیں۔ اُس کا چہرہ لال ہوتا چلا گیا۔

”تم اپنے پتھر کے خداؤں سے ڈرتے ہو؟“ عمران بلاذری نے کہا۔ ”تم ان کا
ساتا کرنے سے گھبراتے ہو؟ میں مسلمان ہوں۔ مجھے ان کا کوئی ڈنٹ نہیں۔ میں تباری
دیویوں اور دیوتاؤں سے تباری بن بھین لاؤں گا۔ اگر میں کلیسا بن گیا تو تباری بن
بھی اور تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔“

”کہاں؟“

”یہ اُس وقت بتاؤں گا۔“ عمران بلاذری نے کہا۔ ”لیکن تم دونوں کو میرا مذہب
قبول کرنا پڑے گا۔“

”مجھے منظور ہے۔“ جگ موہن نے کہا۔ ”میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم
ہم دونوں کیریاں سے کیس دورے جاؤ تو ہم مسلمان ہو جائیں گے، اور رشی متلدی
بیوی ہوگی۔“

”لیکن میں رشی کو اس لالچ پر نہیں پہنچاؤں گا کہ اسے اپنی بیوی بناؤں گا۔“

ذات بھی تھی۔ میں کوئی گناہ نہیں کر رہا میری نیت میں گناہ تھا تو غافلہ مجھ سے اندر
ہو کر نہ جاتی تو دیکھ رہا تھا کہ اس دلکش لڑکی نے مجھے کیسے کڑے امتحان میں ٹال دیا
تھا اور میں کس طرح اس میں ٹوٹا اتر رہا تھا مجھے روشنی دکھا میرے پردہ نگار! میری مدد
کر اگر میں اپنی ذات کے لیے کچھ کر رہا ہوں تو صریح جان لے لے مجھے گناہ کے لیے
زندان نہ پہنچے۔ اپنے نام کی لاج رکھ لے خدا نے وعدہ اٹھایا!

اُس نے سبز پر ہاتھ پھیرے تو اس کا ذہن خالی ہو گیا۔ وہ سر جھکا کر کھڑا رہا اچانک
اس کے ذہن میں جھلکا سا اٹھا۔ وہ بہت تیزی سے کڑی کے کس تک گیا۔ کب کھولا اور
اس میں سے خنجر نکال کر اپنے کڑے کے نیچے ناف میں اُڑس لیا۔ وہ اٹھا اور بائبل لیا۔

اُس کی چال ایسی تھی جیسے اس کے قدم خود بخود اٹھ رہے ہوں اور اُس
کا سامع کسی اور طرف جارہا ہو۔ وہ گلیوں کے موڑ پر گیا، حتیٰ کہ گلیاں ختم ہو گئیں۔ وہ
دروختوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ وہ مک گیا اُس نے گڑی کھول کر اس طرح
باندھ لی کہ اس کا چہرہ بھی ڈھانپا گیا۔ وہ چل پڑا۔ اندھیرے میں بھی اُسے منہ دکھائی
دے رہا تھا۔ وہ جاسوس تھا۔ اُسے شہر کے کوئے کھدے سے واقفیت تھی۔
اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ بڑا پنڈت مندر کے ساتھ رہتا ہے۔ رشی ہیں جو سکتی تھی۔

عملانِ ملذذی رگ گیا اور کچھ سوچا اس نے فیصلہ کر لیا کہ رشی اس سے ملے
آگئی تو وہ واپس اپنے گھر نہیں چلے گا۔ سب سے پشاد کا رخ کر لے گا۔ اُس
نے ایک ہی قدم اٹھایا تھا کہ لڑکیوں نے گناہ جیسے کسی غیر رتی انسان نے اس کے سینے پر ہاتھ
رکھ کر رک لیا ہو۔ اسے نظام اور ریزی اور قیام یعنی کا خیال آ گیا اور اس کے ساتھ
ہی یہ سرنج بھی میار ہو گئی کہ رشی کو بھگالے جانا اس کی اپنی ذات کے لیے ہو گا۔ اُس
کا اصل رن ان دونوں قیدیوں کو رہ کرانا تھا۔

وہ پریشان ہو گیا اور آہستہ آہستہ مندر کی طرف بڑھنے لگا۔ اُسے یہ احساس ہو
گیا کہ اُسے افسوسناک لگتی ہے۔ وہ دبے پاؤں چلتا مندر تک پہنچ گیا۔ اندر اندر رہا تھا
وہ گھوم کر ادھر گیا جہر پنڈت کا گھر تھا۔ یہ مندر ہی کا حصہ تھا۔ وہ دفنانے سے چند قدم

مندر تھا کہ دروازہ کھلا۔ کمرے کی روشنی باہر آئی، اداس روشنی میں اُسے ایک عورت
اندھے سے نکلتی دکھائی دی۔ پنڈت بھی باہر آ کر بلندی میں بیٹھ گیا۔ دلی درخت اصر پوے
تھے۔ وہ پاؤں پر سر کتا آگے ہوا اور ایک پوے کی اوٹ میں آ گیا۔ اس نے عورت
کو پہچان لیا وہ غافلہ تھی۔

اب اطمینان سے جاؤ پنڈت نے اُسے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا۔ تھارا
کام ہو گیا ہے۔

اگر میں اُسے یہاں دیکھ لیتی تو مجھے اطمینان ہو جاتا کہ میرا کام ہو گیا ہے۔ غافلہ
نے کہا۔ دیکھیں، میں آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو کسی قیمت دے رہی ہوں۔
— تو تم پھر اسی وہم میں رہ گئی ہو۔ پنڈت نے کہا۔ اُسے میں یہاں نہیں رکھ سکتا
تھا۔ اُسے ٹیلوں کے مندر میں پہنچا دیا ہے۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ اُسے کل ہی ختم کر دیا
جائے تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ہمارا ایک خاص طریقہ ہے۔ یہ قرانی پہلی ہر شیں وی
جاری ہیں رشی زندگی میں ایسی چار ٹکیوں اور دو بچوں کی قرانی دے چکا ہوں۔ اس لڑکی
کو ہم حکم از حکم ایک چاند ٹیلوں کے مندر میں رکھیں گے۔ اسے اس طرح تیار کریں گے۔
کہ اس کی جون ہی بیل جلے گی، پھر اپنی زبان سے کہے گی کہ مجھے قرانی کر دو یہ اپنا
زبان سے قرانی کا مقصد بیان کرے گی۔ میں نے تیار مقصد پورا کر دیا ہے۔ وہ

فاطمہ کے پیچھے چلا گیا۔ آگے درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ عمران فاطمہ کی دلیری پر حیران ہو جا رہا تھا۔ اُس کے غصے کا یہ عالم تھا کہ وہ اُسے قتل کرنے پر تیار ہو گیا لیکن اُس نے اپنے آپ پر تباہ پایا۔ فاطمہ بہت تیز چلی جا رہی تھی۔ اصطبلان بلاذری اسی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ وہ اس کے قریب ہو گیا۔ فاطمہ رگ گئی۔

”سنا رہا ہوں مقصد پورا نہیں ہو گا فاطمہ!۔“ عمران نے اُسے کہا۔ ”تم نے اس رگ کو اپنے راسے سے جٹانے لاجوا دھچھا طریقہ استعمال کیا ہے۔ اس کی سزا تم اسی دنیا میں بھگتو گی۔“

”اوہ...“ فاطمہ گھبرا گئی اور بولی۔ ”میں ڈر گئی تھی کہ کوئی اور ہے۔ تم کہاں سے آ رہے ہو؟“

”جہاں سے تم آ رہی ہو۔“ عمران نے کہا۔ ”میں چاہوں تو تیس تیس قتل کر سکتا ہوں۔ تمہیں غائب کر سکتا ہوں۔ ہمنارے خاندان کو بتا سکتا ہوں کہ تمہاری کثوت کیا ہے کیا تم اس طرح مجھ پر قبضہ کر سکو گی؟“ فاطمہ تو جیسے مری گئی تھی۔

”ہلو ہلو جواب دو۔“ عمران بلاذری نے گرج کر کہا۔

”ایک ہند رگ کی لیے تم اتنا پریشان ہو رہے ہو؟“ فاطمہ نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

”میری بات غصہ سے نہ سُنو۔“ عمران نے کہا۔ ”پھر کبھی تم اس مندر میں آئیں تو زندہ واپس نہیں جاسکو گی میرے گھر میں آؤ گی تو تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی میں تیس گھر سے باہر نہ دیکھوں۔ اگر تم نے اس پندت کو یا کسی اور کو بتا دیا کہ میں تیس میناں ملا تھا تو تمہارا انجام بڑا ہی بھیانک ہو گا۔“

”میں نے جو کچھ کیا ہے تمہیں حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔“ فاطمہ اس کے پاؤں میں گر پڑی۔ ”میں نے تمہاری ذات میں اپنی نجات دیکھی تھی میرا خیال تھا کہ ہندوؤں کو تم نے اپنی آخرت کا زریعہ بنا رکھا ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم اس کے

اتنے دیوانے ہو۔“

”میں اس سے غائب ہو جاؤ۔“

”مجھے بخش دو عمران! فاطمہ نے روتے ہوئے کہا۔ ایک ہندو لڑکی کی فاطمہ کی غلام مسلمان لڑکی کو زندہ دکھا کر۔“

”تم غلام نہیں ظالم ہو۔“ عمران بلاذری نے اُسے اتنی زور سے ٹوک ماری کہ وہ پیچھے گھڑ گئی۔ ”میں تمہیں بخش سکتا ہوں، تمہیں خدا نہیں بخشتے گا۔ تم تڑپ تڑپ کر مری ہو جاؤ۔“

عمران اُسے زمین پر مینا بھڑک چل پڑا۔ بھتوزی ہی فورگیا ہو کر اُسے فاطمہ کی قبر میں سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی فاطمہ نے اُسے پکارا۔ ”عمران!“

عمران بلاذری رگ گیا۔ فاطمہ وہی آ رہی تھی۔ عمران کی ناگوں سے بیٹ گئی۔ اُس کا جسم غائب رہا تھا۔ بولی۔ ”مجھے گھر پہنچا دو۔“ اور آتا ہے۔ میں نے بے باک کچھ دیکھا ہے۔ کئی چیز تھی۔ روشنی ہوئی تھی۔ اس میں مجھے روشنی نظر آئی اور روشنی کے ساتھ ہی غائب ہو گئی۔ تم نے روشنی دیکھی تھی اب بکلی ہو گئی تھی۔“

”ایک عورت کو اس شہنشاہ میں دلاتے مجھے شرم آتی ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”لیکن یہ جان لو کہ بے گناہ لڑکی کا خون تم پر اسی طرح بکلی کہ ذریعہ نکلتا۔“ درکنہ اسے گا۔ ”مجھے میرے گھر پہنچا دو۔“ فاطمہ نے خفہ سے، فاطمہ نے مٹی آواز میں کہا۔

”میں ایکلی نہیں سچ سکوں گی۔ مجھ پر رحم کرو عمران!“ عمران اُس کے ساتھ چل پڑا۔ فاطمہ نے اُس کا ایک بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ فاطمہ سے بوسے پکے کی طرح ادھر ادھر دیکھتی اور دلتی جا رہی تھی۔ تمام راستہ عمران خاموش نظر۔ فاطمہ کہتی، چونکتی اور کانپتی رہی۔ اس کا گھر آ گیا تو عمران رگ گیا۔

”میں کیا کروں عمران! فاطمہ نے اس طرح پوچھا جیسے سچ ٹھنڈے سے اس کے دانت خار رہے ہوں۔“

”گناہ کا کفارہ ادا کرو عمران نے کہا۔“

جب امامہ کو لگی تو بھجے بتانا۔ عمران نے کہا۔ ”میں کوئی طریقہ بتاؤں گا۔ اب چلی جاؤ۔“

عمران اپنے گھر کو چل پڑا۔

جاتی ہے اور وہ اسلام قبول کرنے کو تیار تھی مگر ہندوؤں نے اُسے اپنا قریبی لے ختم کر لیا ہے۔ بلاذری نے انہیں یہ بھی بتلایا کہ وہ ان دونوں کو لاہور سے نکال دے گا لیکن اس لڑکی کو ہندوؤں کے خٹکے سے ضرور آزاد کرائے گا۔ وہ اسے بھی اپنا فرض اور صلہ سمجھتا تھا۔

کمرے کے ستری ہٹائے جا چکے تھے۔ عمران بلاذری نے اُسی رات انہیں فرار کرانے کا ارادہ کر لیا۔

عمران ان کے لیے رات کا کھانا معمول سے کچھ دیر بعد لے گیا کچھ وقت ان کے پاس بیٹھا رہا، پھر برتن اٹھائے راج محل کے محافظوں وغیرہ کے سامنے گزرا کہیں رکا کہیں گپ شپ لگائی اور سب کے سامنے یوں باہر نکلا جیسے اپنے گھر کو چلا گیا ہو مگر وہ صرف باہر نکلا تھا گھر نہیں گیا تھا۔ وہ اُس طرف چلا گیا جہاں باغ تھا۔ وہاں رات کو کوئی نہیں جوتا تھا۔ باغ اور راج محل کے احاطے کے درمیان دیوار تھی جو آبی بلند تھی کہ اکیلا آدمی نہیں پھلانگ سکتا تھا۔ دن کے وقت عمران نے دونوں قیدیوں کو کمرے کی کھڑکی کی یہ دیوار دکھائی تھی۔ اس نے ایک درخت بھی انہیں دکھایا تھا جو دیوار سے باہر تھا۔ اس کی شاخیں دیوار پر آئی ہوئی تھیں۔

مقرر کئے ہوئے وقت کے مطابق نظام اداری اور بلٹی اپنے کمرے سے نکلے۔ ادھیچتے چھپاتے کمرے سے دُور چلے گئے۔ راج محل میں تو جیسے رات آئی ہی نہیں تھی۔ ملازم بھاگ دوڑ رہے تھے۔ محل کے اندر قفس ہو رہا تھا۔ سازوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ کئی سوائی گھوڑا گاریاں آرہی تھیں۔ شاید دوسری ریاستوں کے دارا جہ بھی آئے ہوئے تھے۔ جن کا سامنا تھا باہر بھی جگہ جگہ بڑے شعلوں والے شعلیں جل رہی تھیں۔ اور بلٹی کے لیے یہ شعلیں شعل پیدا کر رہی تھیں۔ وہ دیواروں کی اوٹ میں جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ احاطے کی دیوار اس کی جگہ ابھی ٹوڑ تھی جہاں انہیں پہنچنا تھا۔ وہ جدھر جاتے کوئی نہ کوئی آدمی سامنے سے گزرتا نظر آجاتا۔

اگلے روز عمران بلاذری راج محل میں گیا اور حسب معمول نظام اداری اور بلٹی کو نہایت دیا۔ اُسے پتہ چلا کہ راج جے پل آگیا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد راج نے دونوں قیدیوں کو بلایا پچھلے باب میں سنایا جا چکا ہے کہ راج کے ساتھ ان کی کیا باتیں ہوئیں۔ انہوں نے عمران بلاذری کی ہدایت کے مطابق راج جے پل کو محمد غزنوی کی جنگی چالوں کے متعلق بے بنیاد باتیں بتائیں اور یہ بھی کہا کہ وہ راج کی فوج کو عملی طور پر یہ چالیں اور ان کا توڑ سکھا دیں گے۔ انہوں نے شرمایہ پیش کر کے انہیں قید سے رٹائی نہ دی جائے ہر طرف ستری ہٹا دیئے جائیں مگر قید یہ تصور ختم ہو جائے۔ انہوں نے راج پر ایسا اعتماد پیدا کر لیا کہ راج نے اُسی وقت ان کے کمرے پر سپرہ دینے والے سترلوں کو ہٹا دیئے تاکہ حکم دے دیا۔

نظام اداری اور قاسم بلٹی واپس اپنے کمرے میں آئے تو انہوں نے عمران بلاذری کو خبر سنائی کہ راج جے پل کو اطلاع ملی ہے کہ سلطان بکتیکین فوت ہو گیا ہے۔ امداد اس کا بیٹا محمد سلطان ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ راج کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد غزنی پر حملہ کرے گا اور وہ خوش ہے کہ بکتیکین مر گیا ہے۔ اسے توقع ہے کہ وہ محمد کو آسانی سے شکست دے سکے گا۔

اس خبر نے غزنویوں کو پریشان کر دیا۔ وہ سوچنے لگے کہ بکتیکین کی وفات کا غزنی کی فوجی تیاریات پر کیا اثر پڑے گا۔ اور بلٹی اور بلٹی نے محمد کو ایک یاد دستوں کی کمان کرتے اور لڑنے دیکھا تھا۔ اس حد تک وہ مطمئن تھے لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ محمد سپہ سالار کی کتنی کچھ قابلیت رکھتا ہے اور وہ اپنے باپ کی طرح کم فوج سے اتنے زیادہ لشکر کو شکست دے سکے گا یا نہیں۔ یہ جرہوی ہو گیا تھا کہ قید سے فوراً فرار ہو کر غزنی پہنچ جائے اور سلطان محمد کو راج جے پل کے عزائم اور جنگی طاقت سے آگاہ کیا جائے۔

عمران بلاذری نے انہیں رشی کے متعلق بتا دیا کہ یہ ہندو لڑکی اُسے دل دیا ہے۔

نظام اور ریزی اور تاہم ملٹی جاسوس نہیں تھے فوج کے عہدیدار تھے۔ میدان کے بہادر تھے اور شہنشاہ مارنے کی مدت رکھتے تھے بلادی تجربہ کار جاسوس تھا، اس لیے اس کی سطح ان دونوں سے مختلف تھی۔ اُس نے انہیں کہا۔ اگر تمہیں یہاں زیادہ دن رکنا پڑا اور راجہ جے پال نے تمہیں میں جلدی کی تو ہم تمہیں اس کے کسی نہ کسی ذخیرے کو لگا لگا دیں گے۔“

”کیا یہ ممکن ہو سکے گا؟“
 ”کیا ممکن نہیں ہو سکتا؟“ — عمران نے جواب دیا۔ ”یہ کلام اس ماجرہ کے دوسرے
 حصے سے پہلے ہو سکتا تھا مگر یہاں پہنچے وہ آپس میں لڑ رہے۔ ان کی لاشوں
 کے ساتھ ایک لڑکی کی بھی لاش ملی تھی۔ ان کی آپس کی لڑائی کی وجہ شاید یہی تھی۔ ہم اتنے ناکام
 ہونے کو غزنی بروقت اطلاع نہ بھیج سکے کہ حملہ آور لمبے۔“

”تم بھی تو ایک لڑکی کے چکر میں پڑ گئے ہو۔“

"لیکن میں اپنے فرض کو اس جگہ پر نہیں ڈالوں گا۔" — "میں
 ایک لڑکی پر غزنی کی خدمت کو قربان نہیں کروں گا۔" — "لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ میں تم دونوں کو اس
 لشکر پر قربان کروں لیکن یہ انتظام ضرور کروں گا کہ راجہ جے پال کا لشکر غزنی پر حملہ کرے
 جائے تو غزنی سے دُعا و پشاور کے قریب غزنی کی فوج راجہ کا استقبال کرے میرے
 پاس خبر بھیجنے کا انتظام موجود ہے۔"

”سچو خنے والی بات یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی فرج کی کان کر کے نمایا نہیں ہے۔
تاکمالی نے کہا۔ اُسے بہت جلدی خبر مل جانی چاہیے۔ وہ پڑوس کی سلطان ریاستوں
کے گھنٹھٹ میں نہ رہا ہوا ہو۔“

”غزنی کے حالات کا ہمیں کوئی علم نہیں۔“ عمران بلا درسی نے کہا۔

وہ اُس مقام تک پہنچ گئے۔ وہاں تک کسی مشعل کی روشنی نہیں پہنچتی تھی مگر اُن کی ہدایت کے مطابق اور پستی نے ایک پتھر اٹھا کر دیوار پر آہستہ آہستہ دو چار مرتبہ مارا۔ اس کے فوراً بعد دیوار سے ایک ترسہ آیا۔ دو نو قیدی باری باری ترسے سے اوپر چڑھ گئے۔

۶۔ رستہ باہر پھینک دو۔ انہیں نیچے سے عمران ہلا دے گی کہ آواز غنائی دی —
 اور اس درخت سے نیچے آجاؤ۔

ردنوں نے باری باری درخت کی ٹنٹیاں کپڑیں اودھن جوڑے ہوئے دیوار سے
بڑے چلے گئے۔ انہوں نے نہیں کو کچلا اور نیچے اتر گئے۔ انہوں نے رستہ اٹھا کر پینیا اعلان
اُن کے لیے لیے چنے لے آیا تھا جس میں وہ کندھوں سے ٹخنوں تک ڈھانپے گئے۔
راج محل کے باہر کی دنیا سو گئی تھی۔ تینوں اہمیان سے خطرے کے علاقے سے دور
چلے گئے اور طران انہیں اپنے گھر لے گیا۔

” یہاں سے ہمیں جلد ہی نکل جانا چاہیے۔“ ادریزی نے کہا۔ ”گھنڑوں کا انتظام ہو سکتا ہے۔“

”تم یہاں سے اتنی جلد کی نہیں جا سکو گے۔“ عمران نے کہا۔ ”صبح جب راجہ جیل کو تیار سے فرار کی اطلاع ملے گی تو وہ تیار سے تعاقب کا حکم دے گا۔ جو سکتا ہے وہ کچھ بھی نہ کرے۔“ بہت مصروف بنے میری نظریں اور میرے کان اُسی پر لگے رہتے ہیں غزنی سے یہ جو دوسری ٹسکت کھا کر ہے۔ ”اس نے اسے بو لاکر کھا ہے۔“ اگلی تک یہ فوج کی کمی پوری نہیں کر سکا پوری قوم اس کی مدد کر رہی ہے لیکن یہ صرف مالی مدد ہے دوسرے راجے شامل ہے اسے اپنی فوجیں دینے سے چکرا رہے ہیں۔ اس نے ساز و سامان تو بہت جمع کر لیا ہے لیکن ضرورت فوج کی ہے۔ یہاں کا دستور یہ ہے کہ کوئی راجہ دوبار ٹسکت کھا جائے تو اسے اپنے جانشین کے حق میں راج سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ راجہ پال کے دو چلے ناکام ہو چکے ہیں۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا ہے جس نے اسے تیسرے حملے کی اجازت دے دی ہے۔ لہذا اب راجہ جے پال بریتیت پر فتح حاصل کرنے کے انتظامات کر رہے ہیں۔ جو سکتا ہے اس مصروفیت

ترک کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔

اس پیغام کا کوئی جواب نہ آیا اور سلطان محمود کا بیٹا ابوالحسن جموی بھی واپس نہ آیا۔ محمود نے عرصے بعد سلطان محمود کے ایک جاسوس نے اسے بتایا کہ ابوالحسن جموی کو بخارا کا وزیر بنایا گیا ہے۔ سلطان محمود نے یہ خبر سنتے ہی اپنے متعجب دستوں کو خراسان کے مرکزی شہر نیشاپور کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ یہ بہت جلد پیش قدمی تھی۔ نیشاپور کے امیر توزدن بیگ کو اس وقت پتہ چلا جب سلطان محمود کی فوج شہر کے صحافارہ میں پہنچ چکی تھی۔ توزدن بیگ نے بغیر مقابلے کے شہر سے نکل گیا اور بخارا جا کر شاہ منصور کو اطلاع دی۔ شاہ منصور سلطان محمود کے مقابلے کے لیے آیا۔

توزدن بیگ نے حکمرانی کا ذائقہ چکھ لیا تھا۔ اس نے قوم کے ایک خدا دار امیر نائق کو جلال میں پھانسل لیا۔ یہ وہی امیر نائق ہے جو سلطان ابوالحسن کی زندگی میں بھی خاندان کی کاہنہ بننا تھا۔ اب اسے بھانگنا پڑا تھا۔ اب وہ پھر توزدن بیگ کے ساتھ میلان میں آگیا۔ توزدن سازشی ذہن کا آدمی تھا۔ اس نے امیر نائق کو ساتھ ملا کر اپنے محسن شاہ بخارا کو گرفتار کر لیا اور اس کی آنکھیں نکال دیں۔ شاہ بخارا کا چھوٹا بیٹا عبد اللہ ابھی بچہ کی عمر میں تھا۔ توزدن اور نائق نے اسے سامانی گدڑی پر بٹھالیا۔

یہ لوگ جو بنجارہ سلطان محمود کے خلاف متحد تھے، انہوں نے اس میں بھی پہنچنے کی کوشش کی۔ محمود غزنوی نے ان کی فوج کو اپنی پسند کے میدان میں گھسیٹ لیا۔ غزنویوں نے مقابلہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن سلطان محمود کے عتاب کے آگے نہ کھڑے ہو سکے۔ توزدن بیگ ایسا بھانگتا تھا کہ پھر اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ امیر نائق ایسا جلد باز کہ چند دنوں بعد مر گیا۔

کاشغر کا حکمران ایلیخ خان تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ جنگی اور سیاسی حالات کیا ہیں۔ وہ یہی چلان سکا کہ خانہ جنگی جو رہی ہے جس سے اسے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وہ آگے بڑھا اور شاہ بخارا کے چھوٹے بیٹے عبد اللہ کو قتل کر ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سامانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ عبد اللہ کے قتل سے ایلیخ خان کو کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا کیونکہ سلطان محمود قراور عتاب سے سب پر چھا گیا تھا۔ اس نے ایلیخ اور

سلطنت غزنی کے ساتھ۔ محمود نے بھگتوں کی وفات۔ نے ان مسلمان حکمرانوں کو پھر سے بیدار کر دیا تھا جنہیں بھگتوں نے دبا لیا تھا۔ ان کی نظریں غزنی پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ ایک بار پھر خانہ جنگی کی تیزیاں کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ محمود میں وہ صلاحیت نہیں جو اس کے باپ میں تھی مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ بھگتوں کی اس سے پہلے طرح پکڑ زیادہ کرتا تھا۔ اپنے پڑوس کے مسلمان حکمرانوں سے وہ لڑائی کی بجائے دوستی چاہتا تھا۔ محمود سوچ بچار میں تیز اوڑھل میں تیز تر تھا۔ وہ جوانی کی عمر میں تھا۔ باتل میں وقت ضائع نہیں کرتا تھا۔

غزنی کی سلطنت کی کیفیت یہ تھی کہ کاشغریں ایمانیوں کی حکومت تھی۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ دوسری طرف بخارا میں سامانی حکمران تھے۔ یہ بھی مسلمان تھے۔ قوسی طرف آکر زیادہ کی ریاست تھی، اور جو کئی طرف غزنیوں کی بادشاہی تھی۔ سلطنت غزنی ان میں گھری ہوئی تھی۔ ان تمام ریاستوں کی جبرائیلی لوڈیشن ایسی تھی جیسے ایک ملک کے صوبے ہوں مگر سب کی نظریں غزنی پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ متحد نہیں تھے۔ وہ اسلام کے رشتے کو بھی بھلا بیٹھتے تھے۔

ایک روز اسے اطلاع ملی کہ بخارا کے بادشاہ نے خراسان کا علاقہ اپنے ایک امیر توزدن بیگ کو دے دیا ہے۔ خراسان سلطنت غزنی کا علاقہ تھا۔ سلطان محمود نے شاہ بخارا کو پیغام بھیجا کہ تم قوتوا دی تھے، آپ کی اس کاہنہ نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ تم دوستی قائم کریں۔ آپ خراسان سے اٹھ آئیں تاکہ ہمارا اتحاد برقرار رہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے ہمارے جنوں کی متحدہ فوج ہم پر حملے کے لیے آرہی ہے۔ بخارا سے ایسا جواب آیا جیسے سلطان محمود غزنوی کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو۔ لیکن گھٹا گیا کہ بلخ، ترمذ اور ہرات کے علاقے آپ کے پاس ہیں۔ ہم بالی علاقے ان اسرا میں تقسیم کر رہے ہیں جو ہمارے وفادار ہیں۔ سلطان محمود نے صلح صفائی کی ایک اور کوشش یوں کی کہ اپنے ایک حاکم ابوالحسن جموی کو بیش قیمت تحائف دے کر بخارا بھیجا۔ اس نے ان الفاظ کا پیغام لکھا کہ میں نے یقین نہیں کیا کہ بخارا کے دوبار سے مجھے یہ توہین آمیز جواب ملے گا۔ نہ ہی میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے خاندان سامانی کی دوستی

خراسان کو سلطنت غزنی میں شامل کر لیا۔

اس خانہ جنگی کی بدینہ لو آتی مختصر نہیں جتنی سنائی گئی ہے۔ یہ داستان بڑی ہی طویل اور بڑی ہی افسوسناک بلکہ شرمناک ہے۔ سلطان محمود کی اُس فوج کو خاصا جہاں نقصان پہنچا جو ہندوستان کے مدارِ اجوں کا حقدار رکھنے اور جوابی حملہ کرنے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اُس کے خلاف جن فوجوں کو لڑا گیا وہ بھی مسلمان فوجیں تھیں جن میں اتحاد ہوتا تو آج ہندوستان کی تاریخ مختلف ہوتا جو خدا اور باقی ابراہیم ہاگ گئے تھے۔ ان کے گھروں سے یہودی، عیسائی اور ہندو لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ وہاں جو لوگ پکڑے گئے، انہوں نے بتایا کہ ان حکمرانوں اور امرا کو غیر مسلموں سے مدد اور شہرستی تھی۔ ہندوستان سے ہندو لڑکیاں غلامی فراتے کے سربراہ بھیجا کرتے تھے۔ یہ فرقہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا تھا مگر اس کے عقیدے غیر اسلامی تھے۔ یہ فرقہ عیسائیوں کی تخلیق تھا۔ یہی عیسائی سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں صلیبی کہلانے لگے تھے۔

راجہ جے پال کا جاسوسی نظام نہ ہونے کے برابر تھا۔ اُسے صرف یہ اطلاع ملی کہ سیکٹنگیں فوت ہو گیا ہے۔ غزنی کے دیگر حالات کا اُسے علم نہیں تھا۔ اگر وہ اُس وقت حملہ کر دیتا جب سلطان محمود غزنوی میں اکٹھا ہوا تھا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا تھا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ سلطان محمود کے دشمن جے پال کی مدد کرتے۔ یہ اللہ کا کام تھا کہ اس دشمن کی آنکھیں اور بطن بند رہے۔

اس کے مقابلے میں راجہ جے پال کی سب سے بڑی چھاپ ڈالنے والا ہور میں سلطان محمود غزنوی کے جاسوس پیدا اور سرگرم تھے عمران سات کو غزنی کے دونوں قیدیوں۔ نظام اور بڑی اور قائم بلجی۔ کو اپنے گھر لے گیا تھا۔ اگلی صبح وہ حسب معمول راج محل کے احاطے کے اُس کمرے میں جہاں یہ دونوں قیدی رہتے تھے، ناشتہ لے کر گرا اور کمرہ خالی دیکھ کر دواڑے میں بیٹھ گیا۔ اُس نے یمن چار ملازموں سے پوچھا کہ قیدی کہاں چلے گئے ہیں کسی کو معلوم نہ تھا۔ وہ دواڑے کے سامنے شکار کچھ دیر بعد راجہ جے پال کا بلاوا آ گیا۔ عمران بلا زدی نے بتایا کہ وہ ناشتہ لے کر آیا تو قیدی یہاں نہیں تھے۔

”مجھے مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ راجہ جے پال کو قیدیوں کے لا پتہ ہونے کی خبر ملی تو اُس نے کہا۔ میں نے ان کے کمرے سے پہرہ ہٹا کر گھلی کی تھی۔ وہ شہر میں نہیں ہو سکتے۔ تمام راستوں کی ناک بندی کر دو۔ پشاد کی طرف سوار دو۔ دواڑے سے غزنی کی طرف بھٹنے والے راستوں کی ناک بندی کے لیے قاصد روانہ کرو۔“

”دماج!“ اُس کے وزیر نے کہا۔ ”دونوں قیدیوں کے فرار سے کیا نقصان ہو گیا خیر! آپ کی توجہ کوچ کی تیاری پر رہنی چاہیے۔ وہ قیدیوں کے لیے اتنی زیادہ نفرتی کو اہر اُدھر دونا دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔“

”ان کے فرار کا مجھے کوئی افسوس نہیں۔“ راجہ نے کہا۔ ”میں اُن سے جو کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا وہ کر لیا ہے۔ میں انہیں سزا دینا چاہتا ہوں۔ انہیں پکڑنے کا بندوبست بہت جلدی کرو۔“

اس کے ساتھ ہی راجہ جے پال کو خبر سنائی گئی کہ انسانی قربانی کے لیے ایک لڑکی منتخب کر لی گئی ہے۔ اور تقریباً پندرہ دنوں بعد اس کی گردن کاٹ کر اس کے خون کا تھک راجہ کے ماتھے پر لٹایا جائے گا۔ راجہ کو یہ بھی بتایا گیا کہ اب وہ جب چاہے غزنی پر حملے کے لیے کوچ کر سکتا ہے۔ فوج اُسی کی ہوگی۔

”ہم بہت جلد کوچ کریں گے۔“ راجہ نے کہا۔

شام کو جب عمران اپنے گھر آیا تو وہ مطمئن اور خوش تھا۔ اس پر کسی نے شک نہیں کیا تھا۔ اور بڑی اور بلجی اُس کے پیچھے پڑ گئے کہ وہ انہیں جلدی یہاں سے نکالے عمران نے انہیں بتایا کہ اب وہ کئی دنوں تک اس کمرے میں بیٹھیں گے۔ انہیں کسی کے کیونکر شہر کے اندر داکہ بندی ہو سکتی ہے۔

دواڑے پر مخصوص قسم کی دھک ہوئی۔ عمران بلا زدی نے مسکرا کر کہا۔ ”دوست آئے ہیں کوئی خبر لائے ہوں گے۔“ اس نے جاکر دیوار کی کا دواڑہ کھولا۔ دواڑے اندر آئے عمران نے دواڑہ بند کر کے زنجیر چڑھا دی۔ ان دنوں کو وہ اور بڑی اور بلجی کے کمرے میں لے گیا اور تعارف کرایا۔ دونوں آنکھیں پنجاب کے رہنے والے تھے۔

ایک ہی منزل کے مسافر

انہوں نے بتایا کہ راجہ جے پال بہت جلد کوچ کر رہا ہے۔ اب وہاں کرنے میں۔ ایک یہ کہ کسی کو غزنی روانہ کرنا ہے جو وہاں راجہ جے پال کے کوچ کی قبل از وقت اطلاع پہنچا دے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ شہر سے باہر تمام فوجوں کی رسد خیمے اور بیل گاڑیاں جمع ہیں۔ آج اس ذخیرے میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ اسے آگ لگانی ہے۔

”اس کا کیا انتظام ہے؟“ — عمران نے پوچھا۔ ”لاہور میں ایسے انتظام کی کبھی بات نہیں ہوئی۔“

فوجی؟ سازد سامان کے اس ذخیرے میں جو راجہ جے پال نے غزنی پر حملے کے لیے لاہور کے مضافات میں ڈھیر کر رکھا تھا، جلدی آگ لکڑیوں اور پھیلانے والے ڈھیر خیموں کے تھے۔ یہ ہزارا خیمے تھے جنہیں لمبیٹ کر ڈھیروں کی صورت میں رکھا گیا تھا۔ فوج کے ساتھ رسد لے جانے کے لیے بیل گاڑیاں تھیں یہ ایک دوسری کے ساتھ لگا کر کھڑی کی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بے انداز سامان تھا جو کم و بیش ڈیڑھ میل لمبے اور چار پانچ فرلانگ چوڑے رقبے میں پڑا تھا۔ اس رقبے میں درختوں کی بستات تھیں۔

راجہ جے پال کو جلدی کوچ کرنا تھا۔ اس لیے یہ سامان تیاری کی حالت میں باہر بی پڑا رہنے دیا گیا تھا۔ اس پر پیرے کا معمولی سا انتظام تھا۔ گشتی سنتری گھوڑوں پر اس کے ارد گرد گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ایسا واقعہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ فوجی سامان کو کسی نے کوئی نقصان پہنچایا ہو یا کوئی سامان چوری ہو گیا ہو۔ خطرہ صرف مسلمانوں کی طرف سے تھا لیکن مسلمانوں کی آبادی آنے میں ٹنک کے برابر تھی۔ انہیں ہندو اپنا مذہبی غلام سمجھتے تھے۔ یہ تو راجہ جے پال کو معلوم تھا کہ اس کی ریاست میں غزنی کے جاسوس وجود ہیں لیکن اسے کبھی گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ مسلمان اس کی جنگی قوت کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اسی خوش فہمی میں بتلا ہو کر اس نے اتنے بڑے فوجی ذخیرے کی حفاظت کا وہ انتظام نہیں کیا تھا جو ہونا چاہیے تھا۔

ہندو رعایا کا تو اسے ذہنی نہیں تھا۔ اس نے ہندوؤں کے ذریعے ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف اتنی نفرت پھیلا رکھی تھی کہ ہر ہندو یہ خواہش لیے ہوئے تھا کہ ان

”اس سے پہلے لاہور والوں نے کیا کارنامہ کر دکھایا تھا؟“ — ایک جاسوس نے کہا۔ ”ایک ہندو لڑکی کے پیچھے آپس میں لڑ رہے تھے.... اب ہندو والوں نے انتظام کیا ہے۔ یہاں کے آدمیوں کو بتانا ضروری ہے۔“

ہندوہ راجہ جے پال کی راجدھانی تھی اس لیے غزنی کے زیادہ تر جاسوس وہیں رہتے تھے۔ جب سے راجہ جے پال نے غزنی پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا تھا، انہیں نے لاہور کو فوج لاکر کرا اور مستقر کیا تھا۔ غزنی کے جاسوسوں کے ساتھ مقامی آدمی بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان میں زیادہ تر جوان سال اور نوجوان تھے۔ یہ ہندو راجہ کے شائے ہوئے لوگ تھے، اور غزنی کے حکمرانوں کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔ اب لاہور میں راجہ جے پال اپنے لشکر کے لیے اپنی رسد اور دیگر سامان جمع کر رہا تھا۔ ہندوہ کے جاسوسوں نے اس ذخیرے کی تباہی کا یہ انتظام کیا تھا کہ میں کمپس گھوڑسوار عام مسافروں کے جیس میں لاہور کے مضافات میں پہنچ گئے تھے۔ وہ اچھے نہیں آئے ایک دوسرے سے دور دور رہنے تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔ لاہور کے آدمیوں کو صرف اطلاع دینا ضروری تھا۔

پس آگ لگانے والا سامان بھی تھا۔

ایک جگہ سے دو گھوڑوں پر سوار سنتری آگے چلے گئے تو وہ جانباز ہیٹ کیبل رہ گئے۔
 آگے گئے اور خیموں کے ڈھیروں کے درمیان جا کر رک گئے۔ انہوں نے مشینوں کے
 منہ کو اتریں خیموں کے ڈھیروں پر چڑھ کر دیا۔ بیشتر اس کے کہ سنتریوں کو تیل کی بوتلی سے
 آگ لگا دی گئی تھیں اس وقت ایک اور جگہ سے شعلہ اٹھا۔ سنتریوں نے شعلے دیکھے تو
 انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ وہ آگ کی دونوں جگہوں تک آئے تو کسی اور جگہوں سے
 شعلے اٹھنے لگے۔ چار جانبازوں نے بیل گاڑیوں پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ بیشتر اس کے
 کہ سنتری جان سکتے کہ یہ آگ کیسے بجی ہے، آگ لگانے والے گل گئے تھے۔ وہ اپنے
 گھوڑوں تک پہنچے۔ اشلوں کی روشنی سے دور رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

جو آگ رفتار کافی تھی۔ شعلہ تیزی سے پھیلنے لگے۔ سوئے ہوئے سنتری جاگ اٹھے۔
 جاگے ہوئے سنتری شعلوں کے زخموں سے بچنے کے لیے بھاگ اٹھے۔ ان سب کے
 شور و غوغا اور ٹر ٹرنگ نے شعلوں کی آواز کو اور زیادہ بھیاں بنا دیا۔ شہر میں جتنی بھی
 فوج تھی سیدھا رہ گئی اور آگ پر لوٹ پڑی۔ آگ دیر نہ ملے اور اس سے نصف چھڑ
 علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ درخت جھلس رہے تھے۔ فوج کے لیے آگ پر قابو پانا ممکن نہیں
 تھا۔ شعلے اتنے اپنے جلد سے تھے کہ کوئی فوجی قریب جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ پاس پنا
 کو حکم دیا گیا کہ اس سامان کو بچائیں جس تک ابھی آگ نہیں پہنچی تھی۔

شہر کی تمام آبادی جاگ اٹھی۔ مسلمان خوش تھے مگر ہندوؤں پر بول طاری ہو گیا۔
 وہ اس آگ کو آگ کے دینا کا قہر سمجھ رہے تھے۔ ہندوؤں کے سکھ اور گھننے بک بن گئے۔
 پنڈت بہت سے ہاتھوں والے تھیں اور مودیوں کے آگے دوزخوں پر گر کر گر گئے۔
 گئے جو تیس ہندوؤں کو دہریس مردوں کو فوجی ٹیم کرے گئے۔ پانی کنوئوں سے
 نکالا جاتا تھا۔ گھوڑا گاڑیوں پر بڑے شیکرے اور ڈنڈ لگا کر دیا سے پانی لایا جانے
 لگا۔ لیکن شعلے اتنے اپنے اور ایسے بہت ناک تھے کہ نصف میل دور سے بھی ان کی
 تپش ناقابل برداشت تھی۔

چار ہزار مسلمانوں کے گھلوں پر حملے کرے اور مسلمانوں کو غلام بنا کر ہندو مت میں لایا جائے۔
 اس مقصد کے لیے ہندوؤں نے اپنے راجہ کو مال معدی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے
 سے بڑھ چڑھ کر دیر پیسہ اور سونا دیا تھا۔ ہوزنج لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کی موت کا
 کہ بازاروں میں ہندی آدمی راجہ کے خزانے میں جمع کرادی تھیں۔ لہذا غزنی پر حملے کے
 لیے یہ جو فوجی مسلمان کے انبار اکٹھے کیے گئے تھے ان میں ہندو علیا کا خون پسینہ شامل
 تھا۔ سو چاہی نہیں جاسکتا تھا کہ کوئی بھی ہندو اس مسلمان کو نقصان پہنچائے گا۔

نعمان پہنچانے والے لاہور پہنچ چکے تھے۔ یہ شہبازوں سے لڑ جانے والے مسلمان
 تھے۔ آتش سرخرو میں گھولنے والے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ وہ اس
 نظریے کے قائل تھے کہ اپنے دشمن بادشاہ کا تختہ الٹنے کے لیے بادشاہ ہونا ضروری
 نہیں ہوتا اور فوج کو نقصان پہنچانے کے لیے فوج کی ہی ضرورت نہیں ہوتی۔ ارمان
 مضبوط ہو تو مضبوط قلعہ بھی سر کیے جاسکتے ہیں۔ وہ اس مذہب کے سرفروش تھے
 جو مذہب کا نام عرب کی سرزمین سے اس دھرتی میں لایا تھا۔ وہ ہندوستان میں اسلام کے
 مثباتے ہوئے چراغ کے پھلنے تھے جو اسے اپنے خون سے جتا رکھنے کا غم کیے ہوئے
 تھے۔

وہ آگے گھوڑوں پر تھے۔ ان کے دوسا تھی شام کو عمران بلاوری اور لاہور کے دو
 تین اور دوسرے دار جاسوسوں کو لاہور میں اپنی موجودگی اور مقصد کی اطلاع دے کر شہر سے
 نکل گئے تھے۔ وہ غریبانہ سے کچھوں میں ہوس و لہو معاش کی تلاش میں مارنے مارے پھرنے
 والے مسافر لگتے تھے۔ رات کو جب شہر سو گیا تھا، وہ شہر سے دُور ایک جگہ اکٹھے ہوئے
 اور انہوں نے اس مقصد پر جس کا خاطرہ آئے تھے، جانیں قربان کرنے کا حلف اٹھایا۔
 ایک دوسرے سے اٹھ تھلے ایک ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔ انیس ایک دوسرے
 کو دیر دیکھنے کی امید میں تھی۔ وہ زندہ واپس جانے کے لیے نہیں آئے تھے۔

گھوڑے کچھ دور باندھ کر وہ دیر نہ ملے لیے ذخیرے کی مختلف اطراف کو دو دو
 ہو کر پھیل گئے۔ ان کے پاس چھوٹے شیکرے تھے جو سافراہے گھوڑوں اور اونٹوں
 کے ساتھ پانی کے لیے رکھے ہیں۔ عمران کے شیکروں میں پانی نہ تیل تھا اور ان کے

ہمدی فوج کی جو فہری غزنی کے حملے سے بچ کر آئی ہے، اس پر ابھی تک مسلمانوں کی فوج کا خوف سوار ہے۔

”تو اپنے سپاہیوں کو بتاؤ کہ یہ ہمارے دیوتاؤں اور مسلمانوں کے پیغمبروں کی لڑائی ہے۔ راجہ بھوپال نے کہا۔ انہیں بتاؤ کہ مذہب کی اس لڑائی میں جو ہندو مارا جائے گا وہ دوسرے جنم میں خوبصورت پرندوں کی شکل میں دنیا میں آئے گا اور کھلی فصلوں اور خوشنما باغوں میں چیتا اور اٹا پھرے گا۔ راجہ بھوپال کے دماغ پر پندت سوار تھے۔ وہ حقیقت سے دور ہٹ گیا تھا اس نے کہا ”معلوم نہیں کس کے گناہوں سے دیوتا ہم سب سے ناراض ہیں قربانی کے لیے وہ لٹک بل گئی ہے جسے پندت تلاش کر رہے تھے۔ اسے یوں فالے مندر میں پہنچا دیا گیا ہے چند برسوں بعد اسے زندہ کر دیا جائے گا۔“

”ماراج! جریرل نے کہا۔ آپ کو برا لگے تو معاف کر دینا۔ فتح حاصل کرنے کے لیے ایک لٹک کو زندہ کرنا کافی نہیں ہے ہر آدمی کو زندہ ہونے کے لیے تیار ہونا پڑے گا۔ آپ کو بھی، مجھے بھی جب تک ہمدی قوم ایسے بیٹے پیدا نہیں کرے گی جیسے یہ تھے جنہوں نے ہمدی فوج کی ایک سال کی رسد جلا دی ہے، اس وقت تک ہم مسلمانوں پر فتح حاصل نہیں کر سکتے۔“

”آپ کا خیال ہے کہ یہ آگ مسلمانوں نے لگائی ہے؟“ راجہ بھوپال نے پوچھا۔

”جی ماراج! جریرل نے جواب دیا۔ میں سینہ پتی ہوں۔ آپ کی سادھی فوج کا سربراہ ہوں۔ فوج کی ہر ممکن تیزی میری شکست ہوئی ہے۔ میں حقائق اور علامات پر نظر رکھتا ہوں میں دیہوں اور خوش فیسوں سے اپنا بی بیج خوش نہیں کر سکتا۔ ایسا کروں گا تو آپ کا راج اور ریاست ناپید ہو جائیں گے اور آپ کا راج مکمل مسجد اور مسلمانوں کا مذہبی مدرسہ بن جائے گا میں آپ کے ساتھ حقیقت کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ یہ آگ مسلمانوں نے لگائی ہے۔ میں سنتریوں سے پوچھ چکا ہوں۔ آگ دیکھ بھی چکا ہوں۔ آگ سنتریوں کی غلطی سے لگی تو کسی ایک جگہ لگتی اور سنتری خود ہی اس پر قابو پا لیتے، مگر یہ آگ بارہ چودہ جگہوں سے شروع ہوئی اور پھیل گئی۔“

”تو کیا غزنی سے آگ لگانے کے لیے فوج آئی تھی؟“ ماراج نے کہا۔ کیا شہر

”تمام سنتریوں کو قتل کر دو۔۔۔ انہیں اسی آگ میں زندہ پھینک دو۔“ یہ راجہ بھوپال کی آواز تھی۔ وہ چپا، چلا، حکم دیتا اور گالیاں بکتا پھر رہا تھا جس گھوڑے پر وہ سوار تھا، وہ گھوڑا بھی اسی کی طرح غصے اور بے چینی میں نہیں ماتا تھا۔ اس کے دیباہی، وزیر اور جریرل اس کے عتاب سے خوفزدہ فوجیوں اور شہریوں کو حکم اور گالیاں دیتے پھر رہے تھے۔

گھوڑا سامان بھاپا جاسکا۔ راجہ اور اس کے جریرل وغیرہ تھک مار کر پیچھے ہٹ گئے اور بے بسی کے عالم میں آگ کے قہر کو دیکھنے لگے۔

”یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ آگ کس طرح لگی ہے؟“ راجہ بھوپال نے کہا۔

”میں جتنے سنتری تھے۔ انہیں قید خانے میں لے جا کر اٹا لگا دو۔ ان میں سے جو بتا دے کہ آگ کس طرح لگی تھی۔ اسے آمار لینا۔ باقی سب کو اسی حالت میں مر جانے دو۔۔۔ ہندو دنوں کے اندام یہ مسلمان پورا کرو۔ میں چند دنوں میں کوہج کرنا چاہتا تھا۔ بھگتین کے مرنے کی اطلاع ملے ہی ہمیں کوہج کرنا چاہیے تھا۔ اب جوں جوں وقت گزرتا جائے گا بھگتین کے جانشین کو تیردی کا موقع ملدے گا۔“

”یہ مسلمانوں کا کام بھی ہو سکتا ہے۔ راجہ کے وزیر ابدھے شکر نے کہا۔“

ماراج کے ذہن میں نہیں آئی کہ غزنی کے دو قیدی بھاگ گئے ہیں؟ یہ ان کی کارستانی بھی ہو سکتی ہے۔

”تمام مسلمانوں کے گھروں کی تلاشی لو۔ راجہ بھوپال نے حکم دیا۔ کسی پرندہ سا بھی ٹسک ہو اسے میرے سامنے آؤ۔ مسلمانوں کے گھروں سے جتنی نقدی، زیورات اور اناج ملے وہ اپنے قبضے میں لے لو۔ لیکن۔۔۔ راجہ نے فوراً سوچ کر کہا۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ لوگ اتنی جرات نہیں کر سکتے۔“

”یہ ناپاک قوم اس سے زیادہ جرات بھی کر سکتی ہے۔ ایک جریرل نے کہا۔“

آپ غزنی کے دو قیدیوں سے ان کی فتح کا جو راز معلوم کرتے رہے ہیں وہ یہی ہے کہ انہیں قوم میں اتنی زیادہ جرات ہے جس کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے ہیں ان کی یہ جرات تو ذہنی

”اگر ہم نے غزنی فتح کر لیا تو ہم یہ طریقہ استعمال کریں گے۔“ راجہ جہاں نے کہا۔
 وہ ڈیڑھ میل کے ملا تھیں پھیلے ہوئے ٹیلوں سے نڈکھڑے بائیں کر رہے
 تھے۔ راجہ جے پل قریح دھاب کھار تھا۔ غزنی پر اس کا حکم کچھ عرصہ کے لیے ملوئی ہو گیا
 تھا اور غزنی والے فوج کے بغیر حکم کر گئے تھے۔ اس ہلکے کا حکم اثر نہیں ہو کر غزنی کے
 دھندلے قیدی۔ نظام اور جی اور قاسم لٹھی۔ راجہ کے ذہن سے اتر گئے۔

ہندو لٹکی رسی کر پندت ٹیلوں والے مندر میں لے گئے تھے۔

ٹیلوں والا مندر کوئی عمارت نہیں تھی۔ اُس دھند میں دیائے راوی کی گندھاہ کوئی
 اور تھی۔ آج اسے بڑھلایا کہتے ہیں شہر سے تھوڑی دُور دیاے ذرا سا بہت کر ڈیڑھ
 میل باجوڑ علاقہ ٹیلوں اور گھانسیوں کا تھا۔ ان کی منی کالی اور چکنی تھی۔ دہلی سلوں کی
 چٹائیں بھی تھیں بعض نیلے سلوں اور کالی منی کی آمیزش کے تھے۔ البے بھی گول اور مڑھی
 بھی۔ یوں حکم ہوتا تھا جیسے یہ قدرتی نہیں بلکہ انیس تراش کر ان ٹیلوں کا بنایا گیا ہے۔
 ان کے ارد گرد خوشوں کی بہتات تھی لیکن ان کے اندر کوئی وزعت نہیں تھا نہ کوئی سبز
 تھا۔

راجہ جے پل سے پہلے کے کسی دھند میں ہندو کا یہ محفل نے پختہ مڑھی ٹیلوں کو تراش
 کر مندر کے مڑھی اور لمبوترے گنبدوں کی شکل دے دی اور ان کے اندر تراش تراش
 کر وسیع فائیں بنادی تھیں جو بلند اور کٹاہ کمروں جیسی تھیں۔ ان کی دیواروں پر دیو دیویوں
 اور دیوتاؤں کے بُت تراشے ہوئے تھے۔ ان کمروں کے اندر بھی کمرے تھے بہر حال
 اور بالخانے بھی تھے۔ اُس دور کے وقایع نگار کہتے ہیں کہ جاکر انسان بھول جاتا تھا کہ وہ
 کھودی ہوئی زمین اور ٹیلوں کے اندر ہے۔ اندر سے یہ خوشنما اور پختہ سوائیں گئی تھیں۔
 اس جگہ کر ٹیلوں والا مندر کہتے تھے لیکن دہلی پندتوں اور سادھوؤں کے سوا
 کوئی اور پوجا پاٹھ کے لیے نہیں جاسکتا تھا۔ ایک تو اس لیے کہ راسلکے بغیر مندر تک
 کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ ٹیلوں کے درمیانی راستے بھول بھلیوں جیسے تھے۔ چنقم
 پر مڑتے اور بیشتر راستے کہیں نہ کہیں جا کر بند ہو جاتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس

کی ساری مسلمان آبادی نے بل کر بارہ چودہ چھوٹے پرانے لگائی تھیں
 ”یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ آگ یہ غزنی کی فوج نے لگائی ہے نہ شہر کی مسلمان
 آبادی نے۔ جرنیل نے کہا۔ یہ کم از کم دس اور زیادہ سے زیادہ ہیں آدمیوں کا
 کام ہے وہ جو کوئی کبھی میں سمیت دلیر ہیں۔ اس قسم کی آگ لگانے والے آگ میں جلا بھی
 جانتے ہیں۔ وہ صرف جلا نے کے لیے نہیں بلکہ خود جلنے کے لیے بھی آتے ہیں۔“
 ”کیا ہم انہیں پکڑ کر زندہ نہیں جلا سکتے؟“ راجہ جے پل نے پوچھا۔
 ”اگر ہم دس ہیں مسلمانوں کو پکڑ کر زندہ جلا دیں گے تو کیا ہو گا؟“ وزیر اُدھے
 شکر نہ کہ۔ ”دس ہیں اور کچھ نہیں ہے۔ ان کی اُس آگ کو سرور کرنا ہے جو ان کے
 سینوں میں جل رہی ہے۔ اسے یہ لوگ مسلمان کی شمع کما کرتے ہیں ہمیں ان کا ایمان ختم کرنا
 ہے۔ درخت کے پتے توڑ کر مسلتے بہنے سے درخت سوکھ نہیں جلاکتا۔ اس کی
 جڑ مٹی ہے۔ آگ پرانے پھینک کر آپ اسے کچھ نہیں سکتے۔ آگ پانی سے بجھا کر
 مرنے لے۔ آپ کو آگ کی طرح گرم ہو کر نہیں بلکہ پانی کی طرح ٹھنڈا ہو کر سوچنا پڑے گا۔۔۔
 یہاں کے مسلمانوں پر آگ کی طرح نہ برسے۔ ان میں جو سرورہ لوگ ہیں انہیں انعام و اکرام
 و بار کے جہوں اور عورت کے حق و جوانی کے جلال میں پھانسیں میری نظر ماضی میں دامن
 تکم جاتی ہیں جہاں محمد بن قاسم اس دھرتی پر نمودار ہوا تھا اُس نے شمال مغربی ہند میں
 اسلام پھیلا دیا تھا اور یہ مذہب محمد بن قاسم کے دور حکومت میں پھیلا اور ہمارا مذہب
 سکڑا تھا چلا گیا محمد بن قاسم کے جانے کے بعد ہمارے پیشروں نے مسلمانوں کو اپنے مذہب
 میں گننا شروع کر دیا۔ اشد اور بدشت گروہی سے بھی اسلام کے فردغ کر دیا گیا اور
 دلکش طریقوں سے بھی سب سے زیادہ کامیاب طریقہ یہ دوسرا ثابت ہوا۔ زندہ جواہر
 اور عورت نے مسلمانوں کے معاشرتی سربراہوں کو نہ ہندو رہنے دیا۔ مسلمان۔ اسلام
 کمزور ہوتے ہوئے چند ایک سجدوں تک رہ گیا ہے۔ انہیں جمالی مار نہ دیں۔ انہیں
 روحانی طور پر مردہ کریں۔ آپس میں پیار اور محبت کا دھوکہ دے کر ان پر اپنی تہذیب کا
 رنگ چڑھاویں۔“

حالت ایسی ہوئی جاری تھی کہ عمران نے اسے دھتکارنا مناسب نہ سمجھا۔
 "کے چریل بڑی ہو۔ عمران نے کہا۔" یہ تمارا گناہ ہے جو چریل بن کر تمہیں ذرا ادا
 ہے۔
 "میں رشی کو دیکھتی ہوں۔" فاطمہ نے کہا۔ "مجھے اندر لے چلو۔"
 "یہ بات کرو۔"

"مجھے اپنے ساتھ نکالو۔" فاطمہ نے روتے ہوئے التہاکی۔ "اتنے ظالم نہ بنو۔"
 عمران! میں خوف سے مر جاؤں گی۔ مجھے پناہ میں لے لو۔"
 عمران بلا دسی اس کے پاس فرش پر بیٹھ گیا۔ فاطمہ اس کے ساتھ لگ گئی۔ اس کا
 جسم زانپ رہا تھا۔

"میری آنکھ لگ جاتی ہے تو رشی مجھے غصہ کر جاتا ہے جسے میں گھبرا کر اٹھتی ہوں۔"
 فاطمہ نے کہا۔ "وہ مجھے اندھیرے میں بھی نظر آ جاتی ہے مگر وہ خوبصورت رشی نہیں ہوتی۔
 اس کے دانت درمندوں کی طرح اور ناخن منجھوڑوں کی نوکوں کی طرح آگے سے ترسے ہوئے
 دھوئے ہیں۔ وہ بولتی سنیں۔ چنٹی یا پھنکالتی ہے۔ مجھے حیرت پہنچانے کو آتی ہے۔ لیکن قریب
 اگر غائب ہو جاتی ہے میں نے کل رات اپنے کمرے میں اس سے بچنے کے لیے بھل گئے
 دوڑنے لگا دیا ہے۔ آج دن بھر مجھ پر خوف طاری رہا۔ وہ دن کو مجھے نظر نہیں آتی لیکن
 تین چار بار مجھے اس کی سسکیاں سنائی دیں ہیں نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا۔ کئی بھی
 نظر نہ آئی لیکن مجھے ایسے محسوس ہوتا رہا جیسے رشی کمرے میں موجود ہے۔ عمران! مجھے ہاں
 سے بچاؤ۔"

فاطمہ مظلوم لڑکی تھی۔ اسے نوجوانی کی عمر میں باپ نے پیسے لے کر ایسے آدمی کے ساتھ
 بیاہا تھا جس کی عمر اس سے دگنی سے بھی زیادہ تھی اور اس کی دو بیویاں تھیں۔ فاطمہ صرف
 جوانی ہی نہیں تھی بلکہ خوبصورت بھی تھی۔ وہ انتہا کمال لڑکی تھی۔ اسے عمران! اچھا لگا
 تو اس کے راتے میں رشی ہاں کی بندو بستی حاصل ہو گئی۔ فاطمہ نے اسے راتے سے یوں
 ہٹا کر ہنڈت کو مسماعضہ دے کر اس لڑکی کو انسانی قربانی کے لیے منتخب کر لیا۔ فاطمہ
 فطرتاً ہی بظاہر نہیں تھی۔ انتہا اور رقابت نے اس سے بڑا ہی بھیانک بنا دیا۔ اس

جگہ کے متعلق مشہور تھا کہ یہ دھو، دیوتاؤں اور دیویوں کا مسکن ہے۔ انسانی قربانی
 اسی مندر میں دی جاتی تھی۔ دُور سے دیکھنے سے یہ علاقہ پراسرار اور ڈراؤنا لگتا تھا۔
 کوئی اس کے قریب سے گزرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

راجہ جے پال کے دور حکومت کے کچھ عرصہ بعد جب سلطان کو دغری نے ہندوستان
 پر حملہ کیا اور بہت فتنہ مچایا تو شیوں کا مندر جس کی فضا انسانی خلیں اور ہندوؤں
 کی غیر مسلمی طور پر حسین عورتوں کی عصمت کے خون سے شعلیں رتی تھی۔ اس کی نظروں
 سے بہا اڑنے لگا۔ نعلال نے محمود غزنوی کے دشمن کو یوں مکمل کیا کہ راوی کا رنج ہاں والا
 نہ بیلاب جو ہر سال آتا تھا شیوں کے علاقے کو بسلنے لگا۔ دیوی دیوتاؤں کے بتوں
 کو راوی نے کچھ نہیں سبیل کر کے غائب کر دیا پھر اسی کو راوی نے اپنی گزرگاہ بنالیا۔ شیوں
 والا مندر ہندوؤں کے کاغذوں میں رہ گیا۔

پنیے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ جس مات راجہ جے پال کی رسم وغیرہ کے ذخیرے کو
 جانوروں نے ذبح کر لیا۔ اس شام ان میں سے دوا دی عمران بلا دسی کے گھر گئے تھے۔
 وہ عمران کو اپنے روبرو لگا لگا کہ کچھ چلے گئے تو دروازے پر پھر دستک ہوئی عمران نے
 دروازہ کھولا تو فاطمہ تیزی سے اندر آئی۔ عمران نے دروازہ بند کر دیا۔
 "میں نے تمہیں سنا، آنے سے منع کیا تھا۔" عمران بلا دسی نے فاطمہ کو غصے سے
 کہا۔ "پھر کیوں آ گئی ہو؟"

فاطمہ جواب بیٹے کی بجائے اس کے پاؤں میں بیٹھ گئی اور اس کی ناکھوں سے
 پست کر سکیاں لینے لگی۔ وہ کانپ رہی تھی۔

"مجھے بچاؤ۔" فاطمہ نے کہتی اور لڑتی آواز میں کہا۔ "عمران! مجھے اپنی چریل ہے
 بچاؤ۔ وہ مجھے سوتے سنیں دیتی۔"

دیوڑھی تارک تھی۔ عمران فاطمہ کو اندر نہیں لے جانا چاہتا تھا کیونکہ وہاں نظام ہوریزی
 اور قائم یعنی موجود تھے۔ اس میں وہ یہ اثر دینے سے ڈرتا تھا کہ وہ یہی جاسوسی کے بہانے
 لڑکیوں کے حکم میں بڑا ہو جائے۔ فاطمہ سے وہ مرگٹانے کو تیار نہیں تھا مگر اس لڑکی کی

سب کچھ بتا دیا اور کہا کہ وہ فاطمہ کو رشی کے فرار کے لیے استعمال کرے گا۔
 معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ہمیں فرار کرایا ہے لیکن ہمیں سب کسی اور مصیبت میں ڈال
 دے۔ نظام اور زری نے کہا تم یہاں عشق و محبت اور بیانیسی میں پڑے رہو۔ ہم
 خود ہی نکل جائیں گے۔

”میں عشق و محبت اور بیانیسی میں نہیں پڑوں گا۔“ عمران نے کہا۔ ”میں تمہیں
 پہلے بھی کچھ بتاؤں گا کہ میں ان چند تلوں پر ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے بُت محض پتھر ہیں
 اور یہ کسی مسلمان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں ان سے یہ لڑاؤں گے کہ ثابت کروں گا کہ کس کا مذہب
 سچا ہے۔ میں گھوڑوں کا انتظام کروں گا۔ اگر میں نے آج ہی مات اس ہندو لڑکی کو آزاد کر
 ا تو یہاں واپس نہیں آؤں گا۔ تم دونوں میرے ساتھ چلو گے۔ ہم ادھر سے ہی نکل جائیں گے۔“
 ”تم نے سوچا کیا ہے؟“ قاسم لمبھی نے پوچھا۔ ”تم دونوں سے کس طرح کہہ رہے کہ
 تم لڑکی آزاد کرالو گے؟“

عمران بلا زری نے جو کچھ سوچا تھا وہ اس نے تفصیل سے بتا دیا۔ وہ دونوں رضامند
 ہو گئے اور زینوں نے بہت جلدی کے بعد ایک حکیم تیار کرلی۔ اور عمران فاطمہ کے
 کمرے میں چلا گیا۔

”یہاں تو رشی کی بدروح نظر نہیں آئی؟“ عمران نے فاطمہ سے پوچھا۔

”نہیں۔“ فاطمہ نے جواب دیا۔ ”مگر ڈر رہا ہے۔“

”تم نے اُسے چند تلوں سے بچانے کا ارادہ کر لیا ہے اس لیے اب رشی کی بدروح
 تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔ جب وہ آزاد ہوگی تو تمہیں بدحالی سکون حاصل ہوگا۔“
 ”مجھے یہ تو بتاؤ کہ مجھے کتنا کیا ہے۔“ فاطمہ نے پوچھا۔

”میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ تم کا سیب ہو گئیں تو تم اپنے گھر واپس نہیں آؤ گی۔“

— عمران نے کہا۔ ”تم میرے ساتھ غریبی چلو گی۔“

”سچ عمران؟“

”میں تمہیں بھوکہ نہیں دوں گا۔“ عمران نے کہا۔ ”تم پنڈت کے گھر جاؤ۔ ڈرنا نہیں۔“

قاضی میرا سنگھ کو برداشت نہیں کر رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو رشی کی قاتل سمجھنے لگی۔ یہ
 ضعیف کا انتقام تھا۔ بے بس اور مجبور لڑکی اب اس قدر خوفزدہ تھی کہ وہ عمران کے قدموں
 میں آگری۔

”میں نے کل رات تمہیں کتنا کھانکھانہ کافانہ ادا کروا دیا۔ جلتی اور کڑھتی رہو گی۔“
 — عمران نے اسے کہا۔ ”رشی ابھی زندہ ہے جس روز پنڈت اسے ذبح کر دیں گے۔“
 اس موزاں کی بدروح چرنیل بن کر سانسے پاس آجائے گی۔ تم جب تک زندہ رہو گی وہ تم
 پر غالب رہے گی۔ تم راتوں کو سو نہیں سکو گی۔ تم خود کشی کر لو گی یا پائل ہو گئے۔ اس ابد باندلوں
 میں چرنیلوں کی طرح جیتی چلاتی پھر دو گی اور لوگ تم سے دور بھاگیں گے۔“

فاطمہ اور زیادہ خوفزدہ ہو کر عمران بلا زری کے ساتھ پلٹ گئی۔ ”مجھے بتاؤ میں کیا
 کروں۔ اگر ایک رات اور میری یہی حالت رہی تو میں پائل ہو جاؤں گی۔“
 ”رشی کو پنڈتوں سے آزاد کرو۔“ عمران نے کہا۔ اُس نے فاطمہ کو اسی لیے اور خوفزدہ
 کیا تھا کہ وہ رشی کو آزاد کرانے میں مدد دے۔ اُس نے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔
 ”میں اُسے کیسے آزاد کر سکتی ہوں؟“

”یہ کام میں کرونگا۔“ عمران نے کہا۔ ”تم میری مدد کرو۔ ستاری نبات اسی میں
 ہے۔ رشی ذبح ہوگئی تو دنیا کے قید خانے سے آزاد ہو جائے گی مگر تمارا جو حال ہوگا وہ ہمیں نہیں
 بتا چکا ہوں۔“

”مجھے جو کہو گے کروں گی۔“

”ابھو۔“ عمران نے اُسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”اند چلو۔“

عمران اسے ایک اور کمرے میں لے گیا۔ وہ اسے اس کمرے میں نہیں لے جانا چاہتا تھا۔
 جس میں نظام اور زری اور قاسم لمبھی بیٹھے ہوئے تھے۔ فاطمہ پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا عمران
 نے فاطمہ کو دوسرے کمرے میں بٹھایا اور دیا جلا کر رکھ دیا۔

”اب بے خوف ہو کر اکیلی بیٹھی رہو۔“ عمران نے کہا۔ ”یہاں تمہیں رشی نظر نہیں
 آئے گی۔“

عمران اور زری اور لمبھی کے پاس جا بیٹھا۔ اس نے انہیں فاطمہ اور رشی کے متعلق

”وہاں تک ہم نہیں پہنچ سکتے۔ جگ موہن نے جواب دیا۔ اُسے ٹیلوں والے مندر میں لے گئے ہیں۔ ہم وہاں گم ہو سکے ہیں۔ پنڈت ہمیں ان بھول بھلیوں میں بھٹکتا دیکھیں گے تو ہمیں قتل کر دیں گے اور ہماری لاشیں وہیں کہیں زمین میں دبائیں گے وہاں جانے کی نہ سوجھنا۔“

”میں بہت کچھ سوچ چکا ہوں۔“ عمران نے کہا۔ ”اگر تمہارے دل میں اپنے مذہب کے خلاف واقعی نفرت ہے تو تمہیں نہ صرف یہ نہ سبب ترک کر دینا چاہیے بلکہ اس ملک سے ہی نکل جانا چاہیے میں تمہیں اور تمہاری بہن کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“

”میری بہن کہاں ہے؟“ جگ موہن نے پوچھا۔
 ”تم ایک کام کرو۔“ عمران نے کہا۔ ”چار گھوڑوں کا انتظام کرو اور دریا کے کشتیوں کے پل سے دُور میرا انتظار کرو۔“ عمران نے اسے وہ جگ بتائی جہاں اُسے انتظار کرنا تھا۔ اُس نے جگ موہن سے کہا۔ ”اس وقت مجھ سے کچھ اور پوچھنا۔ وقت نہیں۔ اگر میں صبح تک تمہیں دریا کے کنارے نہ بلا تو سمجھ لیا کہ میں زندہ نہیں۔“

جگ موہن بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن عمران بلا دزدی برائے اس قدر اعتماد تھا کہ اس نے کچھ بھی نہ پوچھا۔ اُس نے اس شخص پر چار گھوڑے لے کر لوی کے کنارے انتظار کا دعویٰ کیا کہ عمران اس کی بہن کو ساتھ لائے گا اور بہن بھائی عمران کے ساتھ ملک سے نکل جائیں گے۔ اُس نے دل میں یہ دہم پیدا نہ ہونے دیا کہ عمران ہوا میں گھوڑے بوزار رہے لیکن جگ موہن کے سامنے اس انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور اس پر جذبات کا غلبہ تھا۔

کچھ دیر رات کے اندھیرے میں بڑے مندر سے کچھ دُور درختوں کے ایک جھنڈ میں عمران بلا دزدی، انعام اور بڑی اور مقام بھئی کھڑے رہے ان کے قریب سے ایک سایہ سا گزر گیا۔

”میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں فاطمہ!۔“ عمران نے کہا۔ ”دُور نہ جانا۔“
 سایہ رک گیا۔ عمران اس کے قریب چلا گیا۔ اس نے فاطمہ کو یہ نہ بتایا کہ وہ اکیلا نہیں

اگر وہ تیس بل جانے تو اُسے کو کر تم ٹیلوں والا مندر دیکھنا چاہی ہو میں تمہیں سونے کے کئے دے رہا ہوں۔ یہ پنڈت کو دے دینا۔ وہ مل جائے گا میں تمہارے پیچھے آؤں گا۔ تیار کام صرف اتنا ہو گا کہ پنڈت کو ٹیلوں والے مندر تک لے جاؤ۔ وہ تمہیں جو شرط بتائے مل جائے گی۔ شاید معلوم نہیں کہ یہ مندر ٹیلوں کے اندر ہے۔ وہاں تک ان پنڈتوں کے سوا اور کوئی نہیں پہنچ سکتا کسی عام آدمی کو راستہ معلوم نہیں۔“

”اگر وہ نہ آتا تو ہم کیا کریں گے؟“ فاطمہ نے پوچھا۔
 ”تم اسے کسی طرح کمرے سے باہر لے آنا۔“ عمران نے کہا۔ ”میں اسے مندر تک لے جاؤں گا۔ مار نہیں جلتے گا تو یہ اُس کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔“
 پھر میرا کیلئے گا؟“ فاطمہ نے پوچھا۔

”میں کہ چکا ہوں کہ تم اب اپنے خاندان کے گھر نہیں جاؤ گی۔“ عمران نے جواب دیا۔
 ”تم اب میری ذمہ داری میں ہو۔ دل سے تمام خوف اور دہم نکال دو ابھی پنڈت کے ان چلی جاؤ۔ میں اُس کے کمرے کے دروازے کے قریب چھپا ہوا ہوں گا۔ میں جھینگری کی آواز نکالوں گا۔ تم اُسے باہر لے آنا۔“

عمران نے اُسے بہت سی ہدایات دیں اس کا حوصلہ بڑھایا۔ اس کا دل مضبوط کیا اور اُسے سولے کے چند ایک کئے دے کر رخصت کر دیا۔ اس کے جانے کے بعد عمران رشی کے بھائی جگ موہن سے ملنے چلا گیا۔ جگ موہن گھڑی تھا اور بہت اُداس وہ پہلے ہی اپنے مذہب سے متنفر تھا۔ اب اس کی نوجوان بہن کو پنڈت دلدی کے تھوڑے ہی قریب رہنے کے لیے لے گئے تھے۔

”عمران!۔“ اُس نے کہا۔ ”یہ لوگ میری بہن کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں۔“
 ”ہاں کسی پنڈت کو زندہ نہیں چھوڑوں گا کسی کو یہ بھی پتہ نہیں چلے گا کہ ان پنڈتوں کو کون قتل کرتا چلا جا رہا ہے۔۔۔ ہم کیوں آئے ہو؟“

”اس لیے کہ کسی پنڈت کو قتل کیے بغیر تمہاری بہن کو اٹھالانے اور غائب کر دینے کا بندوبست کیا جائے۔“ عمران نے کہا۔ ”تم یقیناً میرا ساتھ دے گے جانتے ہو اُسے کہاں لے گئے ہیں؟“

اس کے ساتھ دوا آدمی اور بھی ہیں عمران کو آنے والے حالات کے متعلق یقین نہیں تھا کہ اس کے لیے سمان بہانے گئے اس لیے وہ اوریری اور بلجی کو فاطمہ سے چھپائے رکھنا بہتر سمجھتا تھا۔ اُس نے فاطمہ کا حوصلہ بڑھایا۔ وہ اچھے چلنے لگی۔ کچھ دور گئی تو تیرہنوں اس کے پیچھے چل پڑے۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم اس ہم میں کس طرح کامیاب ہو گئے۔“ بلجی نے کہا۔
 ”میں جو کچھ کر رہا ہوں، اللہ کے نام پر کر رہا ہوں۔“ عمران نے کہا۔ ”میں نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ مجھے جو بھی خیال آتا ہے، وہ خدا کی طرف سے آتا ہے۔ اگر میں چاہتا تو خدا مجھے کامیابی عطا کرے گا۔“

فاطمہ سیاہ سائے کی طرح چلتی گئی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد عمران بلاذری زور سے کھانسی دیتا تھا۔ یہ فاطمہ کے لیے اشارہ تھا کہ وہ اُس کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے۔
 ... منہ بہت بڑے بھوت کی طرح کھڑا نظر آنے لگا۔ عمران نے دُور سے روشنی دیکھی۔ یہ پنڈت کے کمرے کے دروازے سے باہر آئی تھی۔ پنڈت نے فاطمہ کی دستک پر دروازہ کھولا تھا عمران کو فاطمہ کمرے میں داخل ہوئی دکھائی دی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ روشنی غائب ہو گئی۔

عمران اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُٹھے چلا گیا۔ دونوں ساتھیوں کو ذرا دُور درختوں کے نیچے کھڑا کر دیا اور خود دو بے پاؤں دروازے کے قریب چلا گیا۔ دروازے کی درزوں میں سے روشنی آ رہی تھی۔ دروازے سے تین چار میڑھیاں جاتی تھیں۔ عمران میڑھیاں چڑھ کر دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

”میں سمجھ نہیں سکا کہ تم بچوں کی سی ضد کیوں کر رہی ہو۔“ پنڈت کڑوا تھا۔
 ”وہاں کوئی ہندو بھی نہیں جاسکتا، تم تو مسلمان ہو۔“
 ”میں اُس پڑیل کو آخری بار اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔“ فاطمہ نے کہا۔ ”دُور سے دکھانا دینا۔“

”مجھے آج رات اُدھر جانا ہی تھا لیکن آدھی رات کے بعد جاؤں گا جب چاند اوپر آجاتا ہے۔“ پنڈت نے کہا۔ ”تم اُس وقت تک یہاں رک سکو گی؟“

”ابھی چلیں۔“ فاطمہ نے کہا۔ ”آپ کی اجرت آپ کے سامنے بڑی ہے میں آپ کو ٹھکانے کی قیمت دے رہی ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ انسانی قربانی بمحض غیب ہے۔ میں آپ کا بھانڈا بھنڈا کر سکتی ہوں۔ میں بہت کچھ کر سکتی ہوں۔ میں آپ کے جال میں نہیں بلکہ آپ میرے جال میں آئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ میری یہ ذرا سی خواہش پوری نہیں کر سکتے تو میں واپس چلی جاتی ہوں لیکن میں بتا نہیں سکتی کہ آپ کا انجام کیا ہو گا۔“

فاطمہ بہانے خود ایک سحر تھا جو پنڈت پر غالب آ گیا۔ اس کے ساتھ سونے کے ٹکڑے تھے۔ فاطمہ کی دمکی بھی کام لگ گئی۔ کچھ وقت اور گزرا عمران کو اندر سے کھسک پھرنائی بیٹھ گئی۔

”میں تمہیں دُور سے دیکھا کرواپس لے آؤں گا۔۔۔۔۔ چلو۔“ یہ پنڈت کی آواز تھی۔ عمران دروازے سے بیٹ کر اندر سے چھپ گیا۔ پنڈت اور فاطمہ باہر نکلے۔ دروازہ بند ہوا۔ اندر سے ایک طرف چل پڑے۔ خاصا غاصد رکھ کر عمران اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُن کے پیچھے چل پڑا۔ آگے کوئی آبادی نہیں تھی۔ جنگل تھا۔ عمران کو یہ خطرہ محسوس ہوا تھا کہ پنڈت کو اپنے پیچھے آہٹ سنائی دے گی اور وہ پیچھے کو آئے گا لیکن اُسے آگے پیچھے کا خیال نہیں تھا۔ وہ فاطمہ کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتا جا رہا تھا۔

ٹیلوں کا علاقہ آ گیا۔ پنڈت اور فاطمہ روٹیوں کے درمیان چلے گئے۔ عمران اوپر اس کے ساتھ بھی بھول بھلیوں میں داخل ہو گئے۔ گھر انہیں ایک خطرہ نظر آنے لگا۔ راستہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جاکر مڑ جاتا تھا۔ اور اندھیرا تھا۔ وہ پنڈت اور فاطمہ کی باتوں کی آواز پر چلے جا رہے تھے۔ تین چار گھنٹیں ایسی آئیں کہ وہ غلط راستے پر ہو چلے۔ لڑے انہیں ایک سرگرم میں سے بھی گزرا پڑا۔ آگے گئے تو انہیں دھیمی دھیمی آواز سنائی دینے لگی جیسے عورتیں مل کر گلابی ہوں۔ اگر عمران اور اس کے ساتھی یہاں اکیلے آتے اور یہ آواز سن لیتے تو وہ اسے بدروحوں کا گانا سمجھ کر واپس چلے

چھوڑیں گے نہ تیار سے کسی اور پنڈت کو ہم ان کانے دایوں کو بھی اٹھانے جائیں
سے خون خرابے سے بچو اور چل کر وہ ہندو لڑکی ہمارے حوالے کر دو جسے قربانی
کے لیے لائے ہو۔ اپنے پتھر کے خداؤں اور سورتیوں کو پکارو۔ بتا سکی دیویاں اہ
دیوتا تیری مدد کو نہیں آئیں گے.... چلو۔

پنڈت خاموشی سے آگے آگے چل پڑا۔ اُس پر تو جیسے سکتے طاری ہو گیا تھا۔
مگر یہ سنیں کیا جاسکتا تھا کہ اُس نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ عمران اور اس کے ساتھیوں
کو کچھ علم نہیں تھا کہ آگے کیا ہے۔ انہیں صرف عورتوں کا گیت سنائی دے رہا تھا۔
راستہ مڑا، کئی راستوں میں اکٹھا اور ٹیلوں کے گرد گھومتا جا رہا تھا۔ عمران چونکا تو تھا
ہی، وہ اور زیادہ ہوشیار ہو گیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پنڈت انہیں کسی غلط راستے پر
ڈال کر غائب ہو جائے اور انہیں پنڈت کے آدمی گھیر کر ختم کر دیں گے۔

راستہ ایک میدان میں داخل ہو گیا۔ یہ کوئی وسیع میدان نہیں تھا۔ چالیس
پچاس گز جوڑا اور اتنا ہی لمبا تھا۔ یہ گولا کی میں تھا۔ اس کے گرد مندر اور کبرے
تھے جو کچھ ٹیلوں کو تراش کر بنائے گئے تھے۔ چوتھے بنے ہوئے تھے جن میں
بعض پر سادہ صوم - کے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے پاس ایک لڑکی بیٹھی تھی
اور وہ ہنس کھیل رہے تھے۔ میدان میں دس بارہ جوان لڑکیاں دائرے میں رقص کی ادائوں
سے گھومتی اور گارہی تھیں۔ بہت سی مشعلیں زمیں میں عمادھنی ہوئی تھیں۔ غلنے والی
لڑکیوں کے درمیان ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سب نیم عمادھنی تھیں.... پنڈت
رک گیا۔ اُس نے بے بسی کے عالم میں تینوں مسلمانوں کی طرف دیکھا۔
”لڑکی ہمارے حوالے کر دو۔“ عمران نے پنڈت کے پیلوں میں خیر کی لڑکی مہو کر کہا۔

پنڈت نے بلند آواز سے حکم دیا۔ ”رک جاؤ۔“
گانے والیاں خاموش ہو کر ایک طرف ہٹ گئیں۔ پنڈت اور سادھو اُٹھ
کھڑے ہوئے۔ رشی جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی رہی۔ عمران اور اس کے ساتھیوں نے مزہ
اور سرگرمیوں میں چھپا رکھے تھے۔ انہوں نے خوبرنگ کے تلواریں نکال لیں اور پنڈت
کو آگے لے گئے۔ تمام پنڈتوں، سادھوؤں اور لڑکیوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ پڑا پنڈت

جاسد عمران کو پنڈت کی اصلیت معلوم ہو چکی تھی، اس لیے اُسے ڈر محسوس نہ ہوا۔
آگے جا کر راستے اس طرح اُکھ گئے کہ عمران اور اس کے ساتھیوں کے لیے
پنڈت اور فاطمہ کو دیکھ کر چلنا ممکن نہ رہا۔ انہیں نظر آنے لگا تھا کہ وہ بینک جائیں
گئے بلکہ انہیں فاصلہ کم کر پڑا اور انہوں نے اپنی رفتار بھی تیز کر دی۔ پنڈت ٹک گیا۔
”کون ہو؟“ پنڈت نے دیکھ کر پوچھا۔

عمران اور اس کے ساتھی ایک طرف ہٹ گئے۔ بھاگنا مناسب نہیں تھا۔ وہ
راستے سے ادھر ادھر ہو کر ٹیلوں کے دامن میں جھپٹ گئے۔ پنڈت ان کے درمیان آ گیا۔
وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اُسے اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ عمران نے خیر
نکالا اور اُکھ کر خیر کی نوک پنڈت کے دل پر رکھ دی۔

”میں فرے کر دو۔“ عمران نے کہا۔ ”قتل ہونا پسند کرو گے یا ہمیں رشی
سکے لے چلو گے؟ اس مسلمان لڑکی سے جو اُجرت تم نے وصول کی ہے وہ میں چلتا
ہوں۔ آج سونے کے جو سکے تم نے اس سے لیے ہیں وہ اپنے پاس سنے دو۔ اگر زندہ
رہنا چلتے ہو تو ہمیں رشی سکے لے چلو۔“

”فاطمہ!۔“ پنڈت نے گامتی ہوئی آواز میں فاطمہ سے کہا جو اُن کے قریب
آگئی تھی۔ ”تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔“

”تم نے میرا جو بھی کام کیا ہے اس کی تم نے پوری قیمت وصول کی ہے۔“
فاطمہ نے کہا۔ ”میں نے تمہیں سونے کی شکل میں بھی قیمت دی ہے۔ جسم کی شکل
میں بھی۔ میں اپنے گناہوں کا گناہ ادا کرنے آئی ہوں، تم اپنے گناہوں کا گناہ
ادا کرو۔“

دو اور خیروں کی نوکیں پنڈت کے جسم کے ساتھ لگ گئیں۔ اس پر سکتے طاری
ہو گیا۔ دوسرے عورتوں کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ ٹیلوں کے چھپرے میں یہ آواز مزہ تم
گرج کی طرح سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز اس دنیا کی معلوم نہیں ہوتی تھی۔

”اس آواز پر ہم خود بھی رشی تک پہنچ سکتے ہیں۔“ عمران نے پنڈت سے
کہا۔ ”ہم صرف من آدمی نہیں۔ ہمارے ساتھ بہت آدمی ہیں۔ ہم ہمیں زندہ

میں بھی تم سبھی یا شے سے عزیز نہیں کرتے اس بند دل کی آہ نے تدار بہ شہر کو آگ لگا دی تہہ ہم جانتے ہیں کہ یہ انسانی قربانی فریب ہے ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے اس لڑکی کو قربانی کے لیے کس طرح منتخب کیا تھا میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تیس زندہ رہنے دیں گے۔ ہم تیس زندہ چھوڑ کر جا رہے ہیں کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہم شے کو لے گئے ہیں۔ ہم تدار سے راجہ نے اس لڑکی کو ابھی نہیں دیکھا تھا۔ کوئی اور لڑکی لے آؤ اور اس کی قربانی دے دینا۔ ہم تدار کی فریب کاری پر پروہ ڈالے رکھیں گے اتنی زیادہ رعایت اور جان بخشی کے باوجود تم نے کوئی گڑبڑ کی تو ان شعلوں کو دیکھ لو۔ جو اس شہر کو آگ لگا سکے ہیں وہ تم جیسے ایک سو پندرہ توں کو زندہ جلا سکے ہیں۔

پندرہ شعلوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس پر جیسے غشی طاری ہوئی جارہی تھی شعلے سبست اوپر چلے گئے تھے۔ ان کے ساتھ شہریوں اور فوج کا شور و غوغا بھی سنانی دینے لگا تھا۔ پندرہ توں بیٹھ گیا جیسے گر بڑا ہو۔ اس نے سر ہاتھوں میں لے لیا۔ عمران اور اس کے ساتھ تیزی سے چل پڑے۔ ہر کام خوش اسلوبی سے ہوتا جا رہا تھا۔ یہ جھلنی مچھلی۔ وہ دریا کے کنارے اُس جگہ پہنچے جہاں جگ موہن کو انتظار کے لیے کھایا تھا۔ جگ موہن چار گھوڑوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہاں سے کوئی لون پل دُور گھوڑوں اور گاڑیوں کی آوازیں اور انسانوں کا شور سنانی دے رہا تھا۔ وہ آگ بجھانے کے لیے پانی لے جا رہے تھے۔

”شہر جل رہا ہے۔ جگ موہن نے گھبرا کر کہا۔ یہ آگ کیسے لگی؟ میرا گھر بھی جل رہا ہو گا۔“

”جل جانے دو۔“ عمران نے کہا۔ ”تم اب اس گھر میں نہیں جا رہے تم ہمارے ساتھ چل رہے ہو۔ اب اپنے آپ کو بند نہ کھنا چھوڑ دو۔ ہمارے مذہب کا کرشمہ دیکھ لو۔ تدار کی معصومیت کو پندرہ قربانی کے لیے لے گیا تھا میں نے اپنے خدا سے دعا کی تھی کہ کچھ بہت اور جرات دے کہ میں اس لڑکی کو بچا کر ثابت کر سکوں کہ سچا خدا انسانوں کا ہے۔۔۔ دیکھ لو۔ سارے شہر کو آگ لگ گئی ہے اور تدار ہی میں تدار سے سارے کھڑی

و تو تدار میں کے درمیان کھڑا تھا۔ عمران نے آگ کے ڈھکڑھکڑی کو اٹھایا۔ رُشی اُسے اٹھکھٹ کھولے دیکھتی رہی جیسے عمران کو پہچان نہ سکی ہو۔ عمران نے بلایا اسے جھنجھوڑا کر وہ اسے دیکھتی ہی رہی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اسے کچھ بلایا گیا ہے جس کے اثر سے اس کا دماغ حاض نہیں۔

عمران نے اسے بازو سے پکڑا اور چل پڑا۔ رُشی اس کے ساتھ چلتی آئی عمران نے سب کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اگر کسی نے کوئی حرکت کی تو وہ مارا جائے گا۔ تم سب بہت سے آدمیوں کے گھیرے میں ہو۔“

”اس پر یہ اثر کب تک رہے گا؟“ عمران نے پندت سے پوچھا۔
 ”میں کب اتر جائے گا۔“ پندت نے جواب دیا۔ ”جلو۔ اسے لے جاؤ۔“
 ”تم بہرے ساتھ چلو گے۔“ عمران نے کہا۔ ”میں رات یا ونیس رہا بہرے آگے آگے چلو۔“ عمران نے تدار کی لوگ اُس کی شررگ پر رکھ دی۔

پندرہ سداہائے ہوئے جانور کی طرح آگے آگے چل پڑا۔ اس پر پندت کا غلبہ تھا۔ وہ جب ایک بار پیٹھوں کی بھولی بھلیوں میں داخل ہوئے اُس وقت رسد کے ذخیرے کو آگ لگانے والے ذخیرے میں داخل ہو چکے تھے اور تیل چھڑک کر آگ لگ رہی تھی۔ پندت آگے آگے چلا آ رہا تھا۔ عمران، نظام اور یزی اور قاسم مٹی کے ہتھوں میں تلواریں رکھیں۔ ناظر بھی ان کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ رُشی دماغی غیر حاضی کی کیفیت میں ساتھ ساتھ آ رہی تھی۔

آخر وہ اس علاقے سے نکل آئے۔ تب انہوں نے دیکھا کہ شہر کی طرف سے آسمان سرخ ہو رہا تھا۔ پھر بلند ہوتے ہوئے شعلے بھی نظر آنے لگے۔ عمران نے مٹا بھاڑ کر نعرہ لگایا۔ ”اللہ اکبر۔“ اور اپنے ساتھیوں سے ان کی زبان میں کہا۔ ”وہ دیکھو۔ اللہ کے شیروں نے کفار کی کرتوت ڈالی ہے۔ غنی پر حملہ کرنے والوں کو ہمارے خدا نے سیں خاک کر دیا ہے۔“

”یہ کی جو بات۔“ پندت کے منہ سے گھرائی ہوئی آواز بگی۔ ”شہر جل رہا ہے۔“
 ”یہ ہمارے خدا کا قہر ہے جو تم پر گرا ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”اپنی عبادت گاہوں

ہے۔ اسے ہم دیوتاؤں سے بھیجیں لائے ہیں۔

”اے میری بہن۔“ جگ موہن کے منہ سے نکلا اور وہ دوڑ کر اپنی بہن سے پلٹ گیا مگر بہن لاش کی طرح کھڑی رہی جگ موہن کے بلانے اور جھجھورنے کے باوجود اُس نے کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا۔

”اے ستارے پنڈتوں نے اس اشرافی کوئی دوا لے کر رکھی ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”جس تک اسی حالت میں رہے گی۔۔۔ ہمارا سفر بڑا لمبا ہے۔ بہن کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھاؤ اور چلو۔“

جگ موہن نے رشی کو اپنے آگے سوار کر لیا اور غافلہ کو عمران نے اپنے گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اور بڑی اور بڑی اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ وہ کشتیوں کے پل سے تیس گزر گئے تھے۔ وہاں سفر تلویں کا خطرہ تھا۔ انہوں نے ایک جگہ دیکھ لیا۔ جہاں یہاں کھانا بہت چونا اور گہرائی کم تھی۔ وہ دریا پار کر گئے۔ انہوں نے پیچھے دیکھا۔ اب شعلہ دھڑوں کو بھی ہلا کر آسمان تک پہنچ رہے تھے۔

”یہ آگ ہمیں یہ فائدہ دے گی کہ کسی کو ادھر ادھر کی ہوش نہیں رہے گی۔“ عمران نے کہا۔ ”راجہ جہاں کی اپنی بیٹیاں اغوا ہو گئیں تو وہ انہیں بھی نہیں ڈھونڈیں۔“

”جہا“

بلے اٹھلاؤ۔

رات کو جب عمران امداس کے ساتھی بڑے پنڈت سے رشی کو چھین کر لے گئے تو پنڈت شہر کی طرف چل پڑا۔ وہ آگ سے بے نیاز اپنے مندر میں گیا اور اپنے دو آدمیوں کو ساتھ لے کر آگ کی طرف چلا گیا۔ شہر کی ساری آبادی باہر آگئی تھی شعلوں کی روشنی میں ہر انسان نظر آ رہا تھا۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ پنڈت اور اس کے آدمی عورتوں کو دیکھتے پھر نہتے تھے۔ پنڈت ایک جگہ رک گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ایک نو جوان لڑکی دکھائی اور خود پرے ہٹ گیا۔

کچھ دیر بعد کسی طرف سے گھوڑا گاڑیاں دوڑتی آئیں عورتیں راستے سے بٹھنے کے لیے ادھر ادھر بیٹھیں۔ پنڈت کے ایک آدمی نے اس لڑکی کو پکڑ لیا جو پنڈت نے انہیں دکھائی تھی۔ دوسرے آدمی نے لڑکی کی ناک پر کپڑا رکھ دیا اور اسے دھکیلنے لگے۔ ”ہوئے اندھیرے میں لے گئے۔ انہیں کوئی بھی نہ دیکھ سکا۔ وہاں سے اٹھا کر مندر میں لے گئے۔ اور صبح طلوع ہونے سے پہلے اُسے تلویں والے مندر میں پہنچا دیا گیا جہاں وہ رشی کی طرح سب کچھ دیکھتی تھی مگر اس کا دل غ سوچنے اور سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔“

ہندو مت نہ کبھی مذہب کہلا سکا ہے۔ نہ یہ آج مذہب ہے۔ یہ تو ہمت و رستہ اور تعصبات کا مرکب ہے۔ جسے اس کے پیروؤں نے مذہب کہہ دیا تھا۔ اس نام کا مذہب میں خدا کا تصور پیدا نہ ہو سکا۔ ہندوؤں، کھڑوروں، پوجوں اور عورتوں کی قتل و غارت گردانی جذبات پرستی، دھوکہ فریب اور دودھ مٹھنی اس مذہب کے اصول ہیں۔ اس کے پیروؤں نے اپنی فحاشی کے لیے ایسے ایسے توہمات پیدا کیے جو ان کے پیروکاروں کے ذہن کو بدل پر غالب آسکے۔ اور خدا کی بہت سی شکلیں سمجھ گئی تھیں۔ لہذا چاند، سورج، کربن، سیلاب، آگ، سانپ، ہندو اور آسمانی حکلیوں وغیرہ کو انہوں نے مختلف دیوتاؤں سے منسوب کر کے ان کی پوجا شروع کر دی۔ آج تک یہ قوم سانپ کی پوجا کرتی ہے۔ راجہ جے پال اس آگ کو جو جھنڈہ کے جانیازوں نے لگائی تھی۔ اپنے دیوتاؤں کا قہر سمجھتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ یہ غزنی کے ماسوہ کی مارتا ہے۔ وہ ہے۔

صبح طلوع ہوئی تو جہاں ڈیڑھ میل کے علاقے میں راجہ جے پال کی فوج کی رسد اور جنگی سامان کے انبار لگے ہوئے تھے وہاں راکھ کے ڈھیر بڑے تھے۔ درخت بھی جل گئے تھے۔ ان میں سے ابھی تک دھواں اُٹھ رہا تھا۔ لوگ ابھی تک سہلے پر پائے پھینک رہے تھے کیونکہ یہ راجہ کا حکم تھا۔ مسلمانوں کے گھر لوٹے جا رہے تھے۔ راجہ نے رات کو ہی حکم دے دیا تھا کہ مسلمانوں کے گھروں کی تلاشی کو احد وہاں سے متنی لعدی اور زیور لٹا دے۔ آئیں سرکاری خزانے میں جمع کرادو اور فوج کے کام کا جوسل

”لے جاؤ انہیں“ — راجہ جے پال نے حکم دیا۔
سپاہی لڑکیوں کو دکھیلے گھسیٹے لے گئے۔

سلطان محمود غزنوی غرسان اور بنجارا کو سلطنت غزنی میں شامل کر چکا تھا مگر
خاندان چنگی لڑکی نہیں تھی۔ اُس وقت خلافت بغداد کی گدڑی پر القادر باللہ عباسی بیٹھا تھا۔
اسلامی نظام کے مطابق تمام مسلمان سلطنتیں اور چھوٹی بڑی ریاستیں خلافت کے تحت
آتی تھیں اور خلیفہ کے حکم کی تعمیل ان کے فرائض میں شامل تھی مگر اقتدار کی ہوس اور توسیع
پسندی نے مسلمان حکمرانوں کے دلوں سے خلافت کا احترام نکال دیا اور آپس میں عداوت
پیدا کر دی تھی۔ خلافت برائے نام مرکز بن کے رہ گیا تھا۔ سبکگین نے خلافت سے رشتہ
نہیں توڑا تھا محمود نے بھی خلافت کی عظمت کو برقرار رکھا غرسان اور بنجارا کو
سلطنت غزنی میں شامل کر کے سلطان محمود نے خلیفہ کو ان الفاظ کا پیغام بھیجا:

”کوم نے پالی خاندان چنگی میں جو زخم کھائے ہیں، وہ ابھی مند نہیں ہوئے تھے کہ
مجھے پڑوس کے سلطان حکمرانوں کے خلاف ایک اور جنگ لڑنی پڑی۔ انہوں نے
سلطنت کے حصے بخرے کر کے شروع کر دیئے تھے اور خود ہی حکمران بن بیٹھے تھے میں
نے انہیں صلح و صفائی کے پیغام بھیجے۔ انہیں غیر مسلموں کے ہاتھوں میں کھیلنے سے
دکا مگر میری اسمن پسندی کو انہوں نے میری بزدلی سمجھا۔ انہوں نے حالات اتنی
جلدی خراب کر دیئے کہ میں آپ سے حکم نہ لے سکا۔ مجھے فوری طور پر جنگی کلدوالی کرنی
پڑی یہ بظاہر خوش خبری ہے کہ میں نے غرسان اور بنجارا کو ان باتوں اور عداوتوں سے
محیں کر سلطنت غزنی میں شامل کر لیا ہے مگر میں اپنے خوشخبری نہیں سمجھتا۔ یہ ایک گوی
الہیہ ہے کہ ہم آپس میں لڑے اور دونوں طرف وہ فوج ضائع ہوئی ہے جس سے
ہمیں سلطنت اسلامیہ کا تحفظ کرنا تھا اور اسلام کے فروغ کے لیے غزستان کو اسلام
کے پرچم تلے لانا تھا....

”میں مرد میدان ہوں۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ میری عمر سیدان جنگ میں گزر چلے
گی اور میری لاش کسی محاذ پر اٹھائی جائے گی۔ خد شہ یہ کہ میں اپنے بھائیوں کے خلاف

کی باتیں کرنا تھا کبھی کتہ پٹت کو بلاؤ۔ دیوتا مست ناراض ہیں۔ ایک کی بجائے
دو لڑکیوں کی قربانی دو۔ فوراً... جلدی گا۔ اور اس کے ساتھ ہی چلا چلا کر کتا۔
مسلمانوں کے گھر جلاؤ۔ ان کے گھر لوٹ کر فوج کو دے دو۔ ان کی عورتوں کو میرے
سامنے لے آؤ۔“

دیوتاؤں پر اس کا حکم نہیں چل سکتا تھا۔ وہ جاننا جو رسد کے ذخیرے اور اس کے کل
سچو اگل لگائے تھے، وہ اس کی دسترس سے دور چلے گئے تھے۔ اس کے سامنے پانچ مسلمان لڑکیاں
کھڑی تھیں جو اُسے پیش کی گئی تھیں۔ یہ شریف گھرانوں کی بیٹیاں تھیں جو مسلمانوں کو سزا
دینے کے طور پر گھروں سے زبردستی راجہ کے پاس لے چال گئی تھیں۔ راجہ تخت پر بیٹھا لڑکیوں
کو ایسی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جن میں طنز بھی تھی اور ہوس بھی۔

”تم خوش قسمت ہو کہ خوبصورت ہوئے۔ راجہ جے پال نے لڑکیوں سے

کہا۔ ”ورنہ میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرتا جس سے تمہاری قوم عبرت حاصل کرتی۔
میں تم پر رحم کرتا ہوں۔ تمہیں راج محل میں رکھا جائے گا۔ اپنے مذہب کو بھول جاؤ جس
مذہب سے گھر والے ہیں اگر بتا دیں گے کہ کون کس نے لگائی تھی، اس سزا میں آزاد
کر دیا جائے گا۔ اُس وقت تک تم... راجہ طرہ بہت ہی نہیں پڑا۔

”ہمارا مذہب تمہارے مذہب کی طرح اتنا گھسیانہیں کہ ہم اسے تمہارے حکم
سے بھول جائیں۔“ ایک لڑکی نے کہا۔

”جو اس بندہ کو لگتی۔ ایک دہائی نے گرج کر کہا۔“ تم مداراج کے دربار
میں کھڑی ہو۔“

”مدارج ہمارا خدا نہیں۔“ ایک اور لڑکی نے کہا۔ ”مگر ذرا دور اور عورتوں پر
ہاتھ اٹھانے والا مداراج اس قابل نہیں کہ مسلمانوں کی بیٹیاں اس کی عزت کریں....
یاد رکھو مداراج، ہم ہندی خوشی مندراظم و تم سہیں گی مگر تیرا انجام بہت بُرا ہو گا۔ تو رونا
جلے گا۔ تیرا کوئی دیوتا تجھے بچا نہیں سکے گا۔ تو دوبار شکست کھا چکا ہے۔ ایک نہیں ایک
ہزار لڑکیاں اندر دیوی کے قدموں میں ڈنک کر دے، شکست تیرے مقدمہ میں لکھ دی
جی۔ تو ہمیں سزا دے رہا ہے۔ ہمارا خدا تجھے سزا دے گا۔“

”یہ امرا و حکمران کچھ نہیں سمجھتے کہ مرکز سے کٹ کر ان کی حالت ویسی ہی ہو رہی ہے جیسی درخت سے ٹوٹی ہوئی شاخوں کی ہوتی ہے۔ انہیں پتا چاہتا ہو کہ کچھ جانا اور سوکھ جانا ہے میں ڈرتا ہوں کہ شاخیں اسی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر گر گئی رہیں تو اسلام کا درخت سوکھ جائے گا۔“

”خانہ جنگی کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے اگر آپ کو ایک فیصلہ کن خانہ جنگی لڑنی پڑے تو میں آپ کو اس کی اجازت دیتا ہوں بشرط یہ ہے کہ آپ کی نیت میں فتنہ نہ ہو۔ آپ قوم کو متحد کریں۔ آپ کا مقصد اسلام کا فروغ ہونا چاہیے ہندوستان کے مسلمان دولت کی زندگی گزار رہے ہیں اور ہندوؤں کے دُور سے اور ان کی فریب کاریوں سے بھی اسلام سے دستبردار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ میں آپ کو یہ فرض سونپتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مدد کریں۔ ان کے وقار کا تحفظ کریں۔ ہندوستان کے بہت توڑ کمر واپا اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھیں۔ اگر آپ کی نیت صاف ہوئی اور آپ کے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ ہو اللہ آپ کا مدد کرے گا۔ سلطان کے لیے لڑنے والوں کو اگر کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ عارضی ہوتی ہے۔ دائمی فتح ان کی ہوتی ہے جو حق پر ہوتے ہیں۔“

اس پیام کے ساتھ خلیفہ نے سلطان محمود کو افغانستان، سیستان اور خراسان کی سلطانی کی سند دے کر اسے یمن، العراق اور امین اللہ کے خطابات عطا کیے۔

مشہور تاریخ اور وقائع نگار محمد قاسم فشتہ لکھتا ہے کہ راجہ پتال کے دوست کے محلے کو روکنے میں اور اس کے فوراً بعد خانہ جنگی میں سلطان محمود کی فوج کا جہاں جانی نقصان ہوا وہاں مالی نقصان بھی کچھ کم نہ تھا۔ ”فتح البلاد“ سفرنامہ ابو نصر قسطلی اور ابو الفضل کی تحریریں شاہد ہیں کہ محمود کے دربار میں مختلف علوم کے جتنے عالم تھے، ادیبی مدد و فوج محمود کی تھی اور جتنی عمدہ انتظامیہ تھی، اس کی مثال اُس وقت تک کوئی اور مسلمان حکمران پیش نہیں کر سکا تھا۔ مگر فوج اور سوا انتظامیہ کے اس اوپے میڈر کو برقرار رکھنے پر بہت خرچ اٹھایا تھا۔ ہندوستان میں اور اندوس پڑوس کے دیگر ممالک میں جو جاسوسی

لڑتا ہوا مارا گیا تو میرا جہاد رائے گمان جائے گا اور میں خدا کے حضور سرخرو نہیں ہو سکوں۔ کل میں اپنی سلطنت کی توسیع میں اسلام کا فروغ چاہتا ہوں۔ کچھ تاج سر پر رکھ کر تخت پر بیٹھنے کی سلت ہی کب ملے گی۔ مجھے ہندوستان کے بہت لاکھ رہے ہیں۔ راجہ جے پال ہندوستان کی تمام ریاستوں کی فوجوں سے غزنی پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ میں اُس کی طرف بڑھتا ہوں تو میرے مسلمان بھائی میری پیٹھ پیچھے مار کر تے ہیں۔ اس لحاظ سے ہندو اور مسلمان ایک ہو گئے ہیں۔“

کیا آپ مسلمانوں، طبرستانیوں، غزنیوں، اور ایلمانیوں کو بتا سکتے ہیں کہ ہم سب ایک امت ہیں؟ کیا وہ آپ کی بات نہ نہیں نشین کر لیں گے کہ مرکز سے ٹوٹ کر کوئی ایک بھی مسلمان ریاست باقی نہیں رہ سکے گی؟ خانہ جنگی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ مجھے آپ کی حوصلہ افزائی اور دعا کی ضرورت ہے۔ سلطنت غزنی کی مالی حالت اچھی نہیں رہی۔ آپ میری مالی مدد نہیں کر سکتے۔ میں آپ سے مالی مدد مانگوں گا۔ میرے لیے دعا کریں۔ میں اللہ سے مدد مانگتا ہوں۔“

بغداد سے خلیفہ القادر باللہ عباسی بھی جواب آیا:

”آپ کا پیغام پڑھ کر مجھے انوسوس ہوا ہے۔ حیرت نہیں ہوئی۔ ہماری یہ روایت نئی نہیں کہ اپنے اور دیگر ممالک کا نشانہ بن کر آپ نے مذہب اور بطنی اتحاد کو قربان کر دیا۔ یہ لوگ جو آپس کے خون خرابے کا باعث بنے ہوئے ہیں، اسلام کو اپنی اغراض کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ اپنے بھائیوں کا خون بہانے کے لیے عیسائیوں اور یہودیوں تک سے مدد لیتے ہیں۔ اُمّت رسول اللہ کو اپنی رعایا بنانے کے لیے جھوٹ بول بول کر لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے، اکٹھے اور خانہ جنگی کے لیے تیار کرتے ہیں۔ یہ جلد ہی روایت بن گئی ہے اور یہی ہماری تاریخ بنے گی۔ قوم مسلم کے اُمرا تخت و تاج کے حصول کی خاطر قوم کو گرد و جوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنائے رکھیں گے۔ سلطنت اسلامیہ ریاستوں میں منقسم چلی جائے گی۔ کفار انہیں دے دیتے رہیں گے۔ جتنی پرتیاں ڈالتے رہیں گے اور سلطنت کو ٹکڑوں میں کاٹتے چلے جائیں گے۔“

کی سی تھی جیسے درخت گر کر زمین میں دفن کیا گیا ہو۔ کھاد درخت کے ٹہنوں اور ٹہنیوں کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ یہ خالص سونا تھا جو کسی بادشاہ کا مدفون خزانہ نہیں بلکہ زمین کا مدنی خزانہ تھا۔

مذکورہ مہندس کہتے ہیں کہ محمود کے دور حکومت میں اس کان سے سونا نکلا را۔ اُس کی کثافت کے بعد جب اس کا بیٹا محمود اس کا جائشیں ہوا تو وہ اپنے باپ کے اثاثہ ثابت ہوا اس نے اپنے آپ کو مدائمی بادشاہ بنا لیا۔ سلطان محمود نے سلطنت غزنی کو خالص جس راستے پر ڈالا تھا، وہ راستہ اس کے بیٹے کے دور میں عیش و عشرت ہو گیا۔ ہوں کی تاریخ میں گم ہو گیا۔ سونے کی اس کان کی دولت رقص و سرود اور جام دینا میں اڑنے لگی۔ ایک رات شدید زلزلہ آیا۔ زلزلے کا مرکز یہی مقام تھا جہاں سے سونا برآمد ہو رہا تھا۔ وہاں سے زمین پھٹ گئی۔ پھر زمین جھٹھ گئی۔ اور کان کا پورا علاقہ زمین کے پیٹ میں چلا گیا۔ سونے نے درگاہ کی ایک زمین کھود ڈالی۔ لُٹے مٹی اور پتھروں کے سوا کچھ نہ ملا۔

یہ کان جب برآمد ہوئی تھی اور سلطان محمود غزنوی کو سن ہو گیا تھا کہ یہ خالص سونا ہے تو وہ اپنے پیر مرشد الواکسن غرقانی کے ہاں حاضر ہوئے گیا اور انہیں بتایا کہ اُس کے باپ نے اس کی پیدائش سے پہلے خواب میں ایک درخت دیکھا تھا جو گھر کے ایک کمرے سے اُگھا، اٹھا، چھت چھاڑ کر اوپر گیا اور اس نے آدھی دنیا پر اپنے ٹہنوں اور ٹہنیوں کا چھاتہ پھیلا دیا تھا۔

”اور اس کے بعد میں پیدا ہوا“ محمود نے کہا۔ ”اُس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی تھی کہ میں دور دور تک اسلام کی روشنی پھیلاؤں گا۔ اب سونے کی جہاں برآمد ہوئی ہے اس کی شکل بھی درخت کی سی ہے۔ کان کھدائی میں نہیں گئی۔ سطح زمین کے ساتھ ساتھ درخت کی شاخوں کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ پیر مرشد سمجھے بتائیے کہ یہ خدا سے زدا کمال کا کوئی اشارہ ہے یا کیا ہے؟“

”جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے، اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں“

نظام حاکم کیا گیا تھا۔ اس کے اخراجات بھی خاصے زیادہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان محمود کو مالی پریشانیوں نے گھیر لیا۔

اسی دنوں جب سلطان محمود غزنوی ایک طرف خانہ جنگی میں الجھا ہوا تھا، دوسری طرف ہندوستان کا لشکر غزنی پر حملہ کرنے آ رہا تھا، تیسری طرف مالی پریشانی اور چوتھی طرف یہ عالم کہ جن سے مالی اور فوجی مدد ملنی چاہیے تھی وہ ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ایک روز اس کے غزنی کے دربار میں دو اجنبی آئے۔ یہ سیٹاں کے ایک مافک کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے مافک کو پانی دوسے بتا تھا۔ انہوں نے گاؤں سے دُور ایک دیہانے میں کھنواں کھود شروع کیا۔ زمین کی سطح کی حالت بتائی تھی کہ پانی زیادہ گہرائی میں نہیں ہو گا اور زمین نرم ہوگی۔ گہرائی میں کھدائی کی تو آگے زمین پھر دلہن کی سخت ہو گئی۔

”سلطان غراسان و سیستان! ایک مسافر نے کہا۔“ اگر زمین صرف سخت ہوتی اور پتھر کی سلیس ہوتی تو ہم کھدائی ترک کر دیتے۔ ہم حیران اس پر ہونے کے جس نے ہماری کھدائیوں کو روک لیا ہے وہ چٹکی ہوئی کوئی چیز ہے۔ یہ پتھر نہیں ہو سکتے۔ پتھروں میں ایسی چٹکی نہیں ہوتی۔ یہ کوئی دھات ہے اور یہ کسی پرانے بادشاہ کا مدفون خزانہ ہے۔ کہتے ہیں کہ جہاں مدفون خزانہ ہوتا ہے وہاں جنات اور خزانہ دفن کرنے والوں کی بددعا میں موجود رہتی ہیں۔ ہم یہ عرض بے کرا آتے ہیں کہ اگر یہ خزانہ ہی ہے تو یہ بے نقاب ہو چکا ہے گاؤں والوں پر خوف طاری ہے۔ کوئی بھی خزانے کے قریب نہیں جاتا۔ ہمیں ایک بزرگ نے کہا ہے کہ سلطان کو اطلاع دے دو جانا۔“

سلطان محمود نے اُسی وقت ان آدمیوں کے ساتھ اپنے دربار کے دو عاملوں اور فوج کے دو چار حاکموں کو اس حکم کے ساتھ بھیج دیا کہ جنات اور بدروحوں سے ڈرنے کی بجائے مزید کھدائی کریں اور معلوم کریں کہ یہ کیا ہے۔

کچھ دنوں بعد سلطان محمود کو اطلاع دی گئی کہ یہ مدفون خزانہ نہیں بلکہ سونے کی کان ہے جو سب زمین سے صرف چار پانچ فٹ نیچے ہے۔ اس کی کھدائی کی گئی تو کچھ قائم فرش اور گردیزی کے مطابق خاصے وسیع علاقے میں سونا برآمد ہوا۔ اس کان کی شکل درخت

سلطانی کی دستار رکھ دی جائے وہ سرِ حق خدا کے آگے جھکے اتنا ہی بندوں کے آگے جھکے۔ اگر نہیں تو ایسے سلطان کے رکوع و سجود رائیگاں جلتے ہیں کیونکہ یہ دکھانے کے ہوتے ہیں، اللہ کے بندوں کو فریب دینے کے لیے ہوتے ہیں جس نے اللہ کے بندوں کو جہانی اور روحانی بھوک دی وہ اللہ کے حضور جاکر روزِ کور واز ہو جہاں اس کی علیا کی آپس اور فرمادیں اور رنج و آلام جو سلطان نے دیئے، وہ سب انکار سے بن کر اسے جلاتے رہیں گے، پتھریں کراؤں سے ڈستے رہیں گے۔۔۔۔

”تو نے خدا سے مدد مانگی، خدا نے تجھے مدد دی مگر دیکھ اور سوچ کہ تو خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر نہیں، آسمان سے آتا ہوا فرشتہ نہیں، پھر خدا نے اپنی زمین کا سیدہ چاک کر کے تیری سلطنت کو سونے میں کیوں نہ لا دیا؟ یہ سونا تیرا نہیں، تیری سلطنت کا ہے۔ یہ سونا تیری سلطنت کی توسیع کے لیے ہے، اگر تو تخت و تاج کے نشے میں بھول جائے گا کہ تیرے فرائض کیا ہیں اور بندوں کے کتنے حقوق تیرے سر ہیں تو زمین اپنی دولت نعل سے لے گی جو خدا دیتا ہے وہ لے بھی لیتا ہے۔ اس اشارے کو سمجھو محمدؐ! اپنے پیروں پر شہ ولی ابوالکسن فرغانی سے روحانی فیض حاصل کر کے سلطان محمودؒ نے اپنی توجہ سلطنت کی انتظامیہ اور فوج پر مرکوز کر دی۔ اس نے قوم کو آستانِ شمال کر دیا کہ لوگ اپنے بیٹوں کو فوج میں بھیجنے لگے، سلطان محمودؒ نے حقوق العباد پر سب سے زیادہ توجہ دی۔

سلطان محمودؒ کو ہندوستان کی اطلاع کا انتظار تھا۔

”ادھر سے کوئی اطلاع نہ آئے کامطلب یہی ہو سکتا ہے کہ راجہ جے پال شکست تسلیم کر کے بیٹھ گیا ہے۔“ یہ سالار نے کہا۔ اس صورت میں ہمیں ہندوستان پر حملے کی تیاری کرنی چاہیے۔“

”وہ حملہ ضرور کرے گا۔“ سلطان محمودؒ نے کہا۔ ”میں اسے یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ میں اُس کے ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا کیلئے بہتر نہیں کہ وہ ایسے ملک سے

— ابوالکسن فرغانی نے کہا۔ اور جو ستارے دل میں ہے خدا کو اس کا بھی علم ہے۔ خدا ستارے متعلق وہ بھی جانتا ہے جو تم خود بھی نہیں جانتے۔ درخت ایک شاخہ بنے جو زمین میں نہیں، ہر سلطان اور بادشاہ کو سمجھنا چاہیے، خدا ایسے اشارے صرف انہیں دیا کرتا ہے جو اس کے رسول کی امت سے ہیں۔ ہم نے اگر دل میں خدا اللہ اُس کے رسول کو جگہ دے رکھی ہے تو اُس کے اشارے کو سمجھو۔ ہم نے خدا کی راہ میں جہاد کیا تم نے انہیں بھی شکست دی جو سلطان ہوتے ہوئے دینِ مسلم سے مخوف ہوئے اور تخت و تاج کی خاطر حزب اللہ کا خون حزب اللہ کے ہاتھوں سے لیا یا تم نے فتح پائی مگر اتنے بد حال ہوئے کہ درہم و دینار کے متاع ہوئے۔ تم نے کہا کہ صرف اللہ سے مدد مانگوں گا۔ پس اللہ نے تمہاری مدد کی، اپنی زمین کا سیدہ چیر کر تیری جھولی بھر دی اور سنا درخت کی شکل میں دیا۔۔۔۔

”ہر سلطان کو درخت کی مانند ہونا چاہیے۔ ایسے درخت کی مانند جو دھوپ کے جھلے ہوئے انسانوں کو ٹھنڈی چھاؤں دیتا کرتا ہے۔ زندگی کے کلن سفر کے تھکے ہوئے لوگ درخت کے نیچے آگرتے اور ستاتے ہیں۔ ٹھکن سے جو جسم ترو کاڑھ ہو جاتے ہیں تو مسافر پہلے سے زیادہ کسٹھن سفر کے قابل ہو جاتے ہیں۔ درخت اپنی روزی زمین سے حاصل کرتا ہے، انسان کا خون نہیں جو ستارے سے لے لیتا اور لوگوں کو چھاؤں دیتا ہے۔ لوگوں سے لیتا کچھ نہیں۔۔۔ محمودؒ ٹھنڈی چھاؤں والے گھنے درخت کو تصور میں لاؤ۔ اس کی خوبیاں ستارے سامنے نکھر آئیں گی۔ خدا کا یہ اشارہ نہیں حکم ہے کہ اپنے آپ میں یہ خوبیاں پیکرِ ونیہ و بن میں رکھو کہ انسان بڑا بے دانا اور اچھا ہے درخت کو کاٹ لیتا ہے۔ درخت انسان کو نہیں کاٹتا۔ درخت کٹ جائے تو انسان کے کام آتا ہے اس کا پلنگ بنتا ہے، اندھے اور نگڑے کی لائق بنتا ہے۔ سلطان کا تخت بنتا ہے۔۔۔۔

”مگر راجہ راجہ محمودؒ! جب سلطان اپنے آپ کو انسانوں کا حاکم اور روزی رسا بن کر اپنے آپ کو درخت کی صفات سے محروم کر لیتا ہے تو تخت اللہ سے نہیں گنتی۔ انسان کو روچیز نہیں شیطاں بناتی ہیں، سونا اور سلطانی، وہ انسان بھی شیطاں بن جاتا ہے جسے یہ دونوں چیزیں تو حاصل نہ ہوں لیکن وہ اپنے دل میں ان کی ہوس پیدا کر لے جس سر پر

لنا دیا گیا۔ سبلیٹ گئے اور فوراً ہی گہری نیند سو گئے۔

کچھ دیر بعد فاطمہ نے عمران بلاذری کو جگایا اور اُسے پر سے لگائی۔

”تم اس ہندو لڑکی کو بھی ساتھ لے جا رہے ہو اور مجھے بھی؟“ فاطمہ نے کہا۔
”میرا مستقبل کیا ہو گا؟“

”اس وقت میرے سامنے سلطنتِ غزنی کا مستقبل ہے۔“ عمران نے جواب دیا۔
”اپنے ملک میں پہنچ کر تمہارے مستقبل کے لیے سوچو۔ میرے فرض کے راستے میں نہ آؤ۔“

”میرے دل میں دم بھر گیا ہے اور یہ مجھے ڈرا رہا ہے۔“ فاطمہ نے کہا۔ ”تم اپنے ملک کا فرض ادا کر رہے ہو میں نے تمہاری جودگی ہے وہ تمہاری خاطر کی ہے میں نے جو گناہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے کیا تھا، اس کا کفارہ اسی طرح ادا کیا ہے جس طرح تم نے کیا تھا میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ تمہیں رشی بل گئی ہے مگر تم مجھے نہیں بل سکو گے۔ اسے تم اپنے لیے لے جا رہے ہو۔“

”کیا تمہاری روح کو چین نہیں آیا؟“ عمران بلاذری نے پوچھا۔ ”یہی رشی متیں چڑیل بن کر ڈالتی رہی ہے۔ اب یہ تمہارے ساتھ ہے۔ تمہیں اس سے ڈر تو نہیں آتا، تمہاری روح پر اب گناہ کا کوئی بوجھ نہیں رہا۔“

”میرے ساتھ روح کی باتیں نہ کرو عمران!“ فاطمہ نے فیند اور تذبذب سے بوجھل آواز میں کہا۔ ”میرا جسم بیجا گیا تھا۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ جو کچھ ہے جسم کہ ہے۔“

”سنو فاطمہ!“ عمران نے جھنجھلا کر کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے ہماری رازیں جدا ادا ہماری منزلیں جدا ہیں میں تمہیں اپنا بھید بتا دیتا ہوں میں خدا کی راہ میں لڑنے والا سپاہی ہوں میں تمہارے ملک کا رہنے والا نہیں میں غزنی کے علاقے کا باشندہ ہوں اور میں غزنی کا جاسوس ہوں یہ دونوں مسلمان اُس فوج کے عہدیدار ہیں جس نے راجہ جے پال کو دوبار شکست دی ہے۔ یہ دونوں پکڑے گئے تھے اور

وہوہیں راجہ کی قید میں تھے میں نے انہیں فرار کرایا ہے۔ تم جسم کے حُسن اور جسم کی خواہشات پر قربان ہوئی جا رہی ہو ہم جہانی خواہشات قربان کر چکے ہیں۔ یہ سن بھائی بندوہیں اور اپنے مذہب سے منحرف ہو چکے ہیں۔ یہ فرض بھی میں نے اپنے اوپر لیا تھا کہ انہیں کلرے نکالوں۔ اب تمہیں ثابت کرنا ہے کہ اسلام ایک عظیم مذہب ہے۔ اب جسم کی باتیں چھوڑ دو ہم دشمن کے ملک سے گزر رہے ہیں موت ہمارے تعاقب میں ہے تمہیں اپنے مذہب کی عظمت پر قربان ہونے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“ عمران جذباتی انداز سے حقیقت کی باتیں کر رہا تھا مگر فاطمہ کے چہرے پر اکٹا ہٹ سی تھی جیسے عمران کی بات اس کی سمجھ سے بالا ہو، یادہ بھگائی نہ چاہتی ہو۔ اُس کے خیالوں میں اپنا ماضی تھا جس میں وہ عمران کے حل اور غزنی کے مستقبل کو فکا کرنے پر مبنی ہوئی تھی۔ اُس نے کوئی بات کی تو دیکھا کہ عمران اُس کی طرف متوجہ نہیں۔ اس کی نظریں اپنے سامنے کھین اور جی ہوئی تھیں عمران کے منہ سے سرگوشی نکل رہی تھی۔ ”رشی“ اور وہ اٹھا کر چل پڑا۔ فاطمہ نے دیکھا۔ رشی آہستہ آہستہ اس طرح چلی آ رہی تھی جیسے خراب میں چل رہی ہو۔

عمران آہستہ آہستہ چلتا اُس کی طرف گیا۔ رشی نے قریب آ کر باہیں عمران کے گلے میں ڈال دیں پھر چہرہ اس کے سینے سے لگا کر بچے کی طرح گال اس کے سینے سے رگڑنے لگی۔ عمران نے اُس کا سراٹھایا۔ فاطمہ قریب پہنچی دیکھ رہی تھی اور اُس کا خون کھول رہا تھا۔

”میں کہاں تھی؟“ رشی نے حیرت زدہ سرگوشی کی۔ ”تم کہاں تھے؟ ہم کہاں ہیں؟ میرا بھائی اور دو آدمی دھاں پڑے ہیں۔ وہ زندہ ہیں؟“ اُس نے فاطمہ کو دیکھا تو عمران سے الگ ہو کر بولی۔ ”یہ کون ہے؟ تمہاری بہن تو نہیں ہو سکتی۔ اسے کہاں سے لائے ہو؟“

”جو شش ٹھکانے کر ہو رشی! سب کچھ بتاؤں گا۔“ عمران نے کہا اور اسے بٹھا لیا۔ ”ہم تمہیں ہندوؤں سے چھین لائے ہیں۔“
”یاد آ گیا ہے۔“ رشی نے کہا۔ ”مجھے پنڈت دیوی پر قربان لڑنے کے

اور اب منزل تک اسی کا حکم چلے گا سب نے یہ فیصلہ منظور کر کے اتفاقاً ہی اور زیورات
عمران کے حوالے کر دیے۔ یہ اچھا خاصہ فرار تھا۔ اس میں چاندی نہ سکتے تھے دزن
اتنا تھا جو گمر بند کے ساتھ بانڈھ کر نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔ یہ چمڑے کی ایک تھیلی میں ڈال
دیا گیا اور تھیلی عمران نے اپنی تولیہ میں لے لی۔ اس نے سب کو خبردار کر دیا کہ راستے میں
ڈاکوؤں کا خطرہ ہے۔ اس تھیلی کے علاوہ ڈاکوؤں کے لیے دوسری شش درجہ کیوں کی تھی
جو عمراد حسن کے لحاظ سے ہر کسی کی نظروں کو گرتا کر لیتی تھیں۔ ڈاکوؤں پر ہزہنوں اور ساجہ
کے مجرموں سے بچنے کا طریقہ یہ تھا کہ رات کو سفر کیا جائے۔ چونکہ غزنی جملی سپہنشا تھا اس
لیے کم سے کم آرام اور قیام کرنا تھا۔

صبح غروب ہو گیا تو وہ چل پڑے۔ فاطمہ عمران کے پیچھے سوار ہوئی اور رشی
جگ موہن کے پیچھے چلتے چلتے قائم بلنی نے اپنا گھوڑا اچھکے رہا۔ اس کی مجبوری یہ
تھی کہ وہ اپنی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں سمجھتا تھا۔ نظام اور یزیدی کی بھی یہی
شکل تھی صرف عمران تھا جو ان کی زبان سمجھتا اور بولتا تھا اور وہ ہندوستان کی زبان
بھی اپنی مادری زبان کی طرح روانی سے بول سکتا تھا۔ بلنی کو تو کبھی ہٹا دیکھ کر نظام
اور یزیدی نے بھی گپ شپ لگانے کے لیے اپنا گھوڑا پیچھے کر کے قائم بلنی کے ساتھ
کر لیا۔ بلنی نے گھوڑا اور آہستہ کر کے عمران وغیرہ سے زیادہ فاصلے پر کر لیا۔
”کیا تم اس عمران پر اعتماد کر سکتے ہو جو دو جوان لڑکیاں اپنے ساتھ لے جا رہا
ہے؟“ قائم بلنی نے اور یزیدی سے پوچھا۔ ”تم نے اتنا زیادہ غزا نہ بھی اس کے حوالے
کیا ہے۔ یہی دو چیزیں انسان کا ایمان برباد کیا کرتی ہیں۔۔۔ سونا اور حسین عورت۔“
”اگر عمران قابل اعتماد نہ ہوتا تو ہمیں فرار کرانے کی بجائے اس ہندو لڑکی کو پٹا توڑ
کے قبضے میں جلنے سے پہلے ہی اپنے ساتھ لے کر لایا ہوتا۔“
نظام اور یزیدی نے کہا ”فاطمہ کو اس نے غیر معمولی دانشمندی سے استعمال کیا ہے۔
چونکہ لڑکی اپنے خاوند سے بھاگ چلائی تھی، اس لیے عمران نے سلطنت کے
خاندان کے پیش نظر فاطمہ کو خاوند سے نجات دلائی۔“

لے لینے آئے تھے، پھر علوم نہیں کیا ہوا تھا۔۔۔ وہ کہاں ہیں؟ میں شاید جواب
دیکھ رہی ہوں۔“

”اس لڑکی کا نام فاطمہ ہے۔ عمران نے کہا۔“ یہ ہماری مدد نہ کرتی تو ہم
داں تک کبھی بھی نہ پہنچ سکتے جہاں تیس دنیا کی نظروں سے اوجھل کر گیا تھا۔“
عمران بلاذری نے اسے تفصیل سے بتا دیا کہ اسے پندت کس طرح اور
کہاں لے گئے تھے اور اسے داں سے آزاد کرانے کے لیے کس طرح فاطمہ
کو استعمال کیا گیا تھا۔ عمران نے یہ بھی اسے بتا دیا کہ فاطمہ ایسے بڑے خاوند سے
بھاگی ہے جس کی پہلے ہی دو بیویاں ہیں۔ رشی کو فاطمہ اس لحاظ سے تو اچھی لگی کہ
اُس نے اسے موت کے منہ سے بچا ہے۔ اگر اس کی عمر اس کی شکل و صورت اور جسم
کا حسن دیکھ کر رشی کے دلائل عمران کے متعلق دسویں پیدا ہو گئے۔ وہ فاطمہ کو خوش
لگا ہوں سے دیکھنے لگی۔

انہی میں نظام اور یزیدی اور جگ موہن آگئے۔ وہ رشی کو ڈھونڈ رہے تھے۔
رشی کے دماغ سے اُس دماغ کا اثر اتر چکا تھا جو اسے نیلوں والے مندر میں بلائی
جائی رہی تھی۔ اسے بائبل یا کہیں نہ تھا وہ کہاں رہی ہے اور اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا رہا ہے۔
”وہ دستو!“ عمران نے کہا۔ ”ہمارے سامنے ہنسی کی لہری اور ہنسی کی صافست
ہے میرے پاس سونے کے کچھ سکے ہیں جو راستے میں کام آئیں گے لیکن ہم جھیل سے
یہ پانی اور خوراک حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔“

”تم نے مجھے بتایا تھا کہ رشی مل گئی تو ہم واپس نہیں آئیں گے۔“ جگ موہن
نے کہا۔ ”اس لیے میں گھر سے بہت کچھ لایا ہوں۔“ اس نے کپڑوں کے نیچے
گمر بند کے ساتھ بندھی ہوئی ایک تھیل کھولی۔ اس میں نقدی کے علاوہ
رشی کے زیورات تھے۔

فاطمہ کو بھی عمران نے کہا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیگا اس لیے وہ بھی
نقدی اور زیورات اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ نظام اور یزیدی نے مسلمانوں کے دستور
کے مطابق عمران کو میر کارواں قرار دے دیا اور کہا کہ یہ تمام شے اوداہ عمران کے حوالے کر دیا جائیگا

”تمیں یہ ہندو لڑکی کیل آئی اچھی لگتی ہے؟“ فاطمہ نے پوچھا۔ وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت تو نہیں۔“

”فاطمہ! عمران نے کہا۔ میں جو باتیں تمیں کر چکا ہوں انہیں دُہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا میں تمیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمان عورت کو غیر مسلم عورت سے مختلف اور بلند ہونا چاہیے۔ میں اس وقت جسم سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ تم بہت حسین ہو۔ تمہارا جسم آگ کی مانند ہے جو مجھ جیسے جوان آدمی کے دین و ایمان کو جلا کر اگھ کر سکتا ہے اور تم کو شش کر رہی ہو کہ میں تمہاری آگ کی لپیٹ میں آ جاؤں، لیکن میں دنیاوی لذتوں سے دستبردار ہو چکا ہوں میرے ساتھیوں نے مجھے اپنا امیر منتخب کیا ہے۔ میں نے اپنی خواہشات اور اپنے جذبات فاطمہ پر قربان کر دیئے ہیں۔ امیر مقرر فاطمہ کا ہو یا پوری قوم کا، اسے اپنی ذات، اپنی خواہشات اور اپنی تنہاؤں سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ اُس کے ذہن میں دوستی اور دشمنی کا تصور بھی بدل جاتا ہے۔ اُسے قافلے اور قوم کے مفادات دیکھنے پڑتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ قوم کا مجرم ہے۔ غدار ہے۔“

”تم پتھر کے بُت ہو۔“ فاطمہ نے ہنسیلا کر کہا۔ مے جان بُت جن کی پوجا آئی خوبصورت ہندو عورتیں کرتی ہیں مگر تراشے ہوئے ان پتھروں کے اندر نہ کوئی احساس پیدا ہوتا ہے نہ کوئی جذبہ۔“

اور عمران یوں ہنس پڑا جیسے اُس نے حسین بچاریوں اور پتھر کے بتوں کا مذاق اڑایا ہو۔

”ان دونوں لڑکیوں کا غزنی کی سلطنت کے نفع و نقصان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟“ قاسم لمبھی نے کہا۔ ”یہ اس شخص کی عیاشی کا ذاتی انتظام ہے اور اس کے اغراضات یہ سلطنت کے غزانے سے پورے کر رہا ہے۔ مجھے اس پر اعتماد نہیں ہے۔ تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ فاطمہ خاوند والی عورت ہے۔ جب تک طلاق نہ لے اس کی شادی کسی اور کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ تم دیکھ لینا عمران اسے اپنی داشتہ بنائے گا اور اس ہندو لڑکی کو مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کرے گا۔“

”مجھے تمہاری باتوں سے بہ اعتمادی کی نہیں حد کی بو آ رہی ہے۔“ نظام ادیزئی نے کہا۔ ”تم اپنا دھیان ان لڑکیوں سے بنا لو تمہیں شاید احساس نہیں کہ قید سے ہماری روٹنی ہماری کتنی بڑی خوش نصیبی ہے۔ ہمیں اس کافر لہجے کے قید خانے میں تڑپ تڑپ کر مرننا تھا۔ بھابھہ یہ ان جنگ میں مرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ہمیں غزنی پہنچ کر اپنی فوج میں شامل ہونا اور ہندوستان کے کفار کے خلاف لڑنا ہے۔ عمران کسی کو داشتہ رکھتا ہے کسی کے ساتھ شادی کرتا ہے، ہمدان اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔“

”ہم فوج کے عہدیدار ہیں۔“ قاسم لمبھی نے کہا۔ ”عمران کا تجربہ ہم سے کم ہے۔ میں اس کے ذاتی کردار کی اصلاح کر سکتا ہوں۔“

”ہم اسے اس سفر میں اپنا امیر مقرر کر چکے ہیں۔“ نظام ادیزئی نے کہا۔ ”اُس نے کوئی غلط حرکت کی تو ہم اسے روکیں گے مگر اس کی ذاتی سطح پر ہم کوئی بات نہیں کریں گے۔ یہیں صحیح سلامت اور بہت جلد غزنی پہنچنا اور سلطان کو خبردار کرنا ہے کہ وہ راجہ بچے پال کا حملہ دیکھنے کی تیاری کر لے۔“

”تم سادہ لوح انسان ہو۔“ قاسم لمبھی نے کہا۔ ”یہ شخص ہمیں دھوکا دے گا۔“

”اُدھر فاطمہ عمران ملاذری کے پیچھے سوار اُس کے کندھے پر اٹھ رکھے ہوئے تھی۔ اُس کا جسم گھوڑے کی چال کے ساتھ عمران کے جسم سے مل کر جا رہا تھا۔ عمران محسوس کر رہا تھا کہ فاطمہ کی باتوں میں لٹے کی کیفیت ہے۔“

قاسم یعنی نے اُسکے اٹھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیے، پھر اسے اپنے ساتھ لگایا۔
 فاطمہ کے دیکھتے ہوئے جذبات نے اس کے جسم کو منور بنا رکھا تھا جس میں اس کی روح
 جل گئی تھی۔ فاطمہ ان اشاروں کو سمجھ گئی، یعنی نے اُسے اس طرح اپنے بازوؤں میں لے
 لیا تھا جس طرح وہ عمران کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لینے کو تیار رہتی تھی۔ قاسم یعنی کے
 بازوؤں کا گھیرا اور تنگ ہوا تو فاطمہ کے ذہن میں عمران کی تصویر دھندل ہونے لگی۔
 قاسم یعنی اُسے ذرا اور پرے لے گیا اور ایک جگہ بٹھا کر بے پاؤں عمران کے
 قریب چلا گیا، عمران ٹھکن اور حوالی کی گہری مینہ سویا ہوا تھا، چہرے کی وہ پھیلی جس میں سونے
 کے سکون اور زیورات کی شکل میں زاد راہ بند تھا، عمران کے سر کے قریب پڑی تھی۔
 یعنی نے نہایت آہستہ آہستہ پھیلی کی طرف اٹھ بڑھایا اور پھیلی اٹھالی، عمران کی آنکھ نہ
 کھلی، یعنی جس طرح دبے پاؤں آیا تھا اسی طرح دبے پاؤں چلا گیا۔ اُس نے فاطمہ کو پھیلی
 دی اور اُسے اپنے ساتھ گھوڑوں تک لے گیا، گھوڑے کچھ دُور بندھے تھے، یعنی نے
 دو گھوڑوں پر زینیں ڈالیں۔ ایک گھوڑے کی نگام فاطمہ کے اٹھوں میں دی، دوسرے
 کی خود پکڑی اور نہایت آہستہ آہستہ دونوں اٹھ پڑے۔
 کچھ دُور پہلی چلے۔ قاسم یعنی نے فاطمہ کو گھوڑے پر سوار ہونے کا اشارہ کیا۔
 اُس نے سر ہلا کر بتایا کہ وہ گھوڑا سوار نہیں کر سکتی، یعنی نے اس کے گھوڑے کی نگام
 اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ لی اور فاطمہ کو اپنے گھوڑے پر اپنے آگے سوار
 کر لیا، پھیلی فاطمہ کے اٹھ میں تھی، یعنی نے ایک بازو فاطمہ کے گرد لپیٹ کر اُس کی پیٹھ
 اپنے ساتھ لگال اور گھوڑے کو اڑا دیا۔ اُسے اب بھگان تھا۔ دو گھوڑے سرپٹ
 دھڑے تو ان کے ہاتھوں کی آواز بے آب و گیاہ وادیوں میں گونجی۔
 سب سے پہلے عمران کی آنکھ کھلی، رات کے سنانے میں دو گھوڑوں کے سنوں
 کی آواز اتنی بلند سالی دے رہی تھی جیسے باغی قریب ہوں عمران نے سب سے
 پہلے پھیلی دیکھی۔ دُعاں پھیلی میں تھی، نظام اور زری اور جگ موہن بھی جو جابن چکا تھا،
 جاگ اٹھے، انہوں نے جا کر اپنے گھوڑے دیکھے۔ دو گھوڑے غائب تھے، قاسم یعنی
 اور فاطمہ بھی نہیں تھے۔

اُسی روز کا ذکر ہے کہ ایک بڑا دُور میں فاطمہ عمران کے سامنے اپنے اپنے کھولتے
 ہوئے جذبات کو سرور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی تشنگی بڑھتی جا رہی تھی مگر عمران کا
 رویہ وہی تھا جو پہلے روز تھا۔
 ”تم پتھر ہو“ فاطمہ نے دیوانگی کی کیفیت میں عمران کے منہ پر پتھر مار کر کہا۔
 ”تم مٹی کی ڈھیری ہو“ اور وہ اٹھ کر پرے چلی گئی۔
 فاطمہ پشاور سے ہٹ کر گزرتا اُن پرانیوں میں داخل ہو چکا تھا جہاں آج کا
 دُور خیر ہے۔ عمران اس راستے سے واقف تھا اس سلسلہ کوستان میں مالی کی طاقت
 کتنی عمران اس میں داخل ہونے سے پہلے ایک گاؤں میں جا کر فاطمہ کے کھانے کی چیزیں
 لے آیا تھا۔ اُس نے سب کو خوشخبری سالی تھی کہ اب وہ محفوظ علاقے میں آگئے ہیں
 جہاں پکڑے جانے کا خطرہ نہیں رہا۔
 اسی علاقے میں انہوں نے قیام کیا، موسم گرمیوں کا تھا اور یہ بازار بے آب گیاہ تھے۔
 دن کے وقت ان سے شعلے نکلنے لگتے تھے پتھر دیکھتے انگاروں کی طرح گرم رہتے تھے۔
 آدھی رات تک فاطمہ چلا رہا، پھر آرام کے لیے رک گیا، گھوڑے الگ باندھ دیئے
 گئے۔ سب ادھر ادھر لیٹ گئے، عمران ہر رات کی طرح سب سے ہٹ کر لیٹا۔
 ٹھکن نے سب کو فوراً اسلاید چاند جو آدھی رات کے بعد اُپر آیا کرتا تھا، پرانیوں
 کے عقب میں اٹھا آرا تھا۔
 قاسم یعنی کی آنکھ کھل گئی، اُس نے اپنے قریب سے ایک سایہ گزرتے دیکھا۔
 یعنی اٹھ بیٹھا، اُس کے ہم سفر اُس سے دُور دور گہری مینہ سے منوئے تھے، قاسم یعنی
 نے سرگرمی کی۔ فاطمہ اُسے سایہ رک گیا، وہ فاطمہ ہی تھی، مگر قاسم یعنی فاطمہ کے علاوہ اور
 کوئی ایسا لفظ نہیں بول سکتا تھا جو فاطمہ سمجھ سکتی۔ اس نے اشاروں میں ایسا مدعا فاطمہ
 کو سمجھانے کی کوشش کی، اُس طرف اشارہ کیا جدھر عمران سویا ہوا تھا، پھر نفرت کا
 نظارہ کیا، اُس نے اشارے کیے جو فاطمہ سمجھ گئی۔ وہ اسے کہہ رہا تھا کہ عمران اچھا
 آدمی نہیں اور وہ اسے (فاطمہ کو) دھوکہ دے رہا ہے۔ وہ رشی کے ساتھ شادی کرے
 گا۔ یہ فاطمہ نے اپنے اتنے قیمتی زیورات عمران کو دے کر غلطی کی ہے۔

کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ قاسم لمبی اُس رستے پر جا رہا تھا جو اُن فوجوں نے بنایا تھا جو ہندوستان پر حملہ آور ہوئی تھی۔ قاسم لمبی اسی رستے سے قیدی کی حیثیت سے راجہ جے پال کی کچی کھلی فوج کے ساتھ آیا تھا۔ یہ واحد راستہ تھا جس پر بھٹکنے کا خطرہ نہیں تھا، مگر سو درج پہاڑوں کے عقب سے ابھرتا تو قاسم لمبی کو پہاڑوں کا ایک ایک پتھر نظر آنے لگا۔ تب اُسے خیال آیا کہ وہ مجرم بندہ جو رہے اور وہ دور سے نظر آسکتا ہے۔ یہ خطرہ تو تھا ہی کہ عمران اور نظام اور بڑی اس کے تعاقب میں آئیں گے، اسی لیے وہ گھوڑا ادا تارہا تھا۔ وہ پرانا سپاہی اور تجربہ کار سوار تھا مگر ذہن پر جرم کا جو بوجھ تھا، اس نے اُسے سوچنے ہی نہ دیا کہ گھوڑے ٹھک جائیں گے، علاوہ

میدانی سنیں۔ پہاڑی تھا۔ راستہ گھومنا اور اوپر ہی اوپر چڑھنا جا رہا تھا۔ اس گھوڑے کی حالت تو بہت بُری ہو چکی تھی جس پر وہ فاطمہ کے ساتھ سوار تھا۔ اس کا پسینہ اتنا چھوٹا تھا کہ جسم سے ٹپک رہا تھا۔ سانس پھول گئی تھیں۔ دوسرے گھوڑے کی حالت اس لیے کچھ بہتر تھی کہ اس کی پیٹھ پر درخت نہیں تھا۔ قاسم لمبی نے گھوڑا روک لیا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ گھاس کی کھیس ایک پتی بھی نظر نہیں آئی تھی نہ کیس پانی کا نام نشان تھا۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ اُس کے ساتھی اس کے تعاقب میں آ رہے ہوں گے، وہ راستے سے اُتر گیا اور ایک عمدی چٹان کے سائے میں جا نکلا۔ ذرا سی دیر گھومنے کو آرام دیا پھر وہ دوسرے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اوپر اُکھڑے راستے پر چل پڑے۔ قاسم لمبی نے فاطمہ کو رات کی طرح اپنے آگے بٹھار کھا تھا۔ رقم والی تھیلی فاطمہ کے ہاتھ میں تھی۔ قاسم لمبی نے اس گھوڑے کو بھی دوڑانا شروع کر دیا۔

اُس کے تعاقب میں کوئی بھی نہیں آ رہا تھا۔ عمران اپنے ساتھیوں کے ساتھ انسان کے پیدل چلنے کی رفتار سے چلا جا رہا تھا۔ وہ باری باری گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ رشی کو سوار ہی رہنے دیا گیا۔ سورج اوپر آ گیا تو بھی وہ چلتے گئے پہاڑوں کا سایہ انہیں فائدہ دے رہا تھا۔ گرمی بڑھ رہی تھی۔ پہاڑ چھٹنے لگے۔ انہوں نے راستے سے اتر کر ایک جگہ دیکھ لی جہاں شاہک سائہ رہ سکتا تھا۔ عمران نے اپنے قافلے کو شاہک کے لیے دامن روک لیا۔

”وہ دُور نہیں گئے ہوں گے۔“ نظام اور بڑی نے عمران سے اپنی زبان میں کہہ کر چلوں گے۔ وہ فوجوں ان کا چھپا کتے ہیں اس شخص کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیں گا۔“

”نہیں۔“ عمران نے کہا۔ ”وہ جس لڑکی کے لیے گیا ہے وہ ہمدی ملکیت نہیں تھی اور وہ جو قلم اور زیورات لے گیا ہے، وہ سلطنت غزنی کا خزانہ نہیں تھا۔ انہیں پکڑنا ہمارے فرائض میں شامل نہیں بلکہ فرض سے انحراف ہے۔۔۔ نظام بھائی! میں تم دونوں کو لاہور کی قید سے اسی لیے جلدی فرار کرانا چاہتا تھا کہ راجہ کا انگلا عربہ یہ ہوتا کہ تم دونوں کے درمیان ایک بڑی جین ہندو لڑکی بٹھا دی جاتی، پھر تم دونوں بھول ہی جاتے کہ تمہارا وطن کون سا اور تمہارا مذہب کیا ہے۔ تم ہندو راج کے آلہ کار بن کر اپنی سلطنت کے لیے خطرہ بن جاتے۔ یہ نرسائی حُسن اور سونے کا جادو ہے جو پھر دلوں کو موم کر دیا کرتا ہے۔ یہ دین و ایمان کا بڑا ہی سخت امتحان ہوتا ہے۔“

گھوڑوں کی آواز بہت دور چلی گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد رات کے سناٹے میں تحلیل ہو گئی۔

”میری توفینہ از گئی ہے۔“ نظام اور بڑی نے کہا۔ ”چلو چل پڑیں۔“

ایک گھوڑے پر رشی کو اور دوسرے پر جگ موہن کو سوار کیا گیا۔ عمران اور اور بڑی پیدل چل پڑے۔ انہوں نے لے لیا کہ وہ باری باری گھوڑے پر سوار ہوں گے۔ رشی کے گھوڑے کی باگ عمران نے پکڑ لی اور وہ گھوڑے کے ساتھ ساتھ چلتے لگا۔

”وہ فاطمہ کو زبردستی لے گیا ہو گا۔“ رشی نے کہا۔

”نہیں۔“ عمران نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے وہ خود گئی ہے، بلکہ وہ قاسم کو ساتھ لے گئی ہے۔ اچھا ہوا کہ وہ چلی گئی ہے۔“

صبح طلوع ہوئی تو قاسم لمبی اور فاطمہ بہت دُور چل گئے تھے۔ وہ گھوڑے کو دوڑاتے رہے تھے۔ دوسرا گھوڑا ساتھ ساتھ دوڑتا جا رہا تھا۔ وہ قاسم کے گھوڑے

بیک دیا جیسے اس کے ساتھ اُسے کوئی دل چاہی نہ ہو گھوڑے بے چینی سے ادا دھر
اُدھر دیکھ رہے تھے۔

فاطمہ نے اچھے ہونٹوں سے لگا کر بتایا کہ وہ پیاس سے مری جا رہی ہے۔ فاطمہ نے اشارہ کیا کہ ادا دھر اُدھر دیکھتے ہیں۔
بہن اچھا اور پانی کی تلاش میں چلا گیا۔ بہت دیر بعد واپس آ کر ادا دھر کے پاس
بیٹھ گیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد عمران کے تعلق نے وہ خشک میوے کھائے جو وہ
پشاور کے قریب کے ایک علاقے سے فریڈ لایا تھا۔ پانی کا ایک چھوٹا مشینہ ابھی باقی
تھا۔ تینوں نے پانی پیا اور چل پڑے۔ وہ فاطمہ لہنی اور فاطمہ سے بہت دُعا تھے۔

”ہمارا سفر گھوڑا رہ گیا ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”مگر سفر کا یہی حقد و شوار اور صبر
آزما ہے۔ گھوڑے پیاسے ہیں۔ انہیں ہم دور انہیں سکتے ہیں۔ یہ پیاسے نہ ہوں تو بھی پیاسی
علاقے میں مدد نہ ملے۔ قابل نہیں ہیں۔ غزنی پہنچنے سے پہلے اچھی قسم کا ایک گھوڑا مل گیا
تو ہم میں سے ایک آدمی تیزی سے جا سکتا ہے۔ اگر کوئی سوار مل گیا تو میں اسے

قتل کر دوں گا۔ یہیں گھوڑا چاہیے۔“
”عمران! اب رتی نے سنس کر کہا۔ تم اسلام کو خدا کا مذہب کہتے ہو۔ اپنے
خدا سے کہو نا، گھوڑوں کو پانی دے دے۔“

”کہنے کی ضرورت نہیں۔“ عمران نے بڑے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ”یہ گھوڑے
پیاس سے نہیں مریں گے۔ ہم خدا کی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔ ہم نے یہ سارا سفر خدا کی
ملکوت میں لے لیا ہے۔ راجہ جے پال نے نظام اور بری اور فاطمہ لہنی کو بچانے کے لیے
پشاور سے آگے تک سامنے روک رکھے ہیں مگر ہم چل آئے ہیں۔ میں تمہیں اب اپنے
مشکل ایک راز بتاتا ہوں۔ میں ملتان کا نہیں غزنی کے علاقے کا رہنے والا ہوں۔ میں
غزنی کا جاؤں ہوں اور میرے دونوں ساتھی غزنی کی فوج کے عہدیدار ہیں جو راجہ کے
بندے تھے۔ میں نے انہیں فرار کیا ہے۔ میں نے تیس بھی موت کے نرے سے نکال دیے۔
جو عمر یہ دونوں کام خدا کی خوشنودی کے لیے کیے ہیں اس لیے خدا نے میری مدد کی ہے۔

فاطمہ لہنی کہیں رکھنے سے ڈرنا تھا جس جہم کی اندت کی خاطر وہ غزنی کی قبیل
اور ایک حسین لڑکی کو ساتھ لے آیا تھا۔ وہ جہم تو انائی اور دینی سے خالی ہوتا جا رہا تھا۔ فاطمہ
نے اپنے پہلوؤں پر اچھے کراد پرچے پر درود کا اثر پیا کہ فاطمہ لہنی کو اشاروں
میں سمجھا کہ مسلسل سواری اور گھوڑے کے دوڑنے سے اُس کی پیسوں اور پیٹ میں
درد ہو رہا ہے۔ لہنی نے مسکرا کر اپنا ایک بازو اس کے سینے کے گرد لپیٹ کر اسے اپنے
ساتھ لگایا۔ فاطمہ نے سر اٹھایا۔ ”کیا کہ لہنی کا گال فاطمہ کے رخسار کے ساتھ لگ گیا
مگر اُس نے محسوس کیا کہ فاطمہ اب اتنی حسین اور دلکش نہیں رہی جتنی پہلے تھی۔ وہ اپنے
ادھر فاطمہ کا بوجھ محسوس کرنے لگا۔ اُس نے فاطمہ کو آگے کے اپنے جسم سے الگ کر دیا۔
پیسے سے دونوں کے پرچے اُن کے جسموں کے ساتھ چپک گئے تھے۔“

فاطمہ لہنی کو کونٹ سی بھی محسوس ہوئی، پھر اسے غصہ بھی آنے لگا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ یہ
گھوڑا ابھی تک گیا تھا۔ مسلسل چڑھائی چڑھتے چڑھتے گھوڑے کا دم ختم ہو گیا تھا۔
دوسرا گھوڑا پہلے ہی ٹھکا ہوا تھا۔ یہ دونوں گھوڑے فوج کے نہیں بلکہ سرائے کے
اصل میں بندھے رہنے والے کرائے کے گھوڑے تھے جو لوگ گھوڑے سے فاصلے
تک چلنے کے لیے کرائے پر لے جایا کرتے تھے۔ جگ موہن بھی یہ گھوڑے یہ کہہ کر لایا تھا
کہ ہاتھوں کو ساتھ دے گاؤں تک لے جانا اور لائے۔ یہ گھوڑے پہاڑی علاقے میں
زیادہ دیر تک بھوک اور پیاس بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

فاطمہ لہنی کے پاس اس کا یہ علاج تھا کہ تعاقب کو ناکام کرنے کے لیے راستے سے
بہت کربلے اور مادوں کے اندامند سے چھوٹا راستہ تلاش کرے۔ وہ گھوڑوں کو نیچے
لے گیا۔ سورج سر اٹھ گیا تھا۔ پہاڑوں نے ایسی پیش آگاہی شروع کر دی جو برداشت نہیں
ہوتی تھی۔ دونوں گھوڑے سے اتر کر چلنے لگے۔ فاطمہ قدم چل کر اُگنی۔ اُسے بازار
ڈرانے لگے۔ لہنی نے اشد میں اس کی حوصلہ افزائی کی اور مسکرایا بھی۔ مگر لہنی کا اپنا حوصلہ
نوٹ رہا تھا۔ گھوڑے اب وزن کے بغیر بھی دم گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ لہنی نے ایک
چٹان کلسایہ دیکھا اور جیں بیٹھ گیا۔ فاطمہ اُس کے قریب ڈھیر ہونے کے انداز سے بیٹھ
گئی۔ تم اور زیورات کی پوٹلی اس کے اچھے میں تھی جسے اس نے فاطمہ لہنی کے آگے کیوں

سگھم پھر کر ایک دوسری میں گنڈہ بوجاتی تھیں۔ گھوڑے بھی رہ گئے تھے اور یہ دونوں انسان بھی تھک مار گئے تھے۔ لمبی نے گھوڑا روک لیا اور دونوں اتر آئے۔ قلم لمبی لیٹ گیا۔ اُسے بھوک اور پیاس کے ساتھ فینڈ بھی پریشان کر رہی تھی۔ فاطمہ اس کے سپلوں میں اس طرح لٹی کر آدھی اُس کے سینے پر گر گئی۔ لمبی نے اُسے بازوؤں میں دبوچ لیا فاطمہ نے اپنا آپ اُس کے سپرد کر دیا۔ اس کے جسم نے لمبی پر نشہ طاری کر دیا۔ وہ رات سے توجہ نہ کر سکتے تھے مگر راہ فراموش ہو جاتی جو دونوں نے ایک دوسرے میں دیکھ لی۔ وہ چمکن اور اپنے انہام کو بھول گئے۔ قلم لمبی نے اُسے نشے کی کیفیت میں اشد اشاروں میں سبز باغ دکھائے اور وہ خواب و خیال کے باغوں میں پہنچ گئے۔ پھر دونوں گہری نیند سو گئے۔

قلم لمبی گھبرا کر اٹھا۔ رات گز گئی تھی۔ صبح چمک رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ کل وہ اسی جگہ سے گزرے تھے۔ اُس نے فاطمہ کو جگایا۔ وہ ایک دوسرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے۔ وہ مدعا نہ ہونے کے لیے اُسے تو دیکھا کہ گھوڑے غائب تھے۔ ادھر ادھر دیکھا گھوڑے کہیں بھی نظر نہ آئے۔ لمبی کے دل میں یہ درپیدا ہوا کہ اُس کے ساتھ کسی آکر ان کے گھوڑے لے گئے اور ان دونوں کو بھنگ بھنگ کر پیاسا کرنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں لیکن گھوڑے پانی اور چارے کی تلاش میں دُور نکل گئے تھے۔ لمبی گھبرا کر گھوڑوں کی تلاش میں دُور اور مایوس اور خوفزدہ واپس آ گیا۔ اُس نے فاطمہ کا بازو پکڑا اور پالموں کی طرح ایک طرف دھڑکا۔

فاطمہ دُور تے دُور تے گر پڑی۔ اُس میں تو پلٹنے کی ہمت نہیں تھی۔ لمبی نے اُسے اٹھا کر گنڈے پر ڈالا۔ رات دوسرے کی شبلی اٹھ بیٹھ لی اور چل پڑا۔ اس کے دل میں یہی ڈر تھا کہ عمران اور ادریزی قریب ہی کہیں موجود ہیں اور وہ جب بے حال ہو چکا ہوگا تو وہ اگر اُس سے پھلی چھیں پس گے اور فاطمہ کو بھی لے جائیں گے چوری کا گناہ گنڈے رات کا گناہ مل کر پڑیوں اور بندھنوں کی طرح اُس کے ارد گرد ناچنے لگے۔ وہ بیٹھ گیا۔ فاطمہ کو کندھوں سے آکر اس طرح اپنے سینے سے لگایا اور بازوؤں میں دبوچ لیا جس طرح پڑ پڑیوں سے اپنا کھلونہ چھپا کر تباہی۔ اُس نے شبلی اپنے نیچے رکھ لی۔ وہ قتل و جوش

اور وہ دونوں گناہگار ہیں ٹوٹ کر بھاگ گئے ہیں۔ ان کا انجام بھی انک ہوگا۔ ہمارے دلوں میں اللہ کی خوشنودی رہی ہو یہ خبر سنیں۔ پالا دیں گے۔

اور پھر دن نے انہیں پانی دیا۔ آدھی رات گر گئی تھی۔ چاند اوپر اٹھ گیا تھا۔ گھوڑے اپنی چال پہلے جارہے تھے۔ دائیں طرف ایک وادی رکتے سے آگئی تھی۔ وہاں جا کر دونوں گھوڑے رک گئے۔ نگاہیں جھٹکنے پر بھی نہ پہلے عمران نے گھوڑوں کے منہ دیکھے۔ دونوں گھوڑے نتختے پھلارہے تھے اور دونوں وادی کی طرف دیکھتے تھے۔ دونوں آہستہ سے سنسناتے اور وادی کی طرف چل پڑے۔

”اگر آدرشی۔۔۔ عمران نے گھوڑے کے پلوں میں جا کر رشی کو اپنی باہوں میں لے کر اتار اور کہا۔“ انہوں نے پانی کی ٹسک لے لی ہے۔ پانی قریب ہی ہوگا۔“ دوسرے گھوڑے پر نظام اور زری سوار تھا۔ وہ بھی اتر آیا۔ دونوں گھوڑے وادی کے اندر دُور پڑے۔ قدرت نے جانوروں کو یہ وصف عطا کر رکھا ہے کہ پانی کی بُو دور سے سونگھ لیتے ہیں بعض چھوٹے چھوٹے جانور اور پرندے بارش سے بہت پہلے محسوس کر لیتے ہیں کہ بارش برسے گی۔ ان دونوں گھوڑوں نے پانی کی ٹسک لے لی تھی عمران نے پہلے ہی اپنے ساتھیوں کو بتا کر رکھا تھا کہ اس ٹسک پر ماری نہ پھریں کہیں کہیں پانی نہ جاتا ہے۔

گھوڑے دُور تے گئے۔ عمران بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں کے پیچھے گیا۔ کچھ دور اندر جا کر گھوڑے رک گئے۔ وہاں سیار کا دامن ایک وسیع اور بلند غار کی طرح کھنکھاتا تھا۔ ان میں وادی پانی صاف نظر آ رہا تھا۔ وہاں شاید چشمہ تھا۔ گھوڑے پانی پی رہے تھے۔ پانی کی وجہ سے وہاں تھوڑی سی گھاس بھی تھی۔ گھوڑے پانی پی کر گھاس کھانے لگے۔ ان کے سوار بیٹھ گئے۔ مگر گھوڑے سیر ہو جائیں۔

اُس وقت قلم لمبی اور فاطمہ غرائی کی سمت جارہے تھے مگر وہ جاکیں بھی نہیں رہے تھے۔ وادیوں میں بھنگ بھگ تھے۔ لمبی غرائی کے عام راستے پر جاتے دُور اٹھائے توقع بھی کہ سیاروں کے اندام سے وہ لغنان میں نکل جائے گا مگر یہ دلیویاں ایسی تھیں

کھوٹا تھا۔

”تاکم!“ اُسے فاطمہ کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ ہوش میں آگئی تھی۔ پائی۔
فاطمہ کلمتہ کھل گیا تھا۔ زبان ہونٹوں پر آگئی تھی۔

فاطمہ کو ہوش میں آتا دیکھ کر کئی کی ذہنی حالت کچھ سنبھل گئی۔ اُس نے فاطمہ کو اپنے
ساتھ بٹھالیا اور اس کے کندھے پر کمر بٹھوڑے۔

”تم میری بات نہیں سمجھ سکو گی فاطمہ!“ تاکم لمبی نے اپنی زبان میں بولنا شروع کر
دیا۔ ”ہم لمبے کے راستے سے نہیں، خد کے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ اس راستے
سے ہٹ جانے والوں کو ایسی انجام ہوتا ہے جس میں میدان تھا، میدان جنگ میں ایسی
بی بی لڑائیں برپا رہتی ہیں، رگمتانوں میں لڑاؤں میں نہیں بھی ہوتا تھا۔ میرے ساتھی
بھی زخمی ہوئے تھے بعض کے بازو کاٹ گئے تھے، انہیں بھی کٹ گئی تھیں۔ ہم بھوکے
بھی رہتے، پیاسے بھی رہتے۔ ہمارے زخموں سے خون بہہ گیا مگر ہم میں سے کوئی بھی اس
طرح بے بس اور لاپرواہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ میرا خون اور پسینہ جلنے سے میرے جسم کی
توانائی اس طرح ختم نہیں ہوا کرتی تھی۔ جانتی ہو کیوں؟“ اُس نے فاطمہ کو بٹھوڑا مگر
وہ اُس کی زبان نہیں سمجھتی تھی۔ بس اور آٹھ گھنٹے کھولے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنا سمجھ گئی
تھی کہ جس غور و جان کو اُس نے جذبات کی پیاس بجھانے والا چتر سمجھا تھا وہ دماغی
توازن کھو بیٹھا ہے چتر سوکھ گیا ہے۔

”میدان جنگ میں میرا جسم نہیں میری صحت لاکر آتی تھی۔“ لمبی نے کہا۔ ”میں چور
نہیں تھا۔ میں جہاں لذت کے لیے نہیں روحانی کیف کے لیے لڑا کرتا تھا۔ اب ہم
دونوں کو جہاں پیاس اور سونے کی ہوس نے گمراہ کیا ہے صرف دو تین دن پیدل
چلنے سے میرے جسم میں جان نہیں رہی۔ مجھے اپنے جسم سے بدبو آتی ہے۔ تمہارے جسم
سے بھی بدبو آتی ہے۔ ہم گناہگار ہیں فاطمہ! گناہگاروں کی کوئی منزل نہیں ہوتی گناہگاروں
کا انجام ہوا کرتا ہے۔ وہ اس دنیا میں نہیں کرتے اور اگلی دنیا میں جلتے ہیں یا ہم جیسے
اسی دنیا میں جل جل کر مرتے ہیں منزل میرے دوستوں کو ملے گی جو میرے راستے

پر جا رہے ہیں۔ منزل اُس ہندو لڑکی اور اُس کے ہندو بھائی کیلئے گئی جنہوں نے
یہ راز پالینے کے قضا بچھ اور مٹی کے نہیں ہوا کرتے۔ عمران نے انہیں خدائے وعدہ
لاشریک دکھا دیا ہے۔ اب ہمیں مرنا ہے۔“

اُس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی اور لب و لہجہ اکھڑتا جا رہا تھا۔ فاطمہ نے گھبرا
کر اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مارو تھار رہی تھی۔
”ہوش میں آؤ تاکم!“ فاطمہ نے روتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارے ساتھ
آئی ہوں۔“

”مجھے معلوم نہیں تم کیا کر رہی ہو۔“ تاکم لمبی نے اپنی زبان میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
کنے گا۔ آؤ! شاید میرے کیلئے اس سے کوئی بہتر جگہ مل جائے۔“

عمران، نظام اور بڑی اور بڑی چلے جا رہے تھے۔ سفر کے ذریعہ وہ دن باقی تھے۔
اب راستہ نیچے اتر رہا تھا۔ ان کے گھوڑوں کو رستے میں ایک اور جگہ سے بھی پانی مل گیا تھا
مگر گھوڑوں کی رفتار تیز نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ دو آدمیوں کو ساتھ پیدل چلنا پڑتا تھا۔ دوسری
وجہ یہ کہ گھوڑے ہمارے علاقے میں زیادہ دھڑک دھڑنے کے قابل نہیں تھے۔ نظام
اور بڑی کو بائیں طرف دھریں داری میں دو گھوڑے کھڑے نظر آئے۔ وہاں کچھ گھاس
تھی جو یہ گھوڑے کھا رہے تھے۔ گھوڑوں پر بڑی کسی ہوئی تھیں کوئی سولہ نظر نہیں
آتا تھا۔

”عمران!“ نظام اور بڑی نے عمران سے کہا۔ ”تم نے کہا تھا کہ کوئی گھوڑا مل جائے
تو تم اس کے سوار کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرو گے۔ دو دیکھو۔ دو گھوڑے!“
”اگر میں خواب نہیں دیکھتا تو یہ گھوڑے اپنے ہی معلوم ہوتے ہیں“ عمران نے کہا۔

نیچے اترنے کا راستہ دیکھ کر وہ نیچے اتر گئے۔ قریب جا کر دیکھا۔ گھوڑے وہی تھے
جو تاکم لمبی نے رکھا تھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ عمران اور نظام اور بڑی نے لڑائیں
نکال لیں۔ خطرہ تھا کہ لمبی متاثر ہو کر وہ جگہ ایسی تھی کہ وہ گھات سے اٹھ کر چانک جلا کر سکا
تھا۔ تلاش کے باوجود لمبی اور فاطمہ نظر نہ آئے۔ عمران اور نظام نے لمبی کو پکارنا شروع کر

دیا۔ سنائے آجاد قائم! ہم بھول جائیں گے کہ تم نے کیا کیا ہے... دوستوں کی طرح آجاد قائم!۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔

”عمران!۔ نظام اور ریزی نے کہا۔“ اُدھر دیکھو، گدیہ اُتر رہے ہیں۔“

دو فوجی تھانے لڑکھا کر لڑکا تھا سنا سے سلام تھا کہ جہاں جنگ ختم ہوتی ہے وہاں گدیہوں کے ٹولے جمع ہو جاتے ہیں میدان جنگ کے ارد گرد کیس بھی گدیہ اُتر رہے ہوں تو یہ ثبوت ہوتا تھا کہ مال کی لاش ریزی سے عمران نے بھی گدیہ اُترتے دیکھے۔ وہاں نظام اور ریزی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ جنگ سوہن اور رشی پہلے ہی گھوڑوں پر سوار تھے۔ سب اُدھر گئے جہاں گدیہ اُتر رہے تھے۔ وہ جگہ کم دیش ایک میل دُور تھی۔

قریب جا کر انہوں نے گدیہوں کو پتھر سے مار دیکھا کیس کہ وہ کیا کھا رہے ہیں۔ وہ لاشیں تھیں۔ ایک قائم لمبی کی دوسری فاطمہ کی۔ گدیہوں نے ان کے پیٹ بھاڑ ڈالے تھے۔ انیس سے زیادہ دیشیں گزری تھیں۔ رقم اور سونے کی تھیلی قائم لمبی کے ہاتھ میں تھی اور اٹھ کی گرفت اگر لمبی تھی۔ عمران اس کی انگلیاں کھولنے کی کوشش کرنے لگا مگر کئی ہتھی انگلیاں کھلتی نہیں تھیں۔

”رہنے دو عمران!۔ نظام اور ریزی نے کہا۔ یہ غنا نہ اسی کے پاس رہنے دو۔ اسی نے اس کی جان لی ہے۔ شاید ان دونوں کی رُو میں اس غرانے کو دیکھ کر ملے ہو جائیں۔“

”بکھے بھینس ہیں۔ یہ پاس بھوک اُدھکھن سے مرے ہیں۔ اگر یہ ہرنوں کے اچھے چرہ گئے ہوتے تو یہ تھیلی اور فاطمہ بیاں نہ ہوتیں۔ اکیلا قائم تل ہوتا۔“ عمران نے کہا۔ یہ بڑھاپا تھا۔ وہ آگے بک جا سکتے جہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے تو انیس پانی لے جاتا... عبرت حاصل کرو دستہ اتنی رقم اور اتنا زیادہ سونا انیس موت سے بچائیں سکا سو کھایا انیس جا سکتا، پیا انیس جا سکتا، بلکہ یہ اُن انسانوں کو کھا جاتا ہے جو اس کی ہوس میں دیوانے ہو جاتے ہیں۔“ اُس نے رشی سے کہا۔

”دیکھو نصیر! جس کا انجام دیکھو۔ فاطمہ اس جوانی اور اس جن کے جال میں بکھے پھانسنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ قائم بھینس گیا۔ فاطمہ کو اپنے خُن پر زانا ز تھا۔“

رشی کے جواب نصیر بن چکی تھی اُنسو نکل آتے۔

اب وہ چار تھے اور اُن کے پاس چار ہی گھوڑے تھے وہ روانہ ہو گئے اور شام کو اُس خطے میں داخل ہو گئے جسے اُس دور میں لٹکان کہتے تھے۔ یہ سرسبز خطہ تھا۔

سلطان محمود غزنوی کو جب اطلاع دی گئی کہ لاہور کے تین آدمی ایک لڑکی کے ساتھ آئے ہیں تو وہ جس کام میں مصروف تھا اسے الگ رکھ کر لاہور سے آنے والوں کو بلایا۔ اندر نظر ان اور نظام اور ریزی گئے جہاں اور نصیر کا سلطان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ عمران نے سلطان کو اپنی پوری کارگزاری سنائی۔ بھٹنڈہ کے جاسوسوں کا کارنامہ بھی سنایا۔ وہ یہ بھی سنایا کہ وہ ایک ہندو لڑکی کو کس طرح انسانی قربانی سے بچا لایا اور اسے اور اس کے بھائی کو مسلمان کر لایا ہے۔ قائم لمبی کی واردات اور انجام خُن کر سلطان محمود کا چہرہ کھجکا۔

”قوم میں زرادشت کی جو ہوس پیدا ہوئی چلی جا رہی ہے۔ یہ قوم کو تاریخ سے ناپید کر دے گی۔“ سلطان محمد نے کہا۔ ”انہی دو چیزوں نے ہمیں محاذ جنگی میں اکٹھا کیا ہے... کیا تم یقین سے کہہ رہے ہو کہ راجہ جے پال غزنی پر ضرور حملہ کرے گا؟“

”پرور سے یقین کے ساتھ۔“ عمران نے جواب دیا۔ ”اُس کی رسمہ تباہ ہو گئی لیکن وہاں رسمہ اور سامان کی کمی نہیں۔ راجہ جے پال اب تک ٹیکہ پوری کر چکا ہو گا۔“

”تم سارے دوسرے ساتھی وہاں کیا کر رہے ہیں؟“ سلطان محمود نے پوچھا۔

”بکھے صحیح اطلاع ملنی چاہیے کہ وہ کتنی فوج لارہے اور کب آ رہے۔“

”بھٹنڈہ کے آدمیوں کا کارنامہ آپ کو سنا چکا ہوں۔“ سلطان نے کہا۔ وہ وہیں کے رہنے والے جو خلیفہ نوجوان ہیں اسواویس القصب کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں۔ انہیں اُدھر کارہنے والا ہے اور بھٹنڈہ کی ایک مسجد میں امام بنا ہوا ہے۔ راجہ جے پال نے جوئی کو توج کیا، ادیس اطلاع بھیج دے گا۔“

”سلطان صاحبزادہ!۔ نظام اور ریزی نے کہا۔ آپ کسی کے اشتباہ میں نہ بیٹھیں۔“

”یہ ہمارے قومی جذبے کا بڑا ہی نکتہ استقامت ہے۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ ہندوؤں کا اعلیٰ کامیاب ہو گیا تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ آپ سلطنتِ مغربی کے زمین خانہ کعبہ کے

اس کے باوجود اب دوسرے راجاؤں نے اُسے اتنی فوج نہیں دی تھی جو پہلے دی تھی۔ سلطان بہت دے دیا تھا۔ راجہ جے پال نے لاہور کے کوچ کا اس کی فوج کی تفصیل یہ تھی۔ بارہ ہزار سوار تیس ہزار پیادہ اور تین سو جنگی ماضی۔ سردار سلطان والی پل کاڑیوں کی قطار میں لے کر تھے۔ پال فوج کو جنگ لڑنے کے لیے سال بھر کی رسم ساتھ لے جا رہا تھا۔ اُسے فتح کا اتنا یقین تھا کہ (موتوں کے مطابق) وہ بے اندازہ فرائض ہونے اور بیروں کے بارادریا ہرات ساتھ لے گیا۔ اس فرائض کا ایک مقصد یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ غزنی کے راستے میں افغان سرداروں کو زبردستی ہرات سے کراچے ساتھ ملنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اُس نے کوچ بہت تیز کر لیا۔ وہ اس نظم میں مبتلا تھا کہ وہ غزنی والوں کو بے خبری میں چلے گا۔ اس نے پشاور صرف ایک رات تیار کیا تاکہ پل گاڑیاں پہنچ جائیں۔ اُس نے پشاور سے کوچ کیا تو غزنی کے جاسوسوں نے اُس کی ساری فوج اور کوچ کی ترتیب دیکھ لی انہوں نے قبل از وقت سلطان کو بتایا کہ راجہ کی فوج کتنی کم ہے۔ راجہ جے پال کو رشاد سے نکلنے ہی پہنچ گیا کہ سلطان محمد پیارڈیوں میں خیمہ زن ہے۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا لیکن وہ جو کس ہو گیا۔ اُس نے پشاور اور پیارڈی سلسلے کے درمیان بڑا دھماکا کر کے دیا کہ آگے کی کوئی اطلاع حاصل کر سکے۔ رات کو اُس نے دیکھ بھال کے لیے ایک جیش بھیجا مگر وہ واپس نہ آ سکا۔ غزنی والوں نے راجہ جے پال کے ساتھ حساب کتاب کھول لیا تھا۔

صبح ابھی تاریک تھی جب جے پال کی فوج کی خیمہ گاہ کے ایک کونے پر غزنی کے سواروں نے بخون مارا اور افراتفری پیدا کر گئے۔ ہندوؤں کا جانی نقصان بھی ہوا۔ جے پال نے تیاری کا حکم دے دیا۔ صبح طلوع ہوئی تو اُسے غزنی کی فوج کے دو چار دستے نظر آئے جو سامنے کھڑے تھے۔ جے پال نے حملے کا حکم دے دیا۔ غزنی کے یہ سوار دستے آگے آکر پھیل گئے۔ ہندوؤں نے انہیں کو آگے کر رکھا تھا۔ سلطان کے سوار انہیں سے لڑ گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ اُس وقت سلطان محمود چند ایک دستوں کے ساتھ ٹیپھی ملائے سے بڑھتا ہوا دشمن کے عقب میں آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہندوؤں

والی نسلوں کے آگے فرسار ہوئی تھیں۔ ہندو افرہ ہو گا۔ فتح یا موت! اس کے بعد سلطان محمود نے سب کے آگے نقشہ پھیل کر جنگ کی تیاریاں کر دیں۔ انہیں گھات اور بخون کی جگہیں بنائیں۔ آخر میں حکم دیا کہ کل صبح صادق کے وقت فوج کوچ کر جائے گی اور پشاور کی قریبی پہاڑیوں میں جا ٹھہرے گی۔ دستوں کو ہر وقت تبدیلی کی حالت میں رکھنا ہو گا۔

محمود کو فرشتہ آگرویزی اور عطی کی تحریروں کے مطابق سلطان محمود غزنوی نے اگست ۱۰۱۱ عیسوی دشوال ۲۹۱ ہجری میں غزلی سے کوچ کیا۔ اس کی فوج دس ہزار منتخب سواروں کی تھی۔ پچاس کے لگ بھگ جنگی ماضی تھے۔ جو راجہ جے پال کی فوج سے اُس کے پہلے ملوں میں چھینے گئے تھے۔ پیادہ فوجی بہت ہی کم تھے۔ سلطان کی بھوری تھی کہ اُسے پیادہ فوج اپنی سلطنت میں چھوڑنی پڑی تھی کیونکہ وہاں سلطان کے ہوس کاوش کے حملے کا خطرہ تھا۔ اس کے علاوہ سلطان چونکہ گھوم پھر کر لانا چاہتا تھا اس لیے وہ سوار دستے ہی ساتھ لایا تھا۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ اکثر تاریخوں میں لکھا گیا ہے کہ محمود غزنوی نے پشاور پر حملہ کیا تھا۔ یہ غلط ہے۔ یہ ہندوستان میں مکمل ہوئی تاریخ ہے جس میں حقائق اور واقعات کو سوزور کر بیان کیا گیا ہے۔ نام اس سوزورخوں نے لکھا ہے کہ حملہ راجہ جے پال نے کیا تھا۔ اور محمود غزنوی یہ حملہ دکن کے لیے پہلے ہی اپنی سلطنت سے علی آ یا اور پشاور کے قریب جٹی پور ٹکڑ میں خیمہ زن ہو گیا تھا۔

راجہ جے پال نے سردار سامان کی گئی چند دنوں میں پوری کر لی تھی۔ وہ بہت جلد حملہ کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔ وہ اپنے جرنیلوں سے یہی کہتا پھر رہا تھا کہ وہ سیکھیں مگر گئے جس نے میر سے ملے روک لیے تھے۔ اب میری راجہ والی غزنی ہو گی۔ اب اُس نے ایک کنواری لڑکی کی قربانی بھی دی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ اب دیوتا اُس کے ساتھ جا رہے ہیں۔

نے اُسے دیکھ لیا اور پہچان کر مڑے۔

سلطان محمود نے حملہ کا حکم دے دیا سوار آگے بڑھے گھمان کائن پڑا لیکن مسلمان مور کے سے بٹنے لگے۔ ہندو اُن کے تعاقب میں آئے۔ اس طرح جے پال کی فوج دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ ہندوؤں کی طرف مڑے کیے بڑھ رہا تھا اور دوسرے ہندوؤں کی طرف۔ اُس وقت سلطان کے کچھ سوار دستے دونوں حصوں کے درمیان آگئے۔ انہوں نے دونوں حصوں کے عقب پر تہرل دیے۔ جے پال کا ہندو گارڈ میان میں تھا۔ اُس کا جھنڈا ایک سوار نے اٹھا رکھا تھا چند ایک مسلمان سوار اس نے جھنڈے پر تہرل دیا مگر ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ رہا جھنڈا نہ گر سکا۔

دوسرے ایک میدان جنگ کی صورت یہ ہو گئی کہ راجہ جے پال کی فوج جو حصوں میں بٹ چکی تھی ابھر گئی۔ راجہ جے پال آگے بڑھے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ چونکہ سلطان محمود میں ہے اس لیے وہ آگے بڑھ جائے اور غزنی پر چار چلے۔ اس کوشش میں راجہ کے بعض مسلمانوں کی گھات میں آئے گئے۔ ان پر چروں کی بوچھاڑیں پڑیں اور وہ مرنے چلے گئے۔ سلطان محمود کے سوار گھوم پھر کر لڑنے لگے۔ دس ہزار سواروں کا مقابلہ پندرہ ہزار سواروں اور تیس ہزار پیادوں سے تھا۔ مسلمانوں کا جانی نقصان خاصا ہو رہا تھا مگر شہیدوں کا موریا مکان نہیں جارا تھا۔

راجہ جے پال کی یہ کوشش بڑی طرح ناکام ہو رہی تھی کہ سلطان کہیں ہم کر لیں۔ وہ ہم کرنے کے لیے آ رہا تھا۔ اس کی فوج کی ڈینگ انہی خطوط پر ہوئی تھی۔ سلطان محمود نے لڑنے کے لیے جس زمین کا انتخاب کیا تھا وہ اُس کے طریقہ جنگ کے لیے موزوں تھی۔ جے پال تو کچھ اور سوچ کر آ رہا تھا۔ وہ یہاں لڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تاہم اُس نے جنگی اہلیت کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔ اُس کی جنگی قوت زیادہ بھی تھی مگر میدان مسلمانوں کے اٹھ رہا تھا۔ جے پال اندام کی برتری کے سہارے لڑا تھا۔ اُس نے یہ کوشش بھی کی کہ جنگ ملتوی ہو جائے تاکہ اسے طول دیا جاسکے لیکن مسلمان سواروں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ انہوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

دیر نہ کر کر پڑی خونریز تھا۔ شام سے پہلے سلطان محمود غزنوی نے پیاس ہاتھوں

اور دہزار گھوڑ سواروں سے جے پال کے عقب پر شدید حملہ کر دیا۔ سوار جے پال کے پیچھے کوڑے گھیرے میں لیے میں کامیاب ہو گئے۔ دہلی بڑا سنت مہر کوڑا گیا مگر جے پال نکل نہ سکا۔ وہ ہندو حکام کے ساتھ زندہ پکڑا گیا۔ اس کی فوج جو بکھر گئی تھی، پھاڑے لگی۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور وہ ہندو تک جا پہنچے۔ ہندو کے قریبی مغلغات میں بھی مور کے لڑنے کے جن کی صورت یہ تھی کہ ہندو جاتیں پچانے اور جنگی قیدے پکھنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ راجہ جے پال کا جھنڈا مرنے اٹھا اس کی مرکزی کان ختم ہو جانے سے جنگ کا پانسہ ایسا پلٹا کہ مسلمان سوار جو تعداد میں بہت کم تھے وہ آگے بڑھے۔ ہندو فوج کو لڑیوں میں پکھیر کر اُن کی وہی حالت کر رہے تھے جو پچھلے تھے۔

شام تک جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ راجہ جے پال کو صحیح معنوں میں شرمناک شکست ہوئی تھی مگر غزنی کے غازیوں نے خون اور جان کے جذبہ سے اس کی مثال خود غزنی والے بھی کبھی پیش نہیں کر سکتے تھے۔ مشہور مورخ گریزی اور علی لکھتے ہیں کہ مسلمان سواروں نے اس احساس کے تحت کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، انھوں نے تھوڑی بھاری فوج کی صورت میں اس قدر شدید اور برق رفتار حملے کیے کہ ہندو فوج کے پائل اٹھ گئے۔ دوسرے ایک ہزار ہندو سوار اور پیادے مارے جا چکے تھے اور جنگ کا فیصلہ اسی وقت ہو گیا تھا۔

جنگی مبقرین نے مسلمانوں کی کامیابی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہندو فوج پر مسلمانوں کی دہشت پسندی طاری تھی اس لیے ان کا لڑنے کا جذبہ بہت جلد ہی مجروح ہو گیا۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنی فوج کو جو ہدایات دی تھیں ان میں زور اسی پر دیا تھا کہ دشمن کا جذبہ توڑنے کی کوشش کرنا۔ اُس نے اس کا طریقہ یہ بتایا تھا کہ پہلوؤں پر کم تعداد میں حملہ کروا کر دھکیل جاؤ پھر گھوم کر آؤ اور یہ سلسلہ جاری رکھو۔ دشمن کو پتہ نہ چلے گا کہ اب مسلمان سوار کدھر سے آئیں گے اور کتنے آئیں گے۔ سلطان محمود کی کامیابی کی دوسری وجہ اس کا جاسوسی کا نظام تھا جس کے ذریعے اُسے قبل از وقت دشمن کی آمادہ فوجی ڈیڑھ کی اطلاع مل گئی۔ اُس سے اُس نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنے

سلطان محمود نے کہا: یہ مال قیمت ہے۔

خزانے کا مال قیمت کم نہیں تھا۔ راجہ جے پال افغانوں کو ساتھ ملانے کے لیے بے انداز خزانہ ساتھ لایا تھا۔ تاریخ دیکھتے ہیں کہ دیگر زہرہ جواہرات اور نقدی کے علاوہ بیروں کے ہندو اور تھے جن میں ایک کی قیمت اسی ہزار دینار تھی۔ معاہدے کی نڈ سے طے پایا کہ راجہ جے پال کو رکا کر دیا جائے گا۔ اس کے عوض وہ اڑھائی لاکھ دینار دیہاس اٹھتی تاجان کے طور پر لو کرے گا۔ اُس کے نہایت اہم حکام کو بنگال کے طور پر قید میں رکھا گیا اور راجہ جے پال کو رکا کر دیا گیا۔ سلطان محمود نے پشاور تک کو اپنی قلعہ داری میں لے لیا اور آج کے درہ خیبر اور تمام تر سلسلہ کوہ برقیفہ کر لیا۔ یہ جنگ ہندو جہرات و محرم ۳۹۲ ہجری (۱۰۰۱ عیسوی) کے روز لڑی گئی اور اسی روز فتح اور شکست کا فیصلہ ہو گیا۔

سلطان محمود غزنوی اس مجبورہ ملائے کے انتظامی امور کے لیے کچھ عرصہ پشاور میں رہا۔ اُسے یہاں زیادہ عرصہ رہنا تھا۔ گراس کی اپنی سلطنت کے اور گرد مسلمان حکمران پھر سر اٹھانے لگے تھے۔ ان کی سرکوبی کے لیے ۱۰۰۲ عیسوی کے موسم بہار میں غزنی چلا گیا۔ اسی موسم میں راجہ جے پال اپنی قوم کے ہزار ہا جوان بیٹے اور قوم کے کاٹھے پیسے کی کمانی پشاور کے مصفاغات میں تباہ و برباد کر کے لاہور میں واپس آیا۔ وہ لوٹھا تو تھا ہی، اس شکست نے اُسے اور زیادہ بوڑھا کر دیا۔ آتے ہی اس نے دربار منعقد کیا اور یہ اعلان کیا کہ آج سے اس کا بیٹا اند پال اس کا جانشین ہو گا۔ اس اعلان کے ساتھ وہ راج سے دستبردار ہو گیا۔ اُس نے سب کو راج محل کے کچھوٹے کٹے باغ میں چلے کو کھا خود اپنے بیٹے کے ساتھ چل پڑا۔

”تم جیسے بہتر سمجھو گے دیے راج کرنا۔ اُس نے اپنے بیٹے اند پال سے کہا۔“ لیکن یہ سیری و قیمت ہے کہ غزنی پر حملے کے لیے نہ جانا۔ ہماری فوج سلاہوں کے خلاف نہیں لڑ سکتی۔ اُن کی فوج کی چالیں نہایت اچھی ہیں لیکن ان کی اصل قوت ان

ملک سے دور اگر اپنی پسند کی زمین کا انتخاب کر لیا۔ یہ کیفیت جو سلطان محمود نے پیدا کر لی تھی، راجہ جے پال کے لیے غیر متوقع تھی۔ کوشش کے باوجود جے پال اس کیفیت کو اپنے حق میں نہ کر سکا۔ آخر گھیرے میں آکر اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

پشاور سے کچھ دور میرانام کا ایک گاؤں ہوا کرتا تھا، وہاں راجہ جے پال اور اُس کے اہل حکام کو سلطان محمود غزنوی کے سامنے لے جایا گیا۔ ایک ترجمان کے ذریعے سلطان اور راجہ کی باتیں ہوئیں۔

”یہ فتح و شکست میری اہل آپ کی نہیں۔“ سلطان محمود نے راجہ جے پال سے کہا۔ ”یہ اسلام کی فتح ہے۔ اس عظیم مذہب نے نہایت کر دیا ہے کہ تراشے ہوئے پھتر اور خیالی صورتیں انسان کا نہ کچھ بنا کر سکتی ہیں نہ اُسے کچھ دے سکتی ہیں۔ انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ زندگی اور موت، فتح و شکست اُسی کے اختیار میں ہے۔ اور وہی مبادت کے لائق ہے۔ آپ کا تیسرا حملہ کام ہو چکا ہے۔ اب آپ ایک کھواری رز کی کی قربانی دے کر آئے تھے۔ دیوتاؤں نے آپ کو اس ناحق قتل کی سزا دی ہے۔ قرآن ہم بھی دیکھتے ہیں لیکن کسی کو خدا کے آگے ذبح نہیں کیا کرتے۔ میدان جنگ میں لڑائیں دیکھ لو۔ ہم یہ قربانی دیکھتے ہیں اور خدا اسے قبول کر لیا کرتا ہے۔ کیا آپ ہمارے ایمان کو جو حق تسلیم نہیں کرتے، جنہوں نے دس ہزار کی تعداد میں آپ کے پچاس ہزار کے لشکر کو میدان سے ہٹا دیا ہے؟“

”میں نہ ہوں کی بحث میں نہیں آجھوں گا۔“ راجہ جے پال نے کہا۔ ”میں تسلیم کرتا ہوں کہ اڑ گیا ہوں۔ میں جان بخشی کی درخواست کرتا ہوں اور یہ معاہدہ کروں گا کہ آئندہ آپ پر فوج کشی نہیں کروں گا۔“

”پھر آپ اپنے مذہب کا فرقہ کچھ کر سہاہ لڑیں گے۔“ سلطان محمود نے کہا۔

”میں ایسا نہیں کروں گا۔“ راجہ جے پال نے کہا۔ ”آپ قیمت بتائیں۔“

”میں اس قیمت میں آپ کا یہ خزانہ شامل نہیں کروں گا جو میرے ہاتھ لگے۔“

کا جذبہ ہے اور جوش و خروش ہے جو ہماری فوج میں کوشش کے باوجود پیدا نہیں ہو سکا۔ محمود کو ازھانی لاکھ دینار کی مالیت کا سونا بھیج دینا اور نہ وہ تم پر حملہ کرے گا اور ہمارے فوج کا یہی حشر نہ ہو جو تم پر آشوب دیکھ آئے ہو۔

وہ جب کھجواڑے کے باغ میں پہنچے تو سب دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں چٹابی
سورتی تھی کھڑیوں کا یہ چوکرا بند کسی سرے ٹھونے کی لاش کو جلانے کے لیے لٹا گیا تھا
مگر آج محل میں کوئی بھی نہیں مرا تھا چٹا بریل امیل دی گیا تھا ادا بک آری جلی شعل
اٹھائے کھڑا تھا۔

راجہ جے پال کسی سے کوئی ادب بات کے بغیر تیزی سے آگے بڑھا اور چٹا پر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے شعل کی طرف اٹھ بڑھایا جو ہمارے مثل اُسے دے دی۔ راجہ نے نیل میں بیٹھی ہوئی ٹکڑیوں پر مثل کا شور کہہ کر اگل لگا دی۔ اُس کا بیٹا اُس کی طرف دوڑا۔ لیکن شعلے اتنے اونچے اور اتنے ہیبت ناک ہو گئے تھے کہ کوئی قریب نہ جاسکا۔ راجہ جے پال نے اپنے آپ کو نہایت خاموشی سے جلاؤ والا۔

تمام سوتھوں نے کھا ہے۔ کہ راجہ جے پال نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ دوسلطان محمود کو تادان ادا کرو گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کو دل سے آمار دے لیکن انڈیا پال نے جو سلطان محمود کا ہم عمر تھا، اپنے باپ کی ملتی چلتی کے قریب کھڑے ہو کر اعلان کیا میں غزن والوں کو ایک چمبنہ تادان ادا نہیں کروں گا..... نہیں باپ کے خون کا انتقام توں لے گا

بہشت ایک رات کی

ملتان برصغیر کا واحد مقام ہے جو کمپنن نام کے دور سے لے کر اُس وقت تک ملتان ریاست رہا ہے جب غفلوں کا سونچ غروب ہو گیا تھا گیارہویں صدی میں بھی ملتان اسلامی ریاست تھا اور اس کے ارد گرد ہندو ریاستیں تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب کمپنن نام کے بعد دوسرا بادشاہ سلطان محمود غزنوی ہندوؤں سے نبرد آزما تھا۔ اُس نے ہندوستان کے سب سے طاقتور راجہ جسے پل کاغز بنی برہمپراہم اس بُری طرح پیا کیا تھا کہ اس راجہ نے اپنی راجدھانی میں واپس آکر خودکشی کر لی تھی محمود غزنوی نے پشاور کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر کے پشاور کو اپنے سامنے میں لے لیا تھا۔ اس طرح اُس نے غزنوی اور ایرانی نام و سرسلطنت کو محفوظ کر لیا تھا۔

اُس نے راجہ جے پال کو اس شرط پر راکھا تھا کہ وہ واپس جا کر اڑھائی لاکھ دیندے تاوان ادا کرے گا اور یہ پاس اتنی بھی بھیجے گا۔ راجہ جے پال نے لاتعداد سپہ سالار اپنے بیٹے انند پال سے کہا کہ وہ محمود غزنوی کو تاوان ادا کرے۔ پاس کے خزانہ بعد اُس نے اپنے آپ کو چھامیں جلایا۔ انند پال نے دیں اعلان کر دیا کہ وہ تاوان ادا نہیں کرے گا اور اپنے باپ کی شکست کا انتقام لے گا۔

یہ واقعہ اسی مہیسی کا ہے۔

دو سال اور گزر گئے۔ باداران کی بہمائے سلطان محمود غزنوی کو جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ اخیال اپنے باپ کی شکست کا انتقام لینے کی تیاری کر رہا ہے۔ ".... اور میرے لیے کوئی نئی خبر نہیں"۔ محمود غزنوی نے کہا "میں ذہنی طور پر ایسی

ہوگا۔ وہ اُن میں گھبراہٹا ہے۔ وہ خوش ہو گا کہ اپنی فوجیں ملتان لارہے ہیں یہیں اُس کی اور اسے ہماری مدد کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ میں کوئی فوجی اٹھی بھجوں گا۔
 ”مام غزنوی بہتر رہے گا۔“ یہ سالار نے کہا۔ ابھی جوانی کی عمر میں ہے۔ بات کرنے کا ڈھنگ جانتا ہے اور خوش طبع بھی ہے۔
 ”مام غزنوی! محمود غزنوی نے کہا اُس کے متعلق مجھے کس نے بتایا تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ خوش طبع ہے؟“

”مام جنگی امور کو سمجھتا ہے۔“ یہ سالار نے کہا۔ اور کچھ بھی سکتا ہے۔ وہ جب میدان جنگ میں دشمن کو اپنے سامنے دیکھتا ہے تو اور زیادہ خوش طبع ہو جاتا ہے۔ یہ گزری نہیں جوبی ہے۔“

”اگر تم یقین ہے کہ وہی بہتر رہے گا تو اُسی کو بلاؤ۔“ محمود غزنوی نے کہا۔ میں اسے زبانی پیغام دوں گا کہ وہ اسے دشمن کے علاقے میں سے گزر کر جانے کی تحریری پیغام پڑا جا سکتا ہے۔“

مام غزنوی ملتان کے حکمران ابوالفتح داؤد بن نصر کے دربار میں گیا تو اُس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ اس دربار کی شان و شوکت دیکھ کر اسے شک ہوا جیسے داؤد بن نصر سارے ہندوستان کا بادشاہ ہو۔ وہ سلطان بنگلہسٹن اور سلطان محمود غزنوی کے دربار کا عادی تھا جہاں وہ اُن کے برابر بیٹھا کرتا تھا اور شہسوار بھی دیا کرتا تھا۔ ملتان کے دربار میں وہ اپنے آپ کو بہت چھوٹا آدمی سمجھنے لگا۔ داؤد بن نصر گفت پر بیٹھا تھا۔ وہ بڑی ہی حسین لڑکیاں اُس کے پیچھے کھڑی سوچیں ہلا رہی تھیں۔ درباریوں میں سے جیسے بہت دھڑکتے ہوئے تھے۔

”سلطان اُن داماد ایک آواز بندہ جوئی۔“ سلطان محمود بن بنگلہسٹن کا اپنی حاضر ہے۔“

مام غزنوی نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ جان نہ سکا کہ یہ صدائیں کس کی تھیں۔
 ”غزنی کے ابھی کو بہت خوش آمدید کہتے ہیں۔“ داؤد بن نصر نے بادشاہوں کی

کی صورت حال کے لیے تیار تھا۔ میں نے بچے پال کے علاقے پر اسی لیے قبضہ کیا ہے کہ اس کے ساتھی راجوں کو اور اُسے مشورے دینے والوں کو سلطنت غزنی آسمان کے تارے کی طرح دُور نظر آئے ہیں نے اپنی سلطنت کو نہیں رختہ کعبہ کو اور خلافت کی گڑی کو محفوظ کر لیا ہے۔“

”راجہ بچے پال مر گیا ہے۔“ ایک سالار نے کہا۔ اُس کے بیٹے کو ہم خاطر میں نہیں لاتے۔“

”ذرا اور گہرائی میں سوچو میرے دوستو!۔“ محمود غزنوی نے کہا۔ راجہ بچے پال کے مر جانے سے بہت پرست بندوں کا عقیدہ نہیں مر گیا۔ یہ وہ عقیدہ دکن کی جنگ سے جو ہند کے راجے میں لایا جا رہا ہے تو اُن کے مذہبی پیشوا اور دانشور زائیں گے۔ دشمن کو حیرت نہ جانو۔ اب یہ سوچو کہ ہم اس دشمن کو کس طرح گھسنوں بٹھا سکتے ہیں۔“
 ”اگر آپ ہم سے مشورہ لینا چاہتے ہیں تو ہمیں لاہور کی طرف پیشہ کی کرنی چاہیے۔“ ایک سالار نے کہا۔ لیکن ہمیں ہندوستان میں اپنا ایک اذہ قائم کرنا پڑے گا تاکہ ہم اور آگے بڑھ سکیں اور محمود بن قاسم کی سلطنت کو بحال کریں۔“

”اذہ موجود ہے۔“ محمود غزنوی نے کہا۔ کیا ملتان ہمارا اذہ نہیں بن سکتا، ملتان کا حکمران ابوالفتح داؤد بن نصر ملتان بھی ہے اور ہمارا دوست بھی۔“

”سلطان عالی مقام!۔“ محمود غزنوی کے وزیر نے کہا۔ داؤد بن نصر ملتان تو ہے یہ نہ بھولیں کہ وہ قراصلی ہے۔ آپ قراصلیوں کی تاریخ سے واقف ہیں۔“

”اُس نے سلطان بنگلہسٹن کو ہم کے ساتھ دوستی اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کا معاہدہ کر رکھا تھا۔“ محمود غزنوی نے کہا۔ ”وہ ہمیں دھوکا نہیں دے گا۔“
 ”عالی جاہ!۔“ وزیر نے کہا۔ دشمن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اپنی قوم کے عداوت پر کبھی اعتبار نہ کریں۔“

”ایک لمبی لڑائی میں ملتان رد انداز کر دے۔“ محمود غزنوی نے کہا۔ مجھے امید ہے کہ محمود بن قاسم کی سلطنت کی اس آخری ریاست سے ہمیں پورا تعاون ملے گا۔ داؤد بن نصر ہندوستان میں رہتا ہے۔ وہ اُن کی نیت اور عزائم کو ہم سے زیادہ اچھی طرح سمجھتا

ان کے پاس تھے۔ عام عمر نے باہر جا کر اپنے محافظوں سے کہا کہ وہ تحفہ اندر لے
لیں۔۔۔۔۔ ان میں بیش قیمت ہیرے بھی تھے اور غزنی کے علاقے کی دلکش اور
قیمتی اشیاء بھی تھیں۔ ایک تلواریں بھی تھیں جس کے متعلق عام عمر نے داؤد بن نصر کو بتایا کہ
ہر راجہ بے پل کی تلوار ہے جو اُس نے آخری حملے کی ناکامی کے بعد سلطان کو غزنوی
کے قہروں میں رکھی اور التما کی تھی کہ اُسے بخش دیا جائے، وہ آئندہ غزنی پر حملے
کی عزائم نہیں کرے گا۔

عام عمر نے آگے بڑھ کر تلوار داؤد بن نصر کے قدموں میں رکھ دی۔

”پیغام کیا ہے؟“ داؤد بن نصر نے پوچھا۔

”کیا مجھے تنہائی میں بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی؟“ عام عمر
نے پوچھا۔

داؤد بن نصر نے دربار میں پر نگاہ و درائی تو تمام ادب باری اٹھ کر باہر چلے گئے صرف
دولت لایاں رہ گئیں جو داؤد بن نصر کے کچھ کھڑی موحصل بلا بری تھیں۔ داؤد کے اہل
پر عام عمر اُس کے قریب چلا گیا اور اُس کے اشارے پر وہ تخت کے ساتھ والی
کرسی پر بیٹھ گیا۔

”ہمیں دربار کی اس شان و شوکت کو برقرار رکھنا پڑتا ہے۔“ داؤد بن نصر
نے عام انسانوں کے لیے میں کہا۔ ”یہ ہماری مجبوری ہے اور آپ ایسے مبارک
سے واقف نہیں۔ یہ آپ کی مجبوری ہے۔۔۔ کیا آپ کوئی تحریری پیغام لائے ہیں؟“
”راتے میں دشمن کے خطرے کی وجہ سے سلطان نے تحریری پیغام نہیں دیا۔“
— عام عمر نے کہا۔ ”میں سالار ہوں پیغام چونکہ فکری نوعیت کا ہے اسلئے

سلطان نے مجھے بھیجا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ راجہ جے پال ہماری سلطنت پر تین
نقلے کر چکا ہے۔ ہر بار اُسے ہتھیار ڈالنے پڑے اور اُس نے تانان اور اپنی جان بخشی
کے عوض دھوکہ دیا کہ وہ آئندہ حملہ نہیں کرے گا اُس نے ہر بار وعدہ توڑا آخر اُسے
خودکشی کرنی پڑی۔ اُس کا بیٹا آئندہ پال اُس کا جانشین ہے۔ اس نے تانان ادا کرنے

طرح کیا۔ کیا پیغام لائے ہو۔“
”کچھ تحفہ لایا ہوں۔ عام عمر نے بوکھلا کر کہا۔ ”پہلے یہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔“
وہ کیا سلطان کو نے میس دربار کے آداب نہیں سکھائے؟۔ داؤد بن نصر
نے مسکرا کر کہا۔

”ہمارے ان ایسا بد نہیں ہوتا عالی جاہ!۔ عام عمر نے کہا۔ سلطان کا دربار
کسی خیمے میں ہوتا ہے یا کسی ولدی میں جس پر چٹانوں کا سایہ ہوتا ہے۔ ہم وہاں اکٹھے
بیٹھتے ہیں۔“

”یہ میدان جنگ نہیں ہمارے مغز زمان!۔ داؤد بن نصر نے کہا۔ ”میں کوئی دہلی
ہماری اجازت کے بغیر کھائیں بھی نہیں سکتا۔“

”پھر سلطان نے مجھے غلط جگہ بھیج دیا ہے۔“ عام عمر نے جرات مندی سے
کہا۔ ”مجھے بتایا گیا تھا کہ میں محمد بن قاسم کی سلطنت کی آخری ریاست کے حکمران کے
پاس جا رہا ہوں میں اس امید پر آیا تھا کہ دیگر اڑوں اور چٹانوں کو رفع کر اس سرزمین پر
آنے اور اسلام کا پرچم لہرانے والے محمد بن قاسم کے جانشین بھی عرب کے مجاہدوں کی
طرح موریا نشین ہوں گے۔“

”تمہیں کس نے بتایا ہے کہ ہم محمد بن قاسم کے جانشین ہیں؟۔ داؤد بن نصر نے
گرج کر کہا۔ ”ہم اس خطے کے فاتح ہیں۔ ہم ہاریر سے بے خبر جو بہم نہیں جانتے
کہ ہمارے دادا حمید خان بودھی قراصلی نے یہاں آکر ملتان کی اینٹ سے اینٹ بجا
دی تھی۔ پھر بھی ہم تمہیں اجازت دے دیتے ہیں کہ اسے محمد بن قاسم کی فتوحات
کی آخری نشانی کہو۔ ہم مسلمان ہیں ہمیں غریزہ کھو اگر ہمارے دربار کے کچھ آداب ہیں۔“
”اگر ان آداب کا پابند نہ رہ سکا گناہ ہے تو میں معافی مانگ لیتا ہوں۔“
عام عمر نے کہا۔ ”میں ان آداب سے واقف نہیں۔۔۔ کیا میں تحفہ پیش کروں؟“
اجازت سنے۔

دربار کے باہر عام عمر کے ساتھ آنے والے چار محافظ کھڑے تھے۔ چھ

سے انکار کر دیا اور اب سلطان کو اطلاعیں مل رہی ہیں کہ وہ ہمارے خلاف جنگ تیار ہے
میں مصروف ہے۔

دونوں لڑکیاں دائود بن نصر کے پیچھے کھڑی ہو چلیں اور وہی تھیں اور وہ مامم ٹرک
بائیں غوسے سے بنی تھیں۔

”آپ کو یہ علم ہے کہ اپنی سلطنت کو محفوظ کرنے کے لیے ہم نے لغمان اور پشاور
پر قبضہ کر لیا ہے معاہدے کے مطابق پنجاب ہماری سلطنت کا حصہ بن چکا ہے اور
انند پال اور بھٹانہ ابھیہ کاراج کی رائے ہمارے ابھزار بھی ہیں اور ہمارے مقرر
کے ہونے حاکم بھی۔ اُن کا کوئی حکم اور فرمان سلطان محمود غزنوی کی مہر کے بغیر نافذ العمل
نہیں ہو سکتا، کردوئوں اس معاہدے سے مخرب ہو گئے ہیں سلطان نے فیصلہ
کیا ہے کہ بیشتر اس کے کرید و دونوں دوسرے راجاؤں کے ساتھ اتحاد کر کے ہم پر
فوج کشی کریں، سلطان ان پر فوج کشی کریں جس کے دو مقاصد ہوں گے۔ ایک یہ کہ
انہیں شکست دے کر اقدار سے محروم کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ ہند میں کمین نام
کا دہر حکومت واپس لایا جائے، کم اکرم شمال مغربی ہند سلطنت اسلامیہ میں شامل
ہو جائیے۔ یہ کارروائی اسلام کے فروغ کے لیے ہوگی۔ ایک اسلامی سلطنت
بُست خانہ بن چکی ہے۔“

”اس سلسلے میں میں کیا کرنا ہے۔“ دائود بن نصر نے پوچھا۔

”میں چونکہ سالار ہوں اس لیے عسکری رنگ میں بات کروں گا۔ مامم عمر نے
کہا، ہمیں انند پال اور بکی راتے کے علاقوں کے درمیان ایک مقام کی ضرورت
ہے جسے ہم اپنا محکمہ مستقر بنائیں گے۔ رستہ ہمارے آریب ہونی چاہیے۔ آپ
کی ریاست جو عسکری اسلامی ہے اس لیے یہاں سے عسکری بھجوت بھی کر سکیں گے۔ اس
سے آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ ہماری فوجیں آجائے سے ہندو آپ کی طرف آتے اٹھا کر
بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ ہمیں آپ سے اور آپ کو ہم سے مدد ملے گی۔ سلطان کو
آپ کی طرف سے یقین دہانی کی ضرورت ہے۔ آپ ہمیں یقین دلا دیں کہ جب ہم
پشاور سے اُن کی طرف ہوتے ہیں، گے تو آپ اپنی فوج کو اس مقصد کے لیے تیار

رہیں گے کہ اگر انہیں پال یا بکی رائے نے ہم پر رستے میں حملہ کیا تو آپ عقب یا پہلوؤں
سے ان پر حملہ کر کے اٹھا لیں گے۔ ہم آپ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔“
”اگر سلطان محمود فوج کشی کرنا چاہتے ہیں تو کریں، ہم انہیں مددک تو نہیں کئے۔“
”دائود بن نصر نے کہا۔ میرے پاس اتنی فوج نہیں کہ میں دورا جاؤں کی فوج کا
مقابلہ کر سکوں۔“

”اگر میں آپ کا یہ جواب دے کر سلطان کے پاس گیا تو وہ مطمئن نہیں ہوں گے۔“
”مامم عمر نے کہا جس میں خود بھی آپ کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ فوج میری
اور مجھ جیسے سالاروں کی قیادت میں پیش قدمی کرے گی۔ فوجوں اور لشکروں کا جائزہ
ہمیں لینا ہے۔ میں ابھر آتے ہوئے راستہ اور درگزر کی زمین دیکھتا آیا ہوں۔ میں
کیسور کے چٹانی علاقے سے گزر کر آیا ہوں۔ میرے لیے یہی راستہ محفوظ تھا۔ فوج کو
اس راستے سے نہیں گزرا جائے گا کیونکہ فوج کو روکنے کے لیے یہ علاقہ پُر اندازوں کے
لیے نہایت اچھا ہے۔ آپ کے کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ اپنے تیرا انداز پہلے ہی
اس علاقے میں بھیج دیں۔ یہ ہماری فوج کی پیش قدمی کی حفاظت کریں گے۔“
”اگر ہم نے یہ اقدام کیا تو ہمیں اپنے تیرا انداز اپنی ریاست سے نکال کر ہندو
راجاؤں کے علاقوں میں بھیجے دیں گے۔“

”لغمان اور غزنی راجہ پال کے علاقے نہیں تھے۔ مامم عمر نے کہا۔ اور
لغمان اور ہند ہمارے علاقے نہیں ہیں کہ بے پال نے ہمارے علاقے پر فوج کشی کی
اور ہم ان کے علاقوں پر فوج کشی کر رہے ہیں۔ یہ یہ بھیجیں کہ جن علاقوں پر یہ راجہ
طالب ہیں یہ سلطنت اسلامیہ کے علاقے ہیں۔ اگر نہ ہوں تو بھی ہمیں ان علاقوں کو
اسلام کے پرچم تلے لانا ہے۔“

دائود بن نصر گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد بولا۔ ”آپ کے سلطان کا مطالبہ
ایسا نہیں کہ اسے فوراً تسلیم کر لیا جائے۔ ہمیں جنگی فوج کا اقدام کرنا ہے۔ اس
کے لیے ہمیں گہری سوچ چاہی کہ پھر سے لگی اور اپنے مشیروں سے مشورہ لینا ہے۔“

گا۔ آپ کو تین چار دن رکنا پڑے گا۔

”کیا میں اسید رکھوں کہ مجھے اطمینان بخش جواب ملے گا؟“

”اسید رکھنے میں کوئی عجز نہیں۔“ داؤد بن نصر نے کہا۔ ”آپ نشان کی سیر کریں۔ شمر کی دیواریں دیکھیں۔ اس کے بُرج دیکھیں۔ شاید آپ شمر کے دفن کے لیے کوئی بہتر مشورہ دے سکیں گے۔۔۔۔۔ آپ ہمارے شاہی مہمان ہیں۔ آج رات آپ کے اعزاز میں جشن منایا جائے گا اور بہت بڑی ضیافت ہوگی۔“

ضیافت اتنی بڑی تھی جو عام عمر دیکھ کر بھی تصویر میں نہیں لاسکتا تھا۔ محل کے باغ میں جشن اور ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اوپر جو شامیانے اور ارد گرد جو تاقیاں لگی تھیں، وہ یوں لگتا تھا جیسے سونے اور عمارتوں کے تالوں سے تیار کی گئی ہوں۔ شامیانوں کے ساتھ جو فانوس لگے تھے، ان کی روشنیوں نے کئی رنگ لگائے تھے۔ یہ روشنی رنگ شامیانوں اور تاقیوں کے چمکنے والوں سے منسلک ہو کر ماحول کو طاساتی بنا رہے تھے۔ محل کے رنگ کے چہرے بھی گورے لگتے تھے۔

عام عمر پر ایسی پرفیکٹ کینڈل طاری ہونے لگی جیسے وہ فوس و فوج پر زماں زماں چلا جا رہا ہو۔ طاقت اور طبع کی گئی کئی منزل پر ایک نوجوان لڑکی یوں رقص کر رہی تھی جیسے کوئی حسین ناگن چین کی نے بریل کھائی ہو۔ اُس کے کندھے اور بازوؤں، منہ کے ہونے سینے کے نیچے پیٹ کا خاصہ حصہ، گال، ناف کے نیچے سے ٹخنوں تک اس کا جو لباس تھا، وہ ہر قسم کی رنگ برنگی ریاں تھیں جو رنگ برنگی سر کے بال کھٹے اور بکھرے ہوئے تھے۔ وہ جب رقص کی اداسی سے بل کھاتی تھی تو اُس کی کبھی ایک کبھی دوسری رنگ برنگی لباسوں میں سے ٹخنوں سے لے کر گولے تک عریاں ہو جاتی تھی۔ اس کے جسم کا قدرتی رنگ گورا ہوا کہ دینوں روشنیوں کے رنگوں نے اس کی جلد پر اسے ایسا رنگ دے رکھا تھا جو دیکھنے والوں کو سحر کر رہا تھا۔

یہ رقص تماشا یوں بڑھتا رہا کرتی ہوئی یوں نظروں سے اچھل ہو گئی جیسے جلی پر یں نیلے شفاف سمند میں تر تے تر تے لہر دیا کے جل رنگ میں تحلیل ہو گئی۔

ہو۔ ایسی ہی ایک اور محل پر یں موسیقی کی لہروں پر سرتی آئی اور پہل سے زیادہ کیف پیدا کرنے لگی۔ عام عمر داؤد بن نصر سے دوڑ بیٹھا تھا۔ وہاں سینکڑوں مہمان تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ یہ ضیافت سلطان محمود غزنوی کے اہلی کے اعزاز میں دی گئی ہے لیکن کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا کہ کون کون کس کس ہے۔ سب کی نظریں ان نوجوان لڑکیوں پر جمی۔ وہاں تھیں جن کے جسم سُر تال پر بکھر کر رہے تھے۔

عام عمر نے تو جیسے میدان جنگ میں سنکھیں کھلی تھیں جس بائیس سال سے وہ سفر کرتے اور تڑپے جسم دیکھ رہا تھا لیکن وہ جسم نوجوان رفاہہ لڑکیوں کے نہیں۔ انہوں نے اپنے جسم کے ہونے سے پہلے ہی زمین پر پھٹتوں پر اور ریت پر تھکے، ٹڑپے اور ہونٹوں کے لیے بے حس ہو جاتے تھے۔ یہ سپاہی اُس کے اپنے بھی تھے، اُس کے دشمن کے بھی۔ اُس نے گھوڑوں، اٹھیلوں اور پھلوں سے آکر مرے دے سپاہیوں کو بھی تڑپے اور مرے دیکھا تھا۔ ان جہوں کا رنگ ایک ہی ہوتا تھا۔ — لال سرخ — مرے وقت دوست اور دشمن اسی ایک رنگ میں رنگے جاتے تھے۔ اس ماحول پر ہر شے کے رنگ نہیں، ایک ہی رنگ کی گرد چھائی رہتی تھی۔

عام عمر کو خاک و خون کے اسی ایک رنگ اور اس میں رنگے ہوئے ایک ہی جیسے ماحول سے پیار ہو گیا تھا۔ اُسے میدان جنگ کی ہولناکی اور بہت سے بھی پیار ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنے سلطان کا جو دربار دیکھا تھا وہ بھی اسی رنگ کا تھا۔ وہاں اُس کے چہرے پر جو گرد کی تہ جمی ہوئی تھی، وہی ہی تہہ اُس کے سلطان پر جمی ہوئی تھی۔ اُس دربار میں موت کے سائے رقص کرتے تھے۔

داؤد بن نصر کے جشن میں سینکڑوں کے رنگوں اور ان رنگوں سے زیادہ حسین جہوں کو موسیقی کی لہروں پر بل کھاتے اور میرے دیکھا تو اُس کے سینے کا سپاہی مد ہوش ہونے لگا۔ اُسے میدان جنگ کے تصور سے گھٹن آنے لگی۔ اُسے خون کی بدبو سے نفرت ہونے لگی۔ داؤد بن نصر کے طلسم ہوش راہیں اُسے محسوس ہوا جیسے وہ پہلے پہلے سحر کوں سے تھک کر شل ہو چکا۔ داؤد اب وہ رکاب میں پاؤں جلائے اور کھڑے پر سوار ہونے کے بھی قابل نہ رہا۔ اُس کی جوتوں میں وہ کمروری ہو گئی۔ اُس کا جو غم تھا وہ

جوانی کا پہلی جذبہ بن گیا۔

دولتیاں قصہ کے چاکلی تھیں اور اب تیرہ چودہ سال کی عمر کے لڑکے جوڑکیوں سے زیادہ خوبصورت اور دلکش تھے، جذبات میں ٹپل بپا کرنے والا قصہ کر رہے تھے بہر لڑکے کے صرف کوئی نگہدار اور نگہداشتی کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ موسیقی میں عربی رنگ بھی تھا، عام عمران لڑکوں میں کھویا ہوا تھا کہ عطر اور حسن کا ایک گوارا اس کے سامنے آ رہا تھا۔ اُس نے چونک کر اِدھر دیکھا۔ رتھار لڑکیوں جیسی ایک لڑکی اُس کے سامنے کھڑی تھی اُس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی وہ عام عمر کے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ لڑکا نے جامنی کی فٹسٹری اٹھا رکھی تھی۔ اُس پر ایک صراحی اور پیار تھا۔

”یہ شاہی شراب ہے،“ عام عمر نے گھر کر کہا۔ ”میں شراب نہیں پیتا، مسلمان ہوں۔“
”شراب نہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”شربت ہے۔“ لڑکی نے عام کے سامنے رکھی جوئی تپائی پر فٹسٹری رکھ کر صراحی سے پیالہ بھر دیا۔

عام عمر نے ڈرتے ڈرتے پیالہ اٹھایا اور ہونٹوں سے لگایا۔ ایک ہی گھونٹ نے اُس کی آنکھیں کھول دیں۔ اُس نے لڑکی کی طرف دیکھا جیسے اُس سے پوچھنا چاہتا ہو کہ یہ جنت کی نگرانی تو نہیں، لڑکی کے ہونٹوں کے منہ سے ایک طاقتور سلاسل کی دھڑکائی جیسے سلب کل ہو۔ اسے میں ایک نو عمر لڑکا جو اس لڑکی کی طرح دلنشیں تھا، ایک بڑی فٹسٹری اٹھائے ہوئے آیا۔ اس میں چھوٹے بڑے سالم پرندے رکھے تھے جو دست لے رہے تھے۔ اُن سے بھاپ اُٹھ رہی تھی۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا مگر ہونٹوں کے آگے ایسے ہی پرندے اور پیالے رکھے جا رہے تھے۔

لڑکی اور لڑکا چلے گئے۔ عام نے پیالہ ہونٹوں سے لگایا۔ پھر اُس نے ایک پرندہ اٹھایا۔ ادھر پھر اُسے یوں کھینچا کہ آگے نکلا جیسے وہ پرندوں کی طرح اڑ رہا ہو۔ نیچے آکر چھوٹوں کا رس چوس رہا ہو۔ لڑکی کئی بار آئی۔ لڑکا بھی آیا۔ وہ اُس کے آگے کچھ رکھ بھی دیتے تھے اور کچھ اٹھ بھی لیتے تھے۔ اُسے کچھ ستر نہیں چل رہا تھا کہ وہ یکایک اُدھر کتنا کچھ کتنا چکائے اور کتنا شربت پل گیا ہے۔

یسی لڑکی اُسے اُس کمرے میں لے گئی جو اُس کے لیے تیار کیا گیا تھا خوشبو، سجادت اور سہری نے جیسے اُسے دھکیل کر پیچھے کر دیا ہو۔ وہ اپنے آپ کو اس کمرے اور اس سہری کے قابل نہیں سمجھ رہا تھا۔ اُس کے قدم لکھنے لکھنے لڑکی نے اُس کا اٹھ تھا۔ یہ اور بنگ پر بٹھا دیا۔ پھر اُس کی پگھلی اندر کر پڑے رکھ دی۔

”یہ شربت نہیں شراب تھی۔“ عام عمر نے کہا۔

”ہم سب مسلمان ہیں۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میں وہ شراب نہیں آسکتی جو کافر پیا کرتے ہیں۔ ہم محمد بن قاسم کے جانشین ہیں۔ ہم اسلام کے پیروکار ہیں۔“

لڑکی نے صراحی میں سے پیالہ بھرا اور اُس کے ہاتھ میں سے دیا۔ وہ پینے لگا جب اُس نے پیالہ رکھ دیا تو لڑکی نے اُس کے دو ٹوکال اپنے ہاتھوں میں تھام کر آنکھیں اُس کی آنکھوں میں ڈال دیں۔

”جیسی زندگی ہے۔“ لڑکی نے خوابناک آواز میں کہی جیسی اسلام ہے۔ کوئی سزا نہیں، کوئی جزا نہیں۔“

عام عمر کی آنکھوں کے آگے اس لڑکی کی آنکھیں اور مسکراہٹ پھیلنے لگی تھی۔ اس کا چہرہ دھندلا گیا۔ عام عمر کا ذہن اُس کے قابو سے نکل گیا تھا۔ اُس کے ذہن نے قہر کر لیا تھا کہ یہ زندگی اور یہی اسلام ہے۔ وہ بھول گیا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیوں آیا تھا۔ ایک نیم عربی اور حسین لڑکی کی گرم سانسوں نے اُن کی شمع جل کر دی۔

شاہ کو جب مہمان خشن اور مسکراتے آئے، آئے تھے محل کے ایک کمرے میں اُن دو میں سے ایک خلی جو دن کو دافین نصیر کے پیچھے کھڑی درجیل ملا رہی تھیں، ایک آدمی کو بتا رہی تھی کہ اُن کا اپنی ذات کے لیے کیا پیغام لایا ہے، اور جب رقص کے دوران ایک لڑکی نے عام عمر کو شربت پیش کیا تھا، اُس وقت وہ آدمی دلو کو بن نصیر کے پاس بیٹھا تھا جیسے لڑکی نے عام عمر کا پیغام سنایا تھا۔

”آپ کو سلطان محمد سے ڈرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟“ اس آدمی نے کہا۔ ”کیا آپ کو ابھی تک نصیر نہیں آیا کہ سراج اندہاں اور سراج کجی رائے آپ کی ریاست کی مخالفت کی ذمہ داری لینے سر پہ پکے ہیں؟ میں ان دونوں کی مخالفت کی

یہ آپ کے ان مقیم ہوں سلطان محمد کو آپ کے ساتھ کوئی دیکھی نہیں۔ وہ اپنی عظمت کی توسیع کر رہا ہے۔ اس کے لیے ہندو اور مسلمان ایک ہیں۔

”کیا آپ کو میری وفاداری پر شک ہے؟“ داؤد بن نصر نے پوچھا۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ میں نے اسلام کی نفع مادی ہے اور مسلمانوں کے دلوں سے سزا اور جزا کا تصور ختم کر دیا ہے، آپ کے کسی نے کہا ہے کہ میں سلطان محمد کا مطالبہ پورا کر رہا ہوں، وہ دیکھیں میں نے اس کے لیے کیا انتظام کر دیا ہے۔ اس لڑکی کو ہم نے انسانوں کو سکور کرنے اور انہیں اپنا مذہب اور اپنا نام بھی فراموش کر دینے کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

”سی لائی نہیں۔“ اس آدمی نے کہا۔ جس طرح یہ اپنی سالار ہے، اسی طرح میں بھی اپنے بے لافچی ہوں۔ میں آپ کو جنگی مشورہ دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سلطان محمد کو کمزور نہیں کرتے۔ آپ یہی چاہتے ہیں کہ سلطان محمد کو دھری دور تباہ کر دیا جائے اس کے لیے آپ اس آدمی کو تیار کر سکتے ہیں۔ اسے کہیں کہ سلطان محمد اپنی فوج قتان لے آئے اور آپ راستے میں اس کی مخالفت کا انتظام کر دیں گے میں آپ کو وہ راستہ بتاؤں گا جس سے وہ فوج لائے میں انتظام کروں گا کہ وہ نہ پہاڑ کی فوج لے لے لے میں بے خبری میں تباہ کر دے۔

”میں نے اپنی کاہن صاف کرنے کا بندوبست کر دیا ہے۔“ داؤد بن نصر نے کہا۔

”وہ دیکھو۔ اس نے ایک پیالہ خالی کر دیا ہے۔ وہ شربت بھگ کھ کھ لیا ہے۔ کوئی کسر رہ گئی تو یہ لڑکی پوری کر دے گی۔“

عام عمر کے چاروں محافظ داؤد بن نصر کے محافظوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا سالار جیسے ہی بہشت میں داخل ہو گیا ہے، اور اسے معلوم نہیں کہ یہ ایک رات کی بہشت ہے۔

صبح طلوع ہوئی تو علی البصیر جاگ اٹھے والا نامہ پڑھا اور اپنی گری بند سربا ہوا تھا۔ سرجہ پر اٹھا آیا تو اس کی آنکھ کھلی۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا دلغہ واپس آ رہا تھا۔ رات والی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے اٹھ میں طشتری تھی۔

”تم نے رات مجھے گناہگار کر دیا ہے؟“ عام عمر نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا۔ ”میں یہاں کسی اور کام کے لیے آیا تھا۔“

لڑکی نے طشتری اس کے آگے رکھ کر ایک پیالہ اس کے اٹھ میں دیا جس میں دودھ تھا۔ اس نے پیالہ رکھ دیا۔ اور بلا میں تناسے اٹھ سے کچھ بھی قبول نہیں کروں گا۔ کچھ بتاؤ رات مجھے کیا ہوا تھا؟

”تم جہنم سے جنت میں آئے ہو۔“ اسے ایک آواز سنائی دی۔ اس نے اُدھر دیکھا۔ ایک لباس آغا سفید ریش بزرگ کھڑا تھا۔ اس کے سفیدی مائل چہرے پر بڑھاپے کی گہری لکیریں تھیں۔ وہ سر سے پاؤں تک ایک سفید بادلے میں بسوا تھا۔ اس کی داڑھی دودھ کی طرح سفید اور لمبی تھی۔ اس کے اٹھ میں عصا تھا۔ وہ دے پاؤں کمرے میں داخل ہوا تھا۔

”تمیں گناہوں سے ڈرانے والے خود گناہگار ہیں۔“ سفید ریش نے کہا۔ ”یہ تمہارے بادشاہ اور تمہارے سلطان ہیں۔ تم میدان جنگ کے خون خرابے کے اتنے مادی ہو چکے ہو کہ آسائش تمہیں گناہ کی طرح بڑی لگتی ہے۔ یہ آسائش بتا رہی ہے جو تم سے چھین لیا گیا ہے۔ تم سے چھین لائی جاتی ہیں اور تمہیں بغین دلایا جاتا ہے کہ تم لائے ہوئے مائے گئے تو یہ بھشت میں جاؤ گے۔ مگر تم یہ بتانے والا کوئی نہیں کہ بہشت اسی دنیا میں ہے۔ تمہارے بادشاہ اور سلطان تمہیں اس لیے مڑاتے ہیں کہ وہ زندگی سے بہشت میں محفوظ رکھیں۔ تمہیں کس نے بتلایا ہے کہ اسلام نے عیش و عشرت کو گناہ کہا ہے؟“

سفید ریش نے بولنے کے انداز اور لب و لہجے میں ایسا تاثر لگایا کہ عام عمر خود پروردگار کی وہی کیفیت طاری ہو گئی جو رات لڑکی کو دیکھ کر طاری ہوئی تھی۔ یہ وہ اصل

انسانی عظمت کی کمزوریاں تھیں جو مجسم گناہ کو دیکھ کر اس کے اندر بیدار ہو گئی تھیں۔ سفید ریش بزرگ اسے جو کہہ رہا تھا وہ وہی کچھ بتا رہا تھا۔ اسے گناہ کے لیے جواز کی ضرورت تھی جو یہ بوجھ پوری کر رہا تھا۔ یہ اسی انتظام کے تحت ہو رہا تھا جس کا ذکر داؤد بن نصر

نے اپنے ایک بندو بہان کے ساتھ کیا تھا۔ عالم عمر لاری کے رہتے کا آئی تھا۔ ہی ایک آدمی کے ذہن اور دل پر قبضہ کر لینے سے سلطان محمود غزنوی کی فوج کے چوتھائی حصے سے آسانی سے اختیار نالوئے جاسکتے تھے۔

عالم عمر اس جال میں آچکا تھا۔ اُسے داد بن نصر کا پیغام ملا کہ آج اُسے ملتان کی سیر کرانی جاسنے گی۔ اُس کے لیے داد کی ذاتی تم بھی آگئی جس کے آگے اعلیٰ نسل کے چادر گھولے جئے ہوئے تھے۔ ساتھ نقد برق لباس میں داد کے اپنے محافظ تھے۔ جہاں اُسے سر کے لیے جایا گیا وہ دریا کے کنارے بڑی خوشنما جگہ تھی۔

عالم عمر اپنے آپ کو بادشاہوں کے دربارے کا آدمی سمجھنے لگا۔

اس کے اپنے چوہا س محافظ آئے تھے، اُن کے تعلق اُس نے پوچھا ہی نہیں کہ کہاں ہیں۔ انہیں بھی دربار سے اطلاع دی گئی تھی کہ آج اُن کا سیرکلن ہے۔ وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں چنانچہ وہ شہر میں پھلے گئے تھے۔

وہ ایک درویش صورت انسان تھا لباس سے بھی درویش ہی لگتا تھا۔ سیدھے سے قمر شاہی ہوئی داڑھی اور چہرے کے نور سے عالم داخل لگتا تھا۔ ایک پختہ مکان کے دروازے میں داخل ہوتے لگ گیا۔ اُسے چادر بے ترتیبی سے نظر آئے جن کا لباس تیار تھا کہ سامان ہیں اور اجنبی۔ وہ ملتان کے تو لگتے ہی نہ تھے، وہ ہندوستان کے کسی خطے کے بھی نہیں تھے۔ درویش ان کے راستے میں رک گیا۔

”غزنی؟“ درویش نے سسکا کر کہا۔

چاروں طرف لگے اور مسکرا نے لگے۔

”کیا آپ لوگ کھڑکی کی دیر کے لیے میرے گھر میں آنا پسند کریں گے؟“

درویش نے فارسی زبان میں کہا۔ ”مجھے میزبانی کا شرف بخشیں۔“

اپنی زبان میں کہ چاروں درویش کے ساتھ اندر چلے گئے۔ غلط تو واضح کے دوران محافظوں نے درویش کو بتایا کہ وہ سالار عالم عمر کے ساتھ آئے ہیں جو داد بن نصر کے لیے سلطان محمود کا پیغام لیا ہے۔

”عالم عمر اس وقت کہاں ہے؟“ درویش نے پوچھا۔

”ہم نے انہیں شاہی کچھ پر سیر کو بلاتے دیکھا تھا۔ ایک محافظ نے جواب دیا۔“

”میں عالم عمر سے ملنا چاہتا تھا۔“ درویش نے کہا۔ ”کیا میں تمھے بتا گیا ہے کہ“

وہ شاید اپنے محافظوں سے بھی نہیں مل سکے گا۔“

”کیوں؟“ ایک محافظ نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”یہاں ایسا خطرہ تو نہیں کہ اُسے“

قید میں ڈال دیا گیا ہو۔ بلکہ بے پال نے ایک بار تیار سے وہاں پہنچوں اور اُن کے محافظوں کو لاہور میں قید میں ڈال دیا تھا۔ وہ قید میں ہی بھوکے پیاسے مر گئے تھے۔“

”وہ قید اچھی ہے جس میں انسان اذیت، بھوک اور پیاس سے مر جاتا ہے۔“

— درویش نے کہا۔ ”مگر جن زنجیروں میں آپ کے سالار عالم عمر کو باندھ لیا ہے“

وہ بہت بڑی ہیں۔ اس قید میں انسان تو زندہ رہتا ہے، اس کا ایمان اور اُس کا

غریب مر جاتا ہے۔ وہ سپاہی نہیں رہتا۔ یہ اُن جیسے اور بے حجاب لڑکیوں کے

گیسو اور اُن کے نازک اوہل کھلتے جسموں کی زنجیروں میں جنہیں کل میں اسی مقصد

کے لیے پالا جاتا ہے۔ وہ جب رات خفاقت میں کیا تھا تو آپ نے اُسے وہاں

دیکھا تھا؟

”ہیں الگ کہا نا دیا گیا تھا۔“ ایک محافظ نے کہا۔

”اُسے رات شراب پلائی گئی تھی۔“ درویش نے کہا۔ ”اور باقی رات وہ ایک“

ایسی لڑکی کے قبضے میں رہا جسے نہ تو ہم جادو گریاں لگا کر سوتے ہیں۔“

”کہا آپ بھی رات کے جشن میں گئے تھے؟“

”نہیں۔“ درویش نے جواب دیا۔ ”شاہی دربار کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں“

لیکن میری آنکھیں اور میرے کان دربار میں بہتے ہیں عالم عمر جو پیغام لایا ہے میں

وہ بھی جانتا ہوں۔“

”خطرہ کیا ہے؟“

”خطرہ یہ ہے کہ عالم عمر داد بن نصر کا مرید اور ہندو راجوں کا نانا مذہب بن کر“

”فرامیٹوں نے اسی برائے انسان کی خادکعبہ سے عجز اور ایسا بھڑا بھڑو کو اٹھائے گئے۔ یہ ایک ہی بھڑے میں سال تک اُن کے قبضے میں راضی نہ انہیں جو وہیل دے

”اسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ذرہ کیوں پیدا کیا گیا تھا۔۔۔ اسلام کی روح کو مسخ کرنے کے لیے۔ اسلام آدھی دنیا میں پھیل چکا تھا۔ لوگ جو جسے مذہب کی تلاش میں تھے، اسلام قبول کر رہے تھے۔ اسلام کا نورِ مجسمہ دم کے دوسرے کنارے سے بھی دُور آگے کفرستان میں جلا گیا تھا عیسائی مبلغوں اور یہودی فتنہ پردازوں نے اس اصول پر عمل کیا کہ کسی مذہبی نظریے کو تلواریں نہیں کاٹا جاسکتا اس نظریے کے پر دکلاؤں کے قتل عام سے نظریہ ختم نہیں ہو سکتا۔ اگر نظریہ جی ہو تو یہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ مذہبی نظریے کو تباہ کرنے کے لیے اس میں حادثہ کرنا ضروری ہو سکتا ہے۔

والی ہے۔“

”بھیس کیا کرنا چاہیے؟“

”آپ کو سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دائد آپ کا نہیں ہندوؤں کا دوست ہے۔ دعیش نے جواب دیا۔ دوسرے یہ کہ آپ کو اپنے اس سالار پر بھی اقبلا نہیں کرنا چاہیے یہ اگر واپس جا کر سلطان کو کوئی جواب دے تو آپ سلطان کو یہ بتائیں کہ وہ دائد پر پھر دوسرے نہ کرے، اور اگر آپ کا سلطان ہندو ریاستوں پر فوج کشی کرنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے عمان آئے اور ان قرامطیوں کو ختم کرے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مسلمان ہو کر اسلام کے ساتھ کھیلنے والی قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس حرکت کو کبھی تباہ ہونا ہے۔ دائد بن نصر اسلام کا جھانڈ دے کر مسلمانوں پر حکومت کر رہا ہے تباہی اس کے مقصد میں لکھ دی گئی ہے۔“

”میں پہلے یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ سالار عام عمر کیا کرتے ہیں۔“ ایک محافظ نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے وہ دائد بن نصر کے دھوکے میں نہ آئیں۔ اگر وہ اُس کے حال میں پھنس گئے تو ہم دہلیس جا کر سلطان کو یہ باتیں بتا دیں گے جو آپ نے میں بتائی ہیں۔“

عام عمر دائد بن نصر کے پاس بیٹھا تھا۔ اُن کے سامنے ایک نقشہ رکھا تھا جو کسی نے اٹھ سے بنایا تھا۔

”آپ یہ نقشہ اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔“ دائد بن نصر نے کہا۔ ”میں نے آپ کو رات بتا دیا ہے سلطان کی فوج اس رستے سے آئے۔ میں نے آپ کو وہ جگہ بھی بتا دی ہے جہاں سے آپ کی فوج دیرانے چناب پار کرے گی۔“

”راستے میں اندھیل پانی رائے کی فوج ہمارا راستہ ہرورہ دے گی۔“ عام عمر نے کہا۔ ”آپ نے جو راستہ دکھایا ہے اسے میں محفوظ میں سمجھتا۔۔۔ آپ کی فوج کس طرح ہماری فوج کی حفاظت کرے گی؟“

دائد نے جواب دیا جس سے عام عمر مطمئن نہ ہوا وہ دائد کی باتوں اور اُس کے وعدوں کو فوجی جب و ضرب کی کسوٹی پر پرکھ رہا تھا۔ اُسے کچھ شک سا ہونے لگا۔ اُس نے

رکھی تھی، وہ دھوکا لی اور اُن پر ہلاکو خلیفہ کی شکل میں ایسا عذاب الہی نازل ہوا کہ ان کی ہڈی تر تھما داری گئی اور اس فرستے کے جو لوگ نہ گئے، وہ اہل ان پٹے گئے۔ وہاں اُن پر خدا نے زمین تنگ کر دی تو وہ ہندوستان کے ان علاقوں میں آگے جہاں آج آپ انہیں دیکھ رہے ہیں۔۔۔۔

”دائد بن نصر کے دوا احمد خان قرامطی نے قتان کو تباہ کر دیا تھا۔ اسے پھر سبھاؤ کیا اور اس طرح اپنی دہشت پھیلا کر اپنے فرستے کی تبلیغ شروع کر دی۔ جھکتے تھے کہ ہم اپنے ساتھ اصل اسلام لائے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ ریاست جو مسلمانوں کی ریاست تھی اور محمد بن قاسم کی آخری یادگار، قرامطیوں کا مرکز اور آڈہ بن گئی۔ انہوں نے میل ہی ادعیش و شرت ملک کی اور اسے اسلام کہا۔ موجودہ حکمران دائد بن نصر کے باپ نے ہندو راجاؤں اور ساراجوں کے ساتھ گتھ جوڑ کر لیا پہلے اس فرستے کو عیسائی اور یہودی مدد دیتے تھے اب ہندو ان کی پشت پناہی کرنے لگے ہیں۔۔۔۔

”میں نے آپ کو قرامطیوں کی تاریخ اس لیے سنائی ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ ایک نہریلے سانپ سے مدد مانگے آئے ہیں۔ اگر اس نے مدد کا وعدہ کیا تو یہ دھوکا ہو گا۔“

”آپ کو کیسے پتہ چلا ہے کہ سالار عام عمر کیا پیغام لائے ہیں؟“ ایک محافظ نے پوچھا۔ ”اُد آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا ہے کہ انہیں رات شراب پلائی گئی ہے؟۔۔۔۔ کیا آپ غزنی کے جاسوس ہیں؟“

”نہیں۔“ دعیش نے جواب دیا۔ ”میں سلطان محمود کا نہیں محمد بن قاسم کا جاسوس ہوں۔ ہم اُس اسلام کے پاسبان ہیں جو محمد بن قاسم سیال لایا تھا۔ ہم نے زمین و بھلائی بنا رکھی ہے جو اصل اسلام کا پرچار اور قرامطیوں کے اسلام کے خلاف کام کر رہی ہے۔ ہمارے بعض آدمی شامی کل میں بھی ملازم ہیں۔ وہ اندر کے بھید معلوم کرتے رہتے ہیں۔ دائد کو فانی طور پر معلوم ہے کہ اُس کے خلاف ایک جماعت سرگرم ہے۔ اُس کے بھرا بھی تک اس جماعت کا سراغ نہیں ملے گا۔ ہمیں قبل از وقت پتہ چل جاتا ہے کہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی ہونے

”عام عمر قراصلوں کے خوبصورت پھندے میں آگیا ہے۔“ درویش نے کہا۔ ”اُس نے داؤد کے ساتھ سودا طے کر لیا ہے۔ بوقت اس کے پاس ہے۔ آپ لوگ کل صبح روانہ ہو رہے ہیں۔ عام عمر بوقت سلطان محمود کو دکھائے گا اور اُس پر اُسے ایک رات دکھائے گا۔ تم سلطان سے کہنا کہ وہ اس رات سے نہ آئے۔ اُسے یہ کہنا کہ جنس آپ اپنا سلطان بھائی نہ کھتے ہیں وہ بندوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔۔۔ جاؤ۔ زیادہ دیر میں نہ روکو۔“

”وہ کون تھی جس نے میں سے پیغام دیا تھا کہ میں نے کوئی آپ سے ملے گا۔“ محافظ نے پوچھا۔

”وہ ایک مظلوم عورت ہے۔“ درویش نے جواب دیا۔ ”آپ نے اس کی خوبصورتی دیکھی ہوگی۔ اس کے ماں باپ نے منہ مانگی رقم ادکچہ زمین کے کراس کی شان کا بڑے ہی امیر آدمی کے ساتھ کر دی تھی۔ اس آدمی نے ایک سال بعد اسے تھکے کے طور پر داؤد بن نصر کو دے دیا۔ اس کے پاس ایسی دیکھیں کی کمی نہیں۔ اس نے دیر دو سال صرح میں رکھ کر اسے شادی مبارک ملازمت دے دی یہ میری بیٹی کی سہیلی تھی کبھی کسی گھرا کر کرتی ہے اور میری بیٹی سے بھی ملتی ہے۔ پہلے پہل بہت دلتی تھی مگر کئی برس بربری بیٹی نے اسے کہہ کر وہ اس خوبصورت جہنم میں رہ کر اسلام کے لیے بہت کچھ کر سکتی ہے چنانچہ وہ مجھے محل کے اندر سے خریدی رہتی ہے۔۔۔۔“

”آج جب داؤد بن نصر آپ کے سالار عام عمر کو اپنے پھندے میں بھانسنے سے تیار ہوا کہ وہ سلطان محمود کو نا اہل راستے سے لائے۔ اُس وقت یہ عورت ان دونوں کو شراب اور شربت پیش کر رہی تھی۔ اس نے دونوں کی آنکھیں اُسے خوشی دلاں سے چھٹی لٹی دیر سے گھر آگئی اور ساری بات سنائی۔ اب یہ مزدوری آپ پر عائد ہوتی ہے کہ سلطان سے سوا لوگ عام عمر اُسے دھوکہ دے رہا ہے اور آپ جو کر رہے ہیں یہ صحیح ہے۔“

”یہ عورت آپ کے پاس آئی رہتی ہے نہ کہ محافظ نے کہا۔ اُسے محل سے نکلنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ آپ نے کبھی نہیں سوچا کہ اسے آپ کیسے نمائش کریں؟

داؤد کے ساتھ اتنی بحث کی کہ داؤد پریشان ہو گیا۔

”کیا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ داؤد اور رہنما پسند نہیں کریں گے۔“ داؤد نے اُس سے پوچھا۔ ”میں اپنے فرض کی خاطر جا رہا ہوں۔“ عام عمر نے کہا۔ ”میرے دل میں تو جابا بی نہیں چاہتا۔“

”پھر آپ اپنا فرض اس طرح پورا کریں جس طرح میں بتاتا ہوں۔“ داؤد بن نصر نے کہا۔ ”اپنے سلطان کو اسی راستے سے لائیں اور آپ ہمارے پاس آجائیں آپ ہماری فوج کے سالار ہوں گے اور آپ کو یہی پیش و پشت ملے گی جو آپ کو مل رہی ہے۔ اگر آپ سلطان محمود کو کامیابی سے ہمارے پھندے میں لے آئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو اپنی ریاست کا کچھ علاقہ دلا کر خود مختار حاکم بنادوں گا۔ اتنی جنگیں لڑ کر آپ کا حق ہے کہ آپ اس دنیا کو اپنے لیے جنت نظیر بنائیں۔“

داؤد بن نصر نے وہی باتیں شروع کر دیں جو ایک سفید ریش بزرگ اُس کے دل میں آ رہا تھا۔ داؤد نے یہ بھی کہا کہ بندوں سے بڑھ کر کوئی اچھا دوست آپ کو نہیں ملے گا۔ ان کے ساتھ رہ کر دیکھو۔ اپنے سلطان کی خواہشات اور اُس کے عزائم پر اپنی جائز قربان نہ کرو بلکہ صبح روانہ ہو جاؤ اور سلطان سے کہو کہ داؤد بن نصر آپ کی راہ دیکھ رہا ہے۔

اسی شام کا ذکر ہے۔ عام عمر اپنے کمرے میں تھا۔ اُس نے اپنے چاروں محافظوں کو بلا کر کھانا کھا دیا۔ اُن سے کہہ کر اُنہیں کل صبح واپس ہوگی۔ انہیں روانگی کے احکام دے کر اُس نے محافظوں کو ناس غریبا چاندل محل کی ایک فلاگ روش سے گزربہ تھے کہ انہیں اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی چاروں نے پیچھے دیکھا۔ ایک عورت آ رہی تھی۔ اُس نے ان کے قریب سے گزرتے دھیمی آواز میں کہا۔ ”تم میں سے ایک اسی وقت اُس مالک کے پاس چلا جائے جس نے چاروں کو اپنے گھر میں بٹھایا تھا۔“ یہ کہہ کر وہ آگے نکل گئی۔

ان میں سے ایک محافظ محل میں سے نکل گیا اور درویش کے دروازے پر جا دستک دی۔ دروازہ درویش نے کھولا اور وہ محافظ کو اندر لے گیا۔

بھی تھا۔ اس نے عورت اس محافظ کے حوالے کی اور خاموشی سے چلا گیا۔ محافظ عورت کو ساتھ لے لے ویں چھپ کر میٹھی گیلہ وہ وہ سوائے مسکرانے کے ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے عورت اسے اشاروں کی زبان میں کہہ رہی تھی مگر محافظ اسے نیٹھ اور چھپے رہنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

مورج غروب ہو گیا۔ مام عمر نے بڑا دکھ دیا۔ ایک محافظ غائب تھا۔ اُس نے دوسروں سے پوچھا تو انہوں نے محافظ جہان بھی ہوئے اور کھیلنے بھی نہیں لے بنا کر دیکھے۔ نیچے آ رہا تھا ادب انہیں پتہ چلا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں بنے۔ مام عمر آگ بگولہ ہو گیا۔

”وہ واپس تھان چلا گیا ہے۔“ ایک محافظ نے کہا۔ اس نے ہمیں کہا تھا کہ ان

ہے اس پند کیا ہے کہ وہ دیاں سے جانا نہیں چاہتا۔ ہم اسے مذاق سمجھتے رہے۔
”وہ کسی باز ایسی رفاقت کو دل دے بیٹھا ہے۔“ دوسرے نے کہا۔ اسے تلاش کرنا بیکار ہے۔“

مام عمر نے بہت سوچا اور بولا۔ ”اے تلاش اور تعاقب بے کام ہے بہتر یہی ہے کہ اُسے ذیل دھوا ہونے کے لیے دیں جانے دیا جائے جہاں دو گیا ہے۔“
اس نے ایک اتنے اہم محافظ کی گمشدگی کو نہیں سے آ رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا اہلادہن شان میں داؤد بن نصر کے محل میں ہی رہ گیا تھا۔ وہ جہاں طور پر وہاں سے آ گیا تھا۔ وہی طور پر وہ وہاں تھا۔ ایک محافظ تو معمول سا آدمی تھا۔ اُس کی نظروں میں سلطان محمود کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔

یہ تو اس کے دہم دکان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ جب اپنے قین محافظوں کے ساتھ سویا ہوا ہو گا۔ اُس کا گشتہ محافظ ایک عورت کے ساتھ دُور آگے جا چکا ہو گا۔

سلطان محمود غزنوی پشاور میں اپنے اہلکار مام عمر کا انتظار بے مالی سے کر رہا تھا۔ دن پر دن گزرتے جا رہے تھے۔ سلطان محمود نے کسی بار اس خستہ کا اشارہ کیا کہ مام عمر اپنے محافظوں سمیت مارا گیا ہے یا ہندوؤں کے کسی قید خانے میں پھنسا دیا گیا ہو گا۔ اُس

کوئی مسلمان اسے ساتھ لے کر کہیں اور چلا جائے اور اس کے ساتھ شادی کر لے۔
”کئی بار سوچا ہے۔“ وہ ویش نے جواب دیا۔ ”لیکن ایسا مسلمان نہیں رہتا۔ اسے لے کر کہیں چلا جائے۔ آج اُس نے مجھے کہا تھا کہ اگر آپ لوگ پسند کریں اور ہمت کریں تو اسے اپنے ساتھ غزنی لے جائیں۔ اگر اس کے ساتھ کسی نے شادی نہ کی تو وہ باقی عمر کی نزار پر گزار دے گی یا کسی عالم یا دل کی خدمت کرے گی۔“

”ہم اسے اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔“ محافظ نے کہا۔ ”لیکن اسے سب کے سامنے لے جانا ناممکن ہے۔ ایک عورت یہ ہے کہ اسے کوئی شہر سے دور ہمارے ہاتھ میں کہیں تک پہنچا دے۔ ہمارے لیے دوسری شکل یہ ہے کہ سالار مام عمر شاید ہمیں لڑکی کو ساتھ نہ لے جانے دے۔۔۔۔۔۔ اسے ہم سنبھال لیں گے۔“

اگلے روز طلوع آفتاب سے بہت پہلے سالار مام عمر اپنے چاروں محافظوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ اُن کے ساتھ اب ایک اونٹ بھی تھا جو داؤد بن نصر کے دیئے ہوئے تحفوں سے لدا ہوا تھا۔ ایک محافظ کی پرچھی کے ساتھ چھوٹا سا سفید جھنڈا بندھا تھا جو اُس نے بند کر رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم دوست ہیں۔

حفاظہ شہر سے دفعہ لگ گیا۔ دیا بھی بار کر لیا گیا۔ سالار مام عمر جب نشان کی طرف آ رہا تھا تو محافظوں کے ساتھ دوستوں کی طرح باتیں کرتا آیا تھا مگر اب وہ خاموشی سے آگے آگے جا رہا تھا۔ اُس کی گردن بادشاہوں کی طرح تخی ہوئی تھی۔ وہ محافظوں کے ساتھ کوئی بات کرنا بھی تھا تو یہ کوئی حکم ہوتا تھا، یا کوئی ہدایت۔ مورج غروب ہونے کو تھا جب یہ لوگ ایک جنگل سے گزر رہے تھے۔ ایک محافظ نے اپنے ساتھیوں کو ایک طرف اشارہ کیا۔ سب نے دیکھا۔ گھنی جھاریوں میں چار اسٹیکھیں اور دو چروں کے ذرا ذرا سے جھٹکے نظر آ رہے تھے۔ مام عمر آگے نکل گیا تھا۔

محافظوں نے انکھوں ہی انکھوں میں اس سنسو بے پر غل کرنے کا فیصلہ کر لیا جو انہوں نے گزشتہ رات تیار کیا تھا۔ اس کے مطابق ایک محافظ نے اپنا گھوڑا روک لیا اور گھوڑے کو آہستہ آہستہ گھنی جھاریوں اور لکڑی گھاٹوں سے لے گیا۔ وہی جوان عورت جس نے انہیں ویش کے گھر جانے کا پتہ دیا تھا، اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اُس کے ساتھ ایک آدمی

نے اپنے سالاروں سے ارادہ کیا کہ مہم عمر اور اس کے محافظوں کو ہندوؤں نے قید میں ڈالا تو وہ اُن کی ریاستوں کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا اور وہاں اُسی ہندو کو زندہ رہنے کا حق دے گا جو اسلام قبول کرے گا۔

ایک روز اُسے اطلاع دی گئی کہ سالہ مہم عمر کا ایک محافظ ہندوستان کی بیٹی حسین خورت کے ساتھ آیا ہے اور سفر بھوکا۔ اس اشب و سیداریوں اور گرد نے دونوں کی حالت بہت بُری ہے۔

”اِس فوراً اندر بھجوا۔“ سلطان محمود نے گھبرا کر کہا۔ کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔“
محافظ اُسے آیا تو اُس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ آنکھیں اندک کو دھنس گئی تھیں اور اُس کی سانسیں اکھڑی ہوئی تھیں، عورت کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔ سلطان محمود کے حکم پر دونوں کو پانی پلا گیا۔

”سلطان عالی مقام!“ محافظ نے کہا۔ ”مہم راستے میں ذرا سی دیر اس لیے رکتے رہے کہ گھوڑا اُٹا کر رہے۔ یہیں آپ کے حضور سالار مہم عمر سے پہلے پہنچا تھا۔ وہ شاید ابھی نہیں پہنچا۔ وہ آپ کے پیغام کا جواب لا رہا ہے جو سراسر فریب ہے۔ قاتل کا حکم اور داؤد بن نصر ہندوؤں سے بڑھ کر آپ کا دشمن ہے۔ کئی رائے اور اندیشہ پالنے اُسے اپنا اتھار دی بنا رکھا ہے۔ انہوں نے آپ کو مروانے اور جمالی فوج سے ہتھیار ہلوانے کا کام داؤد بن نصر کے سپرد کیا ہے۔ اس قزاقی نے مہم عمر کو ایک نقشہ دیا ہے جس پر وہ راستہ دکھایا گیا ہے جس سے آپ اپنی فوج قتلان لے جائیں گے۔ ہندو ماراجوں نے آپ کے لیے ایک بچہ تیار کیا ہے۔“

”کیا مہم عمر کو داؤد بن نصر کا نیت کا پتہ چلا ہے؟“ سلطان محمود نے پوچھا۔

”مہم عمر اپنا ایمان فروخت کر کے آ رہا ہے۔“ محافظ نے۔ سلطان محمود کو بتایا کہ مہم پر کیسے ظہر طاری کئے گئے ہیں اور وہ اب چار سالہ تیس داؤد بن نصر کا اُلا مکر بن گیا ہے۔ اُس نے کہا۔ ”وہ اس فریب میں برابر کا شریک ہے جو آپ کو دیا گیا۔“
محافظ نے اس عورت کے متعلق سلطان محمود کو بتایا کہ اُسے کس طرح محل میں پہنچا دیا

کیا تھا اور اس نے اپنی معرفت کو مطمئن کرنے کا کیا ذریعہ اختیار کرنا تھا۔... ایک تہرجان کے ذریعے عورت نے سلطان محمود کو نفیس سے تیار کر داؤد بن نصر کے محل میں کیا بڑھا ہے۔ وہاں کیسا مذہب رائج ہے اور مہم عمر کس طرح جال میں پھانسا گیا ہے اس نے داؤد اور مہم عمر کی پوری گفتگو سنا لی جو اُس نے اپنے کالوں سے تھی۔

”اس عورت کو زمانہ میں بھیج دیا جائے۔“ سلطان محمود نے کہا۔ اور اس محافظ کو ہمارے مہمان خانے میں رکھا جائے جب مہم عمر آئے تو اُسے بتانے چلنے دیا جائے کہ وہ وہاں اُس سے پہلے آگئے ہیں۔“

مہم عمر رات چھ روز بعد آیا اور سیدھا سلطان محمود کے پاس گیا۔ اُس نے سلطان کو بتایا کہ داؤد بن نصر نے بیش قیمت تحفے بھیجے ہیں اور کہتا ہے کہ سلطان کے انتھاریں بے تاب ہو رہی ہیں۔ مہم عمر نے نقشہ سلطان محمود کے آگے رکھ کر بتایا کہ داؤد بن نصر نے جمالی فوج کے لیے یہ راستہ بتایا ہے۔ اس کی فوج اس راستے کے دائیں بائیں کے علاقے میں موجود ہوگی۔ مہم عمر نے کہا کہ داؤد بن نصر بنا رہا عملوں مددست ہے۔
”میں نے اپنی فوج قتلان تک لے چلنے کا راستہ دیکھ لیا ہے۔“ سلطان محمود نے کہا۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ کئی رائے اور اندیشہ پالنے کی فوجیں کہاں کہاں جمالی فوج پر بخون ماریں گی اور کھات کہاں کہاں لگائیں گی؟
مہم عمر نے حیرت سے سلطان محمود کی طرف دیکھا۔ سلطان محمود نے حکم دیا کہ وہ دونوں کو لے آؤ۔“

ذرا سی دیر میں مہم عمر کا چوتھا محافظ ایک عورت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

اس عورت کو پہانو۔ سلطان محمود نے مہم عمر سے کہا۔ ”اور اگر وہ کہیں تم داؤد کے ساتھ اپنے ایمان کا اور میری جان کا سودا کر رہے تھے، یہ عورت تم دونوں کو شراب پلا رہی تھی۔... کیا اپنے گنہگار کی ہر ایک تھیل میری زبان سے سنا چاہتے ہو اس عورت کی زبانی؟... کیا یہ بستر میں ہو گا کہ اپنی زبان سے اپنے گناہ کا اعتراف کر لو؟“

باپ کا باپ

عالم عمر اٹھ کھڑا ہوا۔ ایمان فروشی اور گناہوں کے اثرات نے اس کے جسم کی طاقت سلب کر لی۔ اس کا دل بوجھنے کے قابل نہ رہا۔ اس نے اپنی گوار نکال لی اور کبلی کی سی تیزی سے اس کی نوک اپنے پیٹ پر رکھی جیسا اس کے کہ کوئی اس تک پہنچتا اس نے دونوں ہاتھوں سے تواراتے نہر سے اپنے پیٹ میں داخل کر دی کہ اس کی نوک بیٹھ سے باہر آگئی۔

”اس کی لاش شہر سے باہر پھینک دو۔ سلطان مجھ کو نے کہا۔ ایمان فروشیوں کو گورکھن کا حق نہیں ملنا چاہیے۔“

عالم عمر ابھی تڑپ رہا تھا جب اسے اٹھا کر لے گئے۔ سلطان مجھ کو نے اپنے سپہ سالار کو جو وہاں موجود تھا حکم دیا ”فوج کو کوچ کے لیے تیار کرو۔ ہم تھان پر حملہ کریں گے لیکن ہمیں راستے میں کسی معرکے لڑنے پڑیں گے۔ بہت پرستوں کے۔ اٹھ بیس تواریکوں کا بھی نام لکھا ہے۔“

عالم عمر نے اپنی تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ کر غدار سی کے گناہ کی سزا پالی۔ وہ باہر دھوپ میں پڑا تڑپ تڑپ کر مر گیا کسی کو اجازت نہیں تھی کہ اس کے منہ میں پانی کے دو قطرے پکڑتا۔ سلطان مجھ کو فروشی نے اس کے سپاہیوں پر یہ حکم کیا کہ انہیں لاش اٹھا لے جانے کی اجازت ہے۔

عالم عمر سلطان کی فوج کے پرانے اور بزرگ سالاروں میں سے تھا مگر سوائی حسن، شراب اور مخمور سے سے ملانے کی حکمران کے لالچ نے بڑے بڑے مضبوط قلعے کر کے والے اور لاکھوں کے لشکر کو یمن و ایمان کی دہشتی سے کٹ پھینکنے والے سالار کی اپنی تلوار اس کے اپنے پیٹ میں آدھری۔ عالم عمر کا بیٹا قاسم بن عمر اس فوج میں ایک حبش کا کماندار تھا۔ وہ خود نوجوان تھا لیکن تھا اور یمن عرب و مغرب کی سوجھ بوجھ بھی رکھتا تھا۔ باپ نے اسے بچپن میں ہی سپاہی بنا دیا تھا۔ اسے جب اطلاع دی گئی کہ اپنے باپ کی لاش ملے جائے تو اسے ایک مہر تو ریزہ ہو کر اس کا باپ جو نامی گرامی سالار تھا، مر گیا ہے، اور دوسرا صدمہ یہ ہو کر وہ مٹا گیا تھا اور اسے ہندوؤں نے قتل کیا ہے۔ وہ سمجھا تھا اس کی لاش مٹانے سے آئی ہے۔

اسے باپ کی موت کا پیغام دینے والا شخص اپنے ساتھ لے گیا۔ قاسم یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے باپ کی لاش باہر دھوپ میں پھینک کے بن خون میں ڈوبی پڑی تھی اور اس کے پیٹ میں تلوار اتنی بھولی تھی قریب قریب کے برآمدے میں سلطان کو دل فوج کا سپہ سالار ابو عبد اللہ محمد الطائی کھڑا تھا۔ ابو عبد اللہ وہ سپہ سالار تھا جس کا ذکر تاریخوں میں سلطان مجھ کو فروشی کے ساتھ آیا ہے۔ قاسم بن عمر کو اپنے باپ کی لاش کے پاس حیران و پریشان بکھڑے

۲۲۷

”تم میں متوقع دیا جا رہا ہے۔“ ابو عبد اللہ نے جواب دیا۔ ”لاش کے پیٹ سے تلوار نکالو اور لاش لے جاؤ۔“

”کیا میں اس عورت سے مل سکتا ہوں جو ان سے آئی ہے اور میرے باپ کے خن ہوں کی یہی شاہد ہے؟“

”تم لاش لے جاؤ۔“ پھر سالار ابو عبد اللہ نے کہا۔ ”میں اس عورت کو تم سے گھر بیچ دوں گا۔ دو تہائی ماں کو بھی ساری بات سنا دے گی۔ تم محافظ دستے کے اُس آدمی سے بھی مل لینا جس کے ساتھ یہ عورت آئی ہے۔“

تاکم بن عمر نے اپنے باپ کی لاش کے پیٹ سے تلوار نکالی۔ پھر سالار نے لاش ہانک کے گھر لے جانے کا انتظام کر دیا۔

عام عمر اپنی بیوی کو پشاور اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ یہ عورت اسی علاقے کی رہنے والی تھی۔ راجہ جے پال نے جب ۷۷۷ء میں غزنی پر فوج کشی کی اور سلطان کنگین کے اٹھوٹے شکست کھا کر رہا تھا تو بہت سی فوجواں لڑکیاں جمعے رکھ لی تھیں۔ یہ دو لڑکیاں انہیں جنیس صاحبہ سے چھ ماں کی فوج کے بڑے بڑے افسروں نے آج کے عجب اور سرحد کے ملاؤں سے انگوٹیا اور اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے گئے تھے۔ ان میں سے ایک کے ساتھ عام عمر نے شادی کر لی تھی۔ اس کے بطن سے ناک پیدا ہوا تھا۔ وہ ان علاقوں کی زبان بول سکتی تھی جن پر راجہ جے پال کی حکومت تھی۔ تاکم نے بھی ماں سے یہ زبان سیکھ لی تھی۔

عام عمر کی لاش گھر پہنچی تو تاکم کی ”جانی نہیں لگی تھیں۔ باپ کی خن آلود تلوار تاکم کے ہاتھ میں تھی۔ ماں نے تلوار دیکھی تو اس کی جانی تھم گئیں۔ اُس نے حیرت سے اپنے پیٹ کی طرف دیکھا۔

”یہ شخص اس تال میں تھا کہ آپ جیسی عورت اس کا نام کرے۔“ تاکم نے کہا۔

اس نے اپنی تلوار سے اپنی جان لی ہے۔ تاکم نے تلوار پھینک دی اور بولا۔ ”ماں! بھئی! تلواریں اس باپ کا بیٹوں کا۔“ اور وہ تو نہیں پھیرا۔ تاکم نے تلوار

دیکھ کر ابو عبد اللہ اُس کے پاس جا کھڑا ہوا اور اسے اس فوجواں کا تذکرہ کرتے کرتے آرا بھلا کر تاکم کے قریب گیا اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”تمہیں اور زیادہ حیران ہونا چاہیے تھا۔“ پھر سالار نے کہا۔ ”تیل سے اپنے باپ کی محبت نکال کر اپنے فیکہ سے، اپنے مذہب اور اپنے فرض کی محبت پیدا کرو، مگر جب سو کرنا باپ کس طرح مر رہے تو تمہیں زیادہ مدد دینا ہے۔“

”خن کی تازگی بتاتی ہے کہ انیس بیواں اور ابھی ابھی قتل کیا گیا ہے۔ تاکم بن عمر نے کہا۔ ”ان کا قصور کیا تھا؟ یہ تو عمان گئے ہونے لگے۔ انیس کس نے قتل کیا ہے؟“

”سارا باپ اپنا قاتل خود ہی ہے۔“ ابو عبد اللہ نے کہا۔ ”میں اس کا کوئی پٹن نہیں۔ اس نے اپنے ساتھ خود دشمنی کی۔ اپنے مذہب، اپنے ملک اور اپنی فوج کے ساتھ دشمنی کی۔“

ابو عبد اللہ محمد اللہی نے اسے پوری تفصیل سے سنایا مگر اُس کے باپ کا گناہ کیا تھا۔ تاکم بن عمر توجہ سے سن رہا تھا۔

”کیا اپنے باپ کے گناہ کی سزا مجھے بھی بھگنی پڑے گی؟“ تاکم نے پوچھا۔ کیا

کچھ برس بعد سے یہ سنا دیا گیا تھا؟

”سلطان نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔“ پھر سالار نے جواب دیا۔ ”سلطان کے بعد میں ہوں جو تم سے متعلق کوئی فیصلہ کر سکتا ہوں۔ میں نے تمہارے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ تم فوجواں و بزار سے سامنے ساری عمر پڑی ہے۔ تمہیں میرے غصے سے نمٹنا ہے۔ اپنے باپ نے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا جو ادا کرنا ہوتا ہے۔ تمہیں سننے کی ہوتی ہے کہ عام عمر جیسا دیندار سالار اس خوبصورت جلاں میں لگا رہا ہے۔ دیکھو گناہ میں کتنی قوت ہوتی ہے کہ عام عمر جیسے نادر سالار نے اپنی پوری ذریت کو ناکارے کر دیا اور گھر کو جیسے سلطان کو شکست دلائی اور ہندوؤں کے ہاتھوں مرزا کا انتقام کر دیا تھا۔ پھر اس سے عبرت حاصل کر لو گناہ جب سزا دینے پر آمادہ ہو گا تو عام عمر جیسا شیر دل سالار بھی آپ کے آپ کو ہلاک کر لیتا ہے۔ تم فوجواں جو فوجیوں کا ذہن ذرا سی انگوت پر نہ آسکدیا لوں کا آشیانہ بن جا رہے۔“

”جیسے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا موقع دیا جائیگا۔“

ان سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا میں داد کے دہار اور کل کے بعض راز اس کے ساتھ کر رہا ہوں۔

اُس نے تفصیل سے بتایا کہ قراصلی فرد کیا ہے، اور اس فرستے کے اہل کیا ہیں۔ فرد اپنے آپ کو سلمان کہتا ہے لیکن عیش و عشرت اور ہر گناہ کو جائز قرار دیتا ہے۔

”مکان اس فرستے کا مرکز بن گیا ہے۔“ رابع نے کہا۔ اور سلمان تیزی سے اسے قبول کرتے جا رہے ہیں۔ وہیں ایسے سلمان بھی ہیں جنہوں نے قراصلیوں کے خلاف ہماذ بنا رکھا ہے۔ یہ درویش اسی ہماذ کے حامد ہیں۔ وہ صبح اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ کہہ کر کہہ کر اس کے مالی وسائل محمد ہیں اس لیے غزنی ملک کا سفر نہیں کر سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سلطان محمود غزنوی کو اکسا چاہتے ہیں کہ وہ دانا پر چڑھائی کرے اور اس فرستے کو ختم کرے کیونکہ اسلام کے لیے ہندوؤں کا مذہب آنا خطرناک نہیں ہوتا۔ فرد کہتا ہے۔۔۔

”میں ان کے اہل جاتی رہتی تھی اور داد کے محل میں جو کچھ ہوا تھا وہ انہیں بتا رہی تھی۔ میں نے وہیں سلطان محمود کا کام سنا تھا۔ وہاں بندہ درابے انہما بال اور کئی رائے آتے رہتے ہیں اور غزنی کی فوج کو شکست دینے اور سلطان محمود کو ختم کرنے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ آپ کے خاندان کے متعلق مجھے یہ چلا تھا کہ سلطان کی فوج کے سالار ہیں، اس لیے میرے دل میں ان کی بہت عزت تھی مگر محل کی بڑی ہی حیرت اور چالاک دیکھوں کے حال میں اگر ان کی حالت یہ ہو گئی کہ انہوں نے اپنی ہی فوج کی شکست کا سودا کر لیا اور اپنے کسی کے باپ کو بتایا۔ انہوں نے آپ کے خاندان کے ایک محافظ کو ہلاک کر دیا۔ اس نے اپنے بچے کو اپنے والد سے نکالنے کا انتظام کر لیا۔ ہم دونوں آپ کے خاندان کو دھوکہ دے کر ان سے پہلے سلطان کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کے خاندان بہت بد میں آئے اور انہوں نے سلطان کو دھوکہ دینے کے لیے جھوٹی اطلاعیں دیں سلطان نے مجھے اور محافظ کو ان کے سامنے کھڑا کر دیا۔ میں نے ان کے سامنے ان کی تعلق کھول دی۔ یہ سن کر انہوں نے اپنی تلوار نکالی اور اپنے پیٹ میں گھونپ لی۔“

تاکہ اور اُس کی ماں جاؤشی سے نہیں سبھتھے۔ رابع نے اپنی تلواریں اُٹھائیں۔

اب باب کے اختتام میں پردہ شام پانی ہے۔
”تاکہ اُس کی ماں نے لپٹا کر پوچھا ہے کہ سب سے پہلے ہوا سب کیا ہے تم کے بعد کہہ رہے ہو، لیکن اور بھاری اکی باقی فوجوں سے بھٹا کر ڈولنے والا ادب پرستوں کے اہلوں کے پاسوں سے ٹکرا جانے والا ہندو نہیں ہو سکتا تو متان گئے تھے۔ دانا سے کب آئے ہیں؟“

”آپ کو تمام سوالوں کے جواب متان کی ایک عورت دے گئی۔ تاکہ بن کر سب کے لئے وہ آتی ہوگی پھر آپ کو ان سوالوں کے جواب ان محافظوں سے ایک دے گا جو اس کے ساتھ متان گیا تھا۔ میں نے اُسے بلایا ہے۔ وہ آ رہا ہوگا۔“

محافظ نے پہلے متان سے آنے والی عورت آگئی۔ اُسے پہلا رابع عبداللہ نے بھیجا تھا۔ تاکہ نے دیکھا کہ وہ عورت نہیں رہی تھی جو جانی میں ہو آگئی تھی۔ اب دانا منظومیت کے آثار تھے اور بڑے لیے سفر کی تھکان کے اثرات ابھر رہی تھیں۔ اس کے پیش اور جلوسیت باقی تھی۔

”میرا رابع ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”مجھے آپ کے پاس بھی گیا ہے۔“

”میرے خاندان نے متان میں کیا کیا تھا،“ عالم عمر کی بیوی نے پوچھا۔

”انہوں نے دانا ہی کچھ کیا تھا جو میرے محول میں جا کر ہر رو کیا کرتا ہے۔ رابع نے جواب دیا اور بتایا کہ تمام فوج کو رادوبن نصر کے کس ظلم میں گرفتار کر لیا تھا۔ اُس نے کہا۔
”دانا خوش اور غمناک کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ آپ کے خاندان کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن رادوبن نصر نے ان کے ساتھ سلطان محمود کو شکست دلوانے اور ان کی فوج کو رادے میں تباہ کرانے کا سودا طے کر لیا۔ میں اُس وقت دونوں کو شراب پلا رہی تھی اور ان کی حاضری میں موجود رہنا میرے فرائض میں شامل تھا۔ میں اس ظلم کا ایک گل پرزہ بن چکی تھی۔ مجھے میرے باپ نے ایک آدمی کی بیوی بنا لیا اور اس آدمی نے مجھے رادوبن نصر کے حرم میں تنگے کے طور پر دے دیا تھا۔ میرا من مر چکا تھا لیکن ایک درویش صفت انسان نے مجھے ایک راستہ دکھا کر میرے خیمہ کو زندہ کر دیا۔ وہ میرے نہیں کی ایک تیلی کا باپ ہے۔“

اب یہی رائے لاکام ہے کہ وہ اس فوج کو راستے میں تباہ کرے یہی رائے اُسی بعد
وہ راجہ اندپال سے ملنے چلا گیا اور اُسے بتایا کہ دودھ کے ہاتھوں میں نے کیا انتقام کر لیا ہے۔
”کیا آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ راجہ مسلمان ہے اور وہ ہمیں بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔“
”راجہ اندپال نے کہا۔ مسلمان پر اتنی جلدی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔“

”کیا آپ ابھی تک راجہ کو مسلمان سمجھتے ہیں؟“ یہی رائے کہلے آپ اس وقت
کی تاریخ سے ابھی طرح واقف ہیں۔ اگر اُس نے یہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تو یہ
اُس کی آخری غلطی ہوگی۔ وہ ہم میں گھرا ہوا ہے ہم اُس کی ریاست پر قبضہ کر کے
اُسے قتل کر دیں گے۔ اُمید میں ڈال دیں گے۔ یہی نظر رکھیں کہ کون کی فوج ابھی جلد

کرنے نہیں آ رہی، قتل میں رہنے اور یہاں اڑھ بنانے آ رہی ہے۔ یہاں سے مخمور سے
اور آپ کے ملاقوں پر حملے کرے گا۔ میں نے اپنے دو آدمی بٹنا دیئے ہیں جو
ہاں سے محلو کی فوج نشان کے لیے کونج کرے گی، یہ آدمی تیرہ زخمی گھوڑوں پر سوار کئے
اطلاع دیں گے۔ میں اپنے چھاپہ مار اُن پہاڑی علاقوں میں بھیج رہا ہوں جو راستے میں
آتے ہیں۔ دو راتوں کو کمزور کے ہر بڑاؤ پر حملے کرتے رہیں گے۔ وہ ہماری فوجوں کو
ڈھونڈنا ہے۔ لیکن اُسے ہمارا ایک بھی سپاہی نظر نہیں آئے گا۔ اگر وہ ملتا ہے تو
تو اُس کے ساتھ آدھی فوج ہوگی اور وہ بھی بغیر ساز و سامان کے ہوگی۔ میں نے مسلمان
محمود کے قتل کا انتقام بھی کر دیا ہے۔“

دو نو بہت دیر تک تباہ و خرابا کرتے رہے۔ سانپال اپنے باپ راجہ
بے پل کی تین شکستوں کی وجہ سے مخمور غازی کا باگزار تھا اور اُس نے اُسی مقام سے
ملاقات جو اُس کے باپ نے آخری شکست کے بعد سلطان محمود سے کیا تھا، وہاں
بھی ادا نہیں کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سلطان محمود کی فوج اُس کے علاقے میں داخل
ہو۔ اُسے یہ خطہ نظر آ رہا تھا کہ اُس کی فوج کے چھاپہ مار سلطان محمود غازی کی فوج کو
نقصان پہنچاتے پہنچاتے اپنا نقصان کرا بیٹھیں گے۔

”چھاپہ مار نے کاجو کال مسلمانوں کو چال ہے وہ ہمارے سپاہیوں میں نہیں ہے۔“

خاندان کی خوار اٹھنا اور ان کی طرف بڑھنا کرنا۔ ”میں تیار سے سینے میں شمشیر کی کھوار
اُتری ہوئی دیکھنا چاہتی ہوں لیکن اس سے پہلے کہ اس کھوار سے اپنے جیسے ایک سو
نویسٹوں کو ہلاک کرے۔“

”یہ کھوار مجھے نہ دے گا۔ تاکہ بن کر نہ لے گا۔ اس پر جو خون لگا ہوا ہے اس میں
تیرا ب کی ملاوٹ ہے۔ یہ کھوار ہمارا کھو چکی ہے۔“

مخمور کو محمودی سے ایک آدمی کی طرح دفن کر دیا گیا۔ اُس کی بیوی نے اُس کا ماتم
دیے دیکھا جیسا ایک سالار خاندان کا ہے۔ چاہیے تھا اور وہ اپنے بیٹے میں جند دینے کے
خلاف نفرت کا طوفان روکے ہوئے تھی۔ اس فوج میں بہت سے فوج
اٹھایا اور اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وہ تو کہہ سکتی تھی کہ دعاؤں کا اثر تھا۔ راجہ بال
کو شکست ہوئی تھی اور خاندان نے اُسے ایک مسلمان خاندان پر واجب عرصہ سالار بن گیا،
مگر اسی خاندان کو بہت دنوں کے دوست نے ایسے حال میں پھانسا کہ اُسے خوشی کرنی پڑی
نہیں۔ راجہ کی بہت خوش ہوئی تھی کہ سلطان محمود نے ہندوستان پر حملے کا فیصلہ کر دیا ہے۔

اسی لیے مخمور کے ساتھ بٹنا اور اُس کی بھتیجی وہ اُس کے ساتھ ہندوستان جانے
کے ارادے سے آئی تھی۔ اس کا دل انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ مگر صورت حال ایسی
ہوئی کہ اُس کے پاؤں تلے سے زمین ٹھل گئی۔

اُس نے اپنی امیدیں اپنے بیٹے کے ساتھ وابستہ کر دیں اور اُسے انتقام سے
پہلے تیار کرنے لگی۔ اُس نے والد کو ایک زیر۔ ہندوہ عورت کے کراپے پاس رکھ لیا۔ والد
کا یہ کارنامہ تو اُسے بہت ہی پسند آیا کہ اُس نے سلطان محمود کی فوج کو ایک بہت بڑے
دھوکے سے کھالیا تھا۔

جس روز مخمور سلطان سے نقشہ کر چلا تھا جس میں وہ راستہ دکھایا تھا جس سے
سلطان محمود کی فوج توجہ جاتا تھا، اُس سے اگلے روز دو دن بعد پھر کے راجہ کی رائے
سے ملے پھر، چاہا کہ اُسے بتایا کہ اُس نے غزنی کی فوج کو کیا دھوکہ دیا ہے، اور

— اندھال نے کہا۔ اُس کے لیے قتل، دہری اور پھرتی کی ضرورت ہے آپ اپنے چھاپہ بازیج دیں لیکن میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ محمود کو پشاد سے ادھر آنے کے لیے دریاے سندھ پار کرنا ہے۔ وہاں کشتیوں کا ٹل ہے جو ہم نے بنایا تھا میں محمود کو یہ ٹل پار نہیں کرنے دے گا۔ اپنی فوج کو ادھر ادھر چھپا کر رکھوں گا اور دیں اُس سے نکریں گا۔ مگر وہ آگے آگیا تو راستے میں اُسے آپ نے ہال میں ہماری کوشش یہ ہوئی چہیتے کہ وہ آجائے تو زلفہ واپس نہ جائے؟

اور وہ آ رہا تھا سلطان محمود نے فوری کونج کا حکم دے دیا۔ اُس کے پاس رسد اور دیگر سلطان کی کئی نہیں تھی اُس نے کونج سے ایک روڈ پہلے اپنے سالار دل آئیب سالاروں اور گمانداروں وغیرہ کو بلا کر انہیں کونج کی ترتیب اور انداز بتایا۔ انہیں کشتی نہایت اور احکام دیئے اور انہیں بتایا کہ راستے میں کم سے کم پڑاؤ ہوں گے، اور جہاں بھی پڑاؤ ہوگا وہاں نخل مارنے والے حبش باری باری اور دیگر کے علاقے میں گھومتے پھرتے رہیں گے کیونکہ عمان ہم تمام راستے میں ہندوستان کے چھاپہ ماروں کا خطرہ ہے۔

اُس نے ہراول کا دست منتخب کرنے کے لیے پیر سالار ابو عبد اللہ محمد الطائی سے کہا اور ساتھ یہ بھی کہا۔ "خیل رکھو ابو عبد اللہ! یہ ہراول دیرسا نہیں ہو گا کہ آپ کسی ایک دست کو کونج کے آگے آگے روانہ کریں اور اس کے چاہی آزادی سے ٹکوں کے کھیتوں سے بھٹے اور درختوں سے پھل توڑنے اور کھلتے پھلے جائیں گے۔ اس کونج میں یہ خطرہ ہے کہ جس راستے سے ہم جا رہے ہیں، اس کے درخت، جھاڑیاں، پتھر اور چٹانیں بھی آپ کی دُشمن میں ہراول دست کو تیز بھی چلن ہوگا، اور قدم چھوٹ کر بھوک کر رہیں رکھنا ہوگا۔ نظریسی آ رہا ہے کہ ہراول دست کو موہ کے لڑنے پڑیں گے۔"

گمانداروں کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان محمود ہراول کے لیے ایسے سخت احکام کیوں دے رہا ہے عام عمر کے بیٹے قاسم بن عمر کو ان احکام کے پس منظر کا علم تھا وہ

بن خلدوں سے آگاہ تھا جس کی طرف سلطان محمود اشارہ کر رہا تھا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"سلطان عالی مقام! قاسم بن عمر نے کہا۔ اگر میری تجویز آپ کے منصوبے میں مدخلت ہے جانتے ہو تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہراول میں میرے حبش کو بھیجا جائے؟"

"نہارا نام!" سلطان نے پوچھا۔

قاسم کی بھانے پیر سالار ابو عبد اللہ نے اٹھ کر جواب دیا۔ "اُس کا نام قاسم بن عمر ہے۔ عام عمر کا بیٹا۔"

سلطان محمود کے چہرے کے تاثرات میں تبدیلی سی آئی اُس نے ندا استوح کر کہا۔ "ہراول دست کا انتخاب ہم بعد میں کریں گے۔ اس گماندار کو یہیں رہنے دینا میں اسے الگ کچھ سمجھاؤں گا۔"

کونج کا دن اور وقت بتا کر اور ہدایات دے کر سلطان محمود نے سب کو رخصت کر دیا۔ پیر سالار اور قاسم وہیں رہے۔ سلطان نے دونوں کو اپنے قریب بلوایا۔

"تم نے اپنے آپ کو ہراول کے لیے کیوں پیش کیا ہے؟ سلطان محمود نے قاسم سے پوچھا۔

"میںوں کہ راستے میں وہ خطرے ہیں جو ہماری فوج کے لیے میرے باپ نے پیدا کئے ہیں۔ قاسم نے جواب دیا۔ میرا ہوتا ہوں کہ جو خطرے باپ نے پیدا کیے ہیں، ان کا بھلا شکار اُس کا بیٹا ہونا چاہیئے؟"

"مہترم سلطان! پیر سالار ابو عبد اللہ نے کہا۔ اس کی ماں میرے پاس آئی تھی۔ اُسے اپنے خاوند کی خودکشی کا کوئی علم نہیں وہ شرمسار ہے کہ اُس کے خاوند نے آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی میں اس عفت کی تدکر کرنا ہوں۔ اُس نے کہا ہے کہ اس کے بیٹے کو پیش قدمی اور میدان جنگ میں اُس جگہ رکھا جائے جہاں موت یقینی ہو اور اسے اپنے جوہر دکھانے کا ایسا موقع ملے کہ یہ جگہ نہ سکے اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ میں اپنے بچے کو خدا کی راہ میں قربان کر کے اس کے باپ کے گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا تم میں بھی اپنی ماں کا جذبہ ہے؟ سلطان نے قاسم سے پوچھا۔ یا کیا تم میں

بھی اپنے باپ کی کمزوریاں ہیں۔

جسم کو مارا ہے تم اپنے جسم کو بھول جاؤ۔ روح کو سامنے رکھو میرے پروردگار! لو کہ جس
خود خدائی نے مجھے بنایا تھا کہ انسان کے پاس نفع خدا کی امانت ہے۔ اگر اسے ہلاک
کر دو گے تو خدا کی امانت میں خیانت کر دو گے تمہارے باپ نے نفع کو برا گنایا اور
تم نے دیکھ لیا ہے کہ وہ کسی موت مر رہے....

”اس سے تو یہ لڑکی خدا کے زیادہ قریب ہے عیش و عشرت اور گناہوں کی دنیا
میں رہی گرائس نے ایمان اور روح کو پھانسی رکھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ کفار کے چٹکل
سے آزاد ہو آئی ہے۔ اسی نے مجھے تمہارے باپ کا دھوکہ بنایا تھا یہ اسلام کی نبی کا کردار
ہے.... بیسٹیں محوم ہے کہ ہمارے کونج کے راستے میں کیا خطرہ ہے؟“

”مظلوم ہے سلطان مال مقام!۔“ قاسم نے کہا۔ ”مجھے اجازت دی جائے کہ میں
اپنی پسند کے سپاہی منتخب کر سکوں۔ کفار کا کوئی چھاپہ مار فوج کے قریب نہیں آسکے گا۔“
سلطان محمود غزنوی نے سپہ سالار ابو عبد اللہ سے کہا کہ قاسم کو اس کی پسند کے آدمی دیدو

ہر اہل کادہ جس میں پانچ سو سوار تھے، سب سے پہلے پشاور سے نکلا قاسم بن عمر
کا گھوڑا آگے آگے چلا تھا اور راستے کے ساتھ ساتھ قاسم سے چند قدم دور ایک اور گھوڑا
چلا جاتا تھا جس پر ایک عورت سوار تھی یہ سیاہ نقاب سے اس کی صورت لکھیں نظر آتی
تھیں قاسم کو اس سوار کی موجودگی کا پورا پورا احساس تھا پشاور سے کچھ دور جا کر قاسم نے
ازد بخند کیا اور گھوڑا روک لیا ہر اہل کادہ ترک گیا قاسم گھوڑے سے اُترا۔ اور وہ عورت
گھوڑے سے اُتری۔ دو نو ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔

”اب مجھے خدائے حوالے کر دیاں!۔“ قاسم نے عورت کے پاؤں چھو کر کہا۔
ماں نے قاسم کے دائیں بازو کے ساتھ ایک تعویذ سا باندھ دیا اور بولی۔ ”پر قرآن
کی وہ آیت ہے جو پساؤں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اپنے دین و ایمان کو
مضبوط رکھا جائے۔ انسان کے جسم کی مضبوطی ایمان کی مضبوطی سے قائم رہتی ہے۔ اہل دین
میرے بیٹے! انہ آؤ گے تو ماں کو خوشی ہوگی یہ تمہاری لاش آئے گی تو ماں بہت زیادہ
خوش ہوگی لیکن میں فتح کی خبر سنوں!۔“ ماں کی آواز حق میں دب کے رہ گئی۔ اس پر رقت

”میں آپ کو حلف اور قسم کے سوا کسی اور طریقے سے یقین نہیں دلا سکتا کہ مجھ میں ماں
کا جذبہ زیادہ ہے باپ کی کمزوریاں ہیں۔“ قاسم نے کہا۔ ”پہا گری میں میرا استاد میرا باپ
تھا۔ میں اس کے متعلق یہی جانتا تھا کہ وہ خوش طبع اور نرمہ دل انسان تھا۔ میں
صرف پہا گری پر نظر رکھتا ہوں۔ میں نے باپ کی لاش دیکھتے ہی کُڑیا تھا کہ
میں اس کی خدائی کا ازالہ کروں گا۔“

”تم شاید نہ جانتے ہو کہ تمہاری ماں کے سینے میں کسی آگ لگی ہوئی ہے۔“ سلطان محمود
نے کہا۔ ”اُسے نوجوانی میں ہند کے فوجی اٹھا کر لائے تھے۔ وہ ان کٹاکس ہوس کا
نشانہ بنی رہی۔ وہ خوش قسمت تھی کہ ہند کی فوج کو شکست ہوئی۔ تھلا
ماں جیسی بہت سی مسلمان لڑکیاں پیچھے رہ گئیں۔ ہم نے سب کی شادیاں اپنی
فوج کے آدمیوں سے کر دیں.... تم نوجوان ہو قاسم! شاید تمہارے دل میں ابھی یہ احساس
بیدار نہ ہو کہ مسلمان کو دوسروں پر برتر بننا چاہیے۔ ایک نئے مذہب اور دوسری چیز ہے
میں مذہب جتنا مقدس تھا ہوں تو تم کی بیٹیوں کی عصمت ہے۔ ہند میں جو مسلمان رہتے
ہیں وہ بھی ہماری قوم کے افراد ہیں مسلمان لڑکی کی عزت لوٹنا ہندوؤں نے اپنے مذہب
کا فریضہ بنا رکھا ہے یہاں سے مذہب کا حکم رہنے کو لڑکی کسی بھی مذہب کی ہو، اُس کی
عزت پر اٹھ ڈالنا گناہ کبیرہ ہے اور جب مسلمان کی ایک بیٹی کی عصمت پر کوئی کا فر حد
کرے تو عالم اسلام کی بنیادیں حرام ہو جاتی ہیں مسلمان کا ایمان ہونا چاہیے۔ انتقام
— اپنی بیٹی کی عصمت کا انتقام؟

”میں انتقام کوں کا سلطان مال مقام!۔“ قاسم نے کہا۔

”جوانی اندھی ہوتی ہے قاسم!۔“ سلطان نے کہا۔ ”لیکن میرے پروردگار نے مجھے رکھیں
میں بنایا تھا کہ انسان میں گناہوں کو قبول کرنے کی جتنی کمزوری ہوتی ہے اس سے زیادہ
اس میں گناہ سے بچنے کی قوت بھی ہوتی ہے مگر قوت کردار میں ہے۔ کردار کی تلواریں مضبوطی سے
بکڑے رکھو تو گناہوں کو شکست دے سکتے ہو۔ مجھے تمہارے باپ کی جانی موت کا کئی لمحہ نہیں، غم
اس کی روحانی موت کا ہے۔ وہ اپنی روح کو مٹان لایا تھا۔ یہاں آکر اُس نے اپنے

طاری ہو گئی تھی۔

تاکم کوڈر گھوڑے پر سوار ہوا اور ہراول دستہ چل پڑا بہت دور جا کر تاکم نے بیٹھے دیکھا۔ اُسے صبح کے دھندلے میں ایک چٹان پر ایک گھوڑا کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اُس کی ماں کا اندھا بوا میں بل رہا تھا پھر ایک بلند چٹان نے درمیان میں آکر انہیں ایک دوسرے کی نگاہ سے اوجھل کر دیا۔

نے فوج میں دلوراد جو شہید آکر دیا اور پیاری کو مچ کے لیے بے تاب ہونے لگے۔

تاکم بن عمر کا ہراول دستہ دوسرے دنبالہ دیلے کے اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں کشتیوں کا بڑا بڑا دستہ پل کے وسط میں بیٹھا تو بیروں کی پوچھاڑا کی جو تاکم کے گھوڑے سے چند قدم آگے کشتیوں کے اوپر رکھے ہوئے تختوں میں پوسٹ ہو گئی۔ تاکم نے گھوڑا روک دیا۔ دوسرے کنارے سے آواز آئی۔ ”آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ سب کے سب تیرہن سے جھلی ہو جاؤ گے۔“

”تم کون لوگ ہو؟“ تاکم نے بند آواز سے پوچھا۔ ”ہم سلطان محمود غزنوی کے پیاری ہیں۔ راجہ انند پال ہمارا راج گزار رہے ہیں اس پل سے گزرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔“

”یہ مدلیج انند پال کا حکم ہے کہ کوئی مسلمان پیاری اس پل سے آگے نہ آئے۔“ تاکم کو جواب ملا۔ ”واپس چلے جاؤ۔“

سانے والے کنارے پر بیڑیاں اور چٹانیں تھیں۔ تاکم سمجھ گیا کہ ماں بل کا محافظہ چھاپا ہوا ہو گا۔ اُسے صرف ایک آدمی نظر آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے دسے کو پل سے پیچھے چلے جانے کو کہا اور دو پیاریوں کو ساتھ لے کر دوسرے کنارے پر چلا گیا۔ وہاں صرف ایک ہندو فوجی کھڑا تھا۔ اُس نے تاکم کو بڑے رعب سے پوچھا کہ وہ ان سواؤں کو کیوں پل سے گزار رہا ہے؟

”ہم کسی پر حملہ کرنے نہیں آ رہے۔“ تاکم بن عمر نے جواب دیا۔ ”حملہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے جس جگہ کاراج ہمارا بھگزار ہے ہم خیر حال کیلے آئے ہیں۔“ ”جو راجہ تنہا بھگزار رہے، اُسی نے حکم دیا ہے کہ مسلمان فوج آ رہی ہے۔ اسے پل سے گزرنے دیا جائے۔“ ہندو فوجی نے جواب دیا۔

”تسارا راج تو یہاں ہو نہیں سکتا۔“ تاکم نے کہا۔ ”وہ لاہور میں ہو گا یا بھٹنڈ میں۔“ ”ہمارا راج یہاں سے دوفرنگ (تقریباً سات میل) دور پڑاؤ کئے ہوئے ہیں۔“ ”ہندو فوجی نے اُسے بتایا۔ اگر اُن سے اجازت لینی ہے تو اپنے سلطان کو یا

سورج طمع ہو رہا تھا جب سلطان محمود غزنوی پشاور کے ایک وسیع میدان میں اپنی فوج کے سامنے کھڑا تھا۔ راجہ کا بڑا ہی لمبا قافلہ چل پڑا تھا۔ فوج کو فتح کے شکر کا انتظار کر رہی تھی۔ ”اسلام کے پیارو! سلطان محمود اپنی فوج سے مخاطب ہوا۔ آج تم میرے حکم سے نہیں، اپنے خدا کے حکم سے کوچ کو کہہ رہے ہو تم اُس ملک میں جا رہے ہو جہاں مجھ سے تم کے بھائیوں کی اذانیں گونگی تھیں۔ کنارے وہ افانیں خاموش کر دی ہیں۔ وہاں اسلام کی شمع بجھ رہی ہے۔ سیکس دیران ہو گئی ہیں۔ اُن پر بہت پرستوں کی حکمرانی ہے۔ یہ تیری بیٹیوں اور بیٹیوں کی عفتیں لٹ رہی ہیں۔ وہ مظلوم نہیں بگاڑ رہی ہیں۔ یہ اللہ اور اُس کے رسول کا حکم ہے کہ زبانیں کہیں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو ساری دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ یہ قرآن کا حکم ہے کہ کفار کے خلاف اُس وقت تک لڑ جب تک کہ فرقہ فتنہ نہ ہو جائے۔ ہندو مت کے فوج تم پر تین حملے کر چکی ہے اور تم بیٹوں ہار اُسے شکست دے چکے ہو۔ ہندو راجے تارے ملک کو صرف اس لیے فتح کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے جرنیلوں کو بند کر دیں۔ یہ جنگ دو فوجوں کی نہیں، دو مذہبوں کی ہے۔ آج ہم یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اسلام سپانڈہب ہے، ایک اجنبی ملک میں جا رہے ہیں مگر اس ملک میں اپنے آپ کو اجنبی نہ سمجھنا۔ وہ زمین مسلمانوں کے گھوڑوں کے ٹھوں سے آنا ہے اور انہی ٹھوں کی دھمک اور نعروں کی گرج کا انتظار کر رہی ہے۔“

سلطان محمود غزنوی کا خطاب جذباتی ہوتا چلا گیا۔ وہ ہندو سیلانیات سالاروں اور کامرادوں کو دے دیکھا تھا۔ اُس نے پیاریوں کو یہ زمین نشیں کرنا ضروری سمجھا تھا کہ یہ جنگ ملکی گیری اور سلطنت کی توہین کے لیے نہیں بلکہ عبادتِ سیل اللہ ہے۔ اس کے جذباتی الفاظ

اپنے وزیر کو ان کے پاس بھیجو۔

”میں ہی سلطان ہوں اور میں ہی وزیر ہوں۔“ قاک نے کہا۔ ”مجھے اپنے راجہ کے پاس سے طو میں واپس نہیں جادوں گا۔ اگر تم نے مجھے رکنے کی کوشش کی تو میں تمہارے ان تیرا ملازموں سے نہیں ڈروں گا جو میاں پھانسیوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کے بغیر دیا پار کرنا جانتے ہیں۔ ایک غلط حکم پر اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔“

ہندو اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ قاک ادھر ادھر دیکھتا گیا۔ اُسے چٹانوں پر تیرا ملازموں نے ٹوٹے ٹکڑے۔ ان چٹانوں سے نکل کر آگے گئے تو اُسے راجہ اندپال کی فوج کے نیچے نظر آنے لگے۔ قاک اس زمین کے صفا خال کو دیکھتا گیا۔ اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ میاں انیس لڑا پار ہے گا اور اس لیے زمین سے واقفیت ضروری تھی۔ اُس دیر اس نے میں راجہ کی موجودگی بتا دی تھی کہ اُس کی نیت ٹھیک نہیں۔

بر سے بھرے دھڑوں نے اُس جگہ کو بہت خوبصورت بنا رکھا تھا جہاں راجہ اندپال کی شاہی خیمہ تھی۔ ہر طرف گھنا بڑھتا قاک کو جب ایک چوکور اور وسیع خیمے میں داخل کیا گیا تو اُسے محل کا گن جو راجہ بھپال اور بچی بھائی مندر پر بیٹھا تھا۔ اُس کے پیچھے دو بڑی خوبصورت لڑکیاں کھڑی ہو چکی تھیں۔ راجہ کو پہلے بتایا گیا تھا کہ اُسے بننے کوئی آرا ہے اور وہ کپڑوں کا ہے۔ اس لیے وہ چہرے پر غوث کے آثار لے ہوئے تھے۔ اُس کے ماتھے پر فوج کے بڑے افسر اور وہاں بیٹھے تھے۔

”کیا تمہارا سلطان دیا پار کرنے کی اجازت چاہتا ہے؟“ راجہ اندپال نے پوچھا۔

”اُس کا ارادہ کیا ہے، وہ کہاں جا رہا ہے؟“

”آپ ہمارے باگھڑا ہیں۔“ قاک نے کہا۔ ”آپ نے ابھی تک تانہ بھی نہیں دیا۔“

”معاذ کے مطابق آپ ہمارے مطیع ہیں۔ آپ پو پھنے کے حق سے محروم ہیں کہ سلطان کیوں دیا پار کرنا چاہتا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری فوج آپ پر حملہ کرنے نہیں آ رہی۔ ہم امن اور اطمینان سے گزر جائیں گے۔“

”ہم تیری گستاخی نہ کرتے ہیں۔“ راجہ اندپال نے کہا۔ ”ہم کسی کے باگھڑا

نہیں ہیں۔ معاہدے کرنے والا میرا باپ تھا۔ وہ مر گیا ہے۔ تمہارے سلطان نے مجھے شکست نہیں دی تھی۔ میں کوئی تانہ ادا نہیں کروں گا۔ اپنے سالانہ سے کٹا کر میں اچھی طرح جاتا ہوں کہ تم اپنی فوج کہاں لے جا رہے ہو۔ ہم تیس دن جاکر ادا نہیں بنانے دیں گے۔ ہماری نظریں ان پہاڑوں کو جو کر دیکھ لیا کرتی ہیں کہ ان کے پیچھے کیا ہو رہا ہے۔ ہم تیس بنا سکتے ہیں کہ تمہارا سلطان اس وقت کہاں ہے اور اُس کے ساتھ کتنی فوج ہے۔ اُسے کھو واپس چلا جائے۔ ہم اُس کے مطیع نہیں۔ اُسے اگر دیا پار کرنے کی اجازت چاہیے تو خود ہمارے دربار میں آئے۔“

”ہم اپنے سلطان کو کسی ایسے آدمی کے دربار میں نہیں جانے دیا کرتے جو غور سے گردن اکڑا کر بات کرنے کا ملوٹی ہو۔“ قاک نے کہا۔ ”وہ اگر یہاں آنا چاہے گا تو بھی میں اُسے یہاں نہیں آنے دوں گا۔“

”تمیز سے بات کرو۔“ ایک صدی کے گرج کر کہا۔ ”تم ہمارے دربار اور راجہ وید کی توہین کر رہے ہو۔“ اُس نے راجہ اندپال کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھا۔ راجہ مسکرا رہا تھا۔

”تم جاسکتے ہو۔“ راجہ نے کہا۔ ”ہم تمہاری جوانی پر رحم کرتے ہیں۔ اس بل پر پھر کبھی قدم رکھنے کی جرأت نہ کرنا۔ اگر تمہارا سلطان لڑنے کے ارادے سے آیا ہے تو ہم تیار ہیں۔ اُسے کہہ دو دیا پار کرنے کی جرأت کرے۔“

”ہم لڑنے نہیں آئے۔“ قاک نے غصہ پی لیا اور اُسے دھوکہ دینے کے لیے کہا۔ ”سلطان کا لوہا کتنی ارادہ نہیں۔ ہم جب لڑنے آئیں گے تو آپ سے دیا پار کرنے کی اجازت نہیں لینے آئیں گے۔ ہم آجائیں گے۔ اب ہم واپس جا رہے ہیں۔“

”کیا یہ سچ ہے کہ تم نے اُسے کہا تھا کہ ہم لڑنے نہیں آئے، واپس جا رہے ہیں؟“

— سلطان بھٹو نے قاک سے پوچھا۔ قاک سلطان کا اطلاع دینے کے لیے کہ اندپال نے دیا پار کرنے سے روک دیا ہے۔ ”مجھے چاہیے تھا اور اُس نے اندپال کے ساتھ جواب میں

کی کھتیر دہمن دمن شادی کھتیر۔

وہیں تھامی دلفشیدی کی تعریف کرتا ہوں۔ سلطان ٹھوٹے کہا۔ اُسے ایسا دھوکہ لٹنا چاہئے تھا۔ میں آج ہی رات دیا پار کروں گا۔ تیار سا سوار دو کشتیوں کے بل کے قریب بیازلوں میں چھپا رہے گا۔ تھامی ہمد کے لیے ایک اور دستہ بھجائے گا۔ باقی فوج کسی اور جگہ سے دیا پار کرے گی اور انڈیا مال پر حملہ کرے گی۔ تم میرے بیٹیاں کا انتظار کرنا۔ اشارہ ملتے ہی تیار دستہ اور حفاظتی دستہ کشتیوں کے بل سے دیا پار کرے گا۔ میں بتائیں سکا کہ تھامی کے سامنے دشمن کا پہلو ہو گا۔ عقب ہم اپنی عقل استعمال کر کے کارروائی کر لیں۔ ہم اپس بل کے قریب ملے جاؤ۔ احتیاط کرو کہ تمہیں یا تمہارے کسی سوار کو دشمن دیکھ نہ سکے۔ بلی پر نظر رکھو۔ کوئی بھی آدمی خواہ وہ کئی دور پیش اور بفری ہو۔ بل سے گزر کر ادھر آئے تو اُسے پکڑ لو۔ وہ دشمن کا جاسوس ہو سکتا ہے۔ سلطان ٹھوٹے غزنوی نے پیر سالار ابو عبد اللہ کو بلا کر اُسے بتایا کہ راجہ انڈیا مال دیا پار فوج لے کر میں چاہئے اور اس نے ہمیں دیا پار کرنے سے روک دیا ہے۔ خورزا ناہی گروں کے بھیس میں خود جاہیں یا کسی اور سالار کو بھیجیں اور دیکھیں کہ دیا پار کہاں سے پار کیا جاسکتا ہے۔ آج ہی رات دیا پار کر کے انڈیا مال پر حملہ کیا جائے گا۔

سلطان کوٹ نے قاسم بن عمر سے دیا کہ پار کی زمین کے حدود خال کی تفصیل مسموم کر لی تھی۔ اور ہراجہ انڈیا نے اپنی فوج کا کچھ حصہ دیا کہ اُس حصے کے سامنے تیل کھڑا کر دیا جہاں کشتیوں کا پل تھلہ جگہ اُس مقام سے ذرا ہی اوپر کی طرف تھی جہاں دیتا کابل دریا کے منہ سے ملتا ہے۔ یہ ایک کام تھا جسے مشہور تاریخ دانوں نے جن میں فرشتہ، عینی اور گدیزی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لکھا ہے کہ سلطان محمود کی فوج نے اوپر جا کر اُس جگہ سے دریا پار کیا جہاں پل چوڑا اور پانی کی گہرائی کم تھی۔ صبح کا اجالا کھڑنے سے پہلے فوج دریا پار کر گئی تھی۔ ان تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ یہ ۶۰۶ھ کا موسم بہار تھا۔

ساجد ابدال کو قلعہ نہیں بھٹی کو مسلمانوں کی فوج اتنی جلدی دیا کہ اسے جگہ۔ وہ
بے خبری کی غیند سو ابرو اٹھا جب سلطان محمود کی قیادت میں اس پر حملہ ہو گیا۔ اس
کی فوج پوری طرح تباہ شد۔ سندھوئی نے مقابلہ کیا۔ انڈیا کی دوسری فوج تیار

کی حالت میں تھی جسے پل کی حفاظت پر مہم کیا گیا تھا اسے جوابی حملے کے لیے بلا لیا گیا۔
سرج نکل آ کر تھا، قاسم کا سولہ دستہ بے آبی سے اٹھ کر کاہنہ نظر تھا اس نے ایک اونچی
پہاڑی پر دو آدمی بٹھا کئے تھے جو میدان جنگ کو دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے جب دیکھا کہ دریا کے قریب ہندوؤں کا جو دستہ تھا، وہ میدان جنگ کو
وڑنا نہ چاہتے تو انہوں نے اوپر سے قائم کو اشارہ دے دیا، قاسم نے اپنے دستے کو برق
زنا رخسار کا حکم دے دیا۔ اُس کے پیچھے ایک اور سوار دستہ تھا۔ دونوں دستوں کے پہل
سے بہت تیزی سے گزر گئے، اور اہل میل کر ہندوؤں کے اُس دستے پر عقب سے ٹوٹ
پڑے جو جوابی حملے کے لیے جا رہا تھا۔ راجہ اندیا ل کو سنبھلنے اور میدان جنگ کو سنبھالنے
کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اُس کے لیے اب یہی چال رہ گئی تھی کہ اپنی جان بچائے۔ وہ بھاگ نکلا۔
اُس کی فوج بکھر گئی۔ سلطان کو دئے تعاقب کا حکم دے دیا لیکن اندیا ل بہت پہلے حل گیا
تھا، پھر بھی تعاقب جاری رکھا گیا۔ اُس کی فوج دُور دُور تک کبھر گئی تھی۔ ان میں سے بہت
سے پناہوں کو کھڑا لایا گیا، باقی بھاگ گئے۔

موسخ محمد قاسم فزشتہ کی تحریر کے مطابق جب سلطان محمود کا دستہ جو تہماق کے لیے گیا تھا دیاپے چناب کے کنارے پہنچا، اُس وقت راجہ اندپال دیاپار کر گیا تھا یہ مقام اُس ندر میں سوہرا نکلا تھا اسباب اسے وزیر آباد کئے ہیں۔ راجہ اندپال کو غریب سے ملا حوں نے اپنی کشتی میں دیاپار کر لیا تھا۔ مہاراجہ دانوں نے اس لڑائی کو موخر کر دیا ہے نہ کہما ہے۔

تغاق میں سلطان محمود کی فوج بھی کچھ گڑھی تھی لیکن اس نے محمدوں کے ذریعے
فوج کو دیا جسے جہلم کے مشرقی کنارے پر جمع کر دیا۔ اس اجتماع کی تکمیل میں ایک ماہ

میں داخل ہو گیا۔ قاتم اور اُس کے ساتھیوں نے گھوڑے سولے اور اپنے دستے کی طرف چل پڑے۔

راجہ کی رائے اپنے دربار میں بیٹھا تھا۔ اُس کی فوج کا ہر سالہ جسے وہ سینا بتی کہا کرتے تھے، رپورٹ دے رہا تھا کہ چھاپہ ماروں کو گئے ڈیڑھ سینے۔ زیادہ عمر گزر گیا ہے، ابھی تک سلطان کو غولوی کی فوج نہیں آئی۔ انہوں نے ایسے سلسلے دی نظر رکھا ہوا تھا جو داؤد بن نصر نے قائم کر دیا اور اس پر وہ سارے بنایا تھا۔ اُسے سلطان کوئی فوج کو لا تھا۔ ابھی رائے نے اس فوج کو راستے میں خود اسے نقصان پہنچانے کے لیے چھاپہ ماروں کی فضا میں تھوڑی سی دی تھی اور انہیں ملے۔ قہم کر دیے تھے۔ وہ ہر روز اس خبر کی امید لے کر جاگتا تھا کہ سلطان کوئی فوج پرچھا۔ اور شیخوں شروع ہو گئے ہیں مگر ہر روز ایسی کے سوا اُسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔

پھر یہ فوج کئی کہاں؟۔ ابھی رائے نے اپنے سینا پانی سے غصے سے کہا۔ پشاور سے اطلاع آئی تھی کہ وہاں سے فوج چل پڑی ہے۔ اس کے بعد کچھ پڑھیں چلا۔ نہیں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ داؤد نے آپ کو دھوکا دیا ہے یا سلطان کو لا جو سالہ داؤد کے پاس آیا تھا وہ دھوکہ دے گیا ہے۔" سینا پانی نے کہا۔ آپ مسلمانوں پر بیوقوف کر کے بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ اسے میں ابی رائے کو اطلاع دی گئی کہ اپنا ایک سوار آیا ہے جس کی بیٹھ میں تیرا اُترا ہوا ہے۔

ابھی رائے ابھی کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ آدمی اُفتدا گیا۔ اُس کی بیٹھ میں تیرا اُترا ہوا تھا اور خون سے اُس کے کپڑے لال ہو گئے تھے۔

میں نے مسلمانوں کی فوج کا ایک سوار دستہ دیکھا ہے۔ اس آدمی نے کہا اور سمیت بنائی جدھر سے دستہ آ رہا تھا۔ میں سواروں نے میرا تعاقب کیا اور گھر پر تر چلائے۔ ایک لمحے کا بہنے اور دو سوار میرے گھوڑے کو۔ یہ دستہ براہِ دل کا ہو سکتا ہے۔

ابھی رائے کی فوج کے ساتھ مکر نہ ہو کہ فوج تھک چکی ہے اور ہمارے ساتھ رہد آتی زیادہ سب سے کڑائی کی صورت میں ہم اسے سنبھال نہیں سکیں گے۔ اس کی حفاظت میں ڈوکان پریش آئے گی۔ میں اب قاتم پر چننا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ داؤد بن نصر کو پہلے ٹھکانے لگایا جائے۔ آستین کے سانپ کو مارنا ضروری ہے۔

وہاں سے فوج نے کوچ کیا تو ابھی قاتم بن عمر کا دستہ براہِ دل میں تھا۔ اُس کے دستے کے کچھ ساتھی مارے گئے تھے۔

تیسرے روز قاتم اپنے دستے کے آگے آگے جا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ اُسے ملانے کے دو گائیڈ تھے جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ قاتم کو چار یا پنج سو گز دور ایک آدمی نظر آیا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے گھوڑا روک لیا تھا اور وہ قاتم کے دستے کو دیکھ رہا تھا۔ اس آدمی نے گھوڑا موڑا اور ایڑ لگا دی۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ فوج سے ڈر کر بھاگ اٹھا ہو لیکن قاتم کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ یہ آدمی ابھی رائے کی فوج کا آدمی ہو سکتا ہے اور دیکھو میں اطلاع دے گا کہ فوج آ رہی ہے۔ قاتم نے اپنے گائیڈوں سے پوچھا کہ پھر کتنی دُوبے۔ اندکس سمت کو ہے۔ اسے سلطان کوئی یہ براہِ راست یاد تھی کہ پھر کے دُور سے گزرتا ہے۔ اپنے گائیڈوں کو اس نے یہی بتایا تھا۔ گائیڈوں نے اُسے بتایا کہ پھر قریب ہی ہے اور یہ سوار پھر کی سمت گیا ہے۔

قاتم بن عمر نے دو سوار اپنے ساتھ لیے اور اس آدمی کے تعاقب میں گھوڑا دوڑایا۔ وہ خاصا آگے چل گیا تھا لیکن قاتم اور اُس کے دو سواروں کے گھوڑے بہت تیز تھے۔ فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ پھر انہیں پھر کے قلعے کے بُن نظر آنے لگے۔ بھاگے والے اور تعاقب کرنے والوں کے درمیان فاصلہ اور گھوڑا ہو گیا۔

مکان میں نکلا۔ قاتم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ یہ شہر تک زندہ نہ پہنچے۔

دونوں سواروں نے دوڑتے گھوڑوں سے تر چلائے ایک تیر سوار کی بیٹھ میں اور دوسرا گھوڑے کی بیٹھ میں لگا۔ گھوڑا اور تیر سوار قاتم کے سواروں نے وہ اور تر چلائے لیکن گھوڑا والا سوار بیٹھ میں ایک تیر لیے ہوئے دوڑ بھی گیا تھا۔ دونوں تیر ضائع گئے۔ اب شہر کی دیوار سے گھر آئے گی ابھی جو تمام قلعوں کی نسبت زیادہ اونچی تھی۔ گھوڑا اس شہر کے دروازے

یہ بے وفو فوج جس کا ہم انتظار کر رہے ہیں۔۔۔ کی رائے نے کہا اور فرلانے والے زخمی کو نظر انداز کر کے سینا پتی سے کہا۔ ہم کو کو آتی صلت نہیں دیں گے کروٹہر کام صحر کر کے۔ اُس کی فوج کو کج کی تھکی ہوئی ہوگی ہم اسے راستے میں روکیں گے اور شہر سے دور لائیں گے۔

ذرا ہی دیر بعد سکھ اہل قلعہ سے بج اُٹھے۔ بھڑو کی فوج میں ہڑ بوبگ ونگ کی راتھوں کی چنگھاڑ سنائی دینے لگی۔ ہزاروں گھوڑے جھنڈے لگے فوج کے دیکھ بھال کے آدمیوں کو یہ دیکھنے کے لیے دوڑاؤ گیا کہ مسلمانوں کی فوج کہاں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اطلاع آگئی کہ سلطان محمد کی فوج شہر سے آٹھ دس میل دور سے گزر رہی ہے۔ بجی رائے نے حکم دیا کہ فوج کو اُس راستے پر جنگی ترتیب میں کر دیا جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بجی رائے کی فوج شہر سے نکل گئی۔

قائم بن عمر واپس جا کر اپنے ہراول کے دستے سے پیچھے سپہ سالار ابو عبد اللہ کے پاس چلا گیا اور اُسے بتا کر ایک ہوا سے انہیں دیکھ لیا ہے اور ہمارے تیروں سے زخمی ہو کر شہر میں چلا گیا ہے۔ ابو عبد اللہ نے سلطان محمد کو اطلاع دی۔ سلطان پریشان سا ہو گیا۔ قائم اُس نے زہد کے قافلے کو دہیں روک کر اس کے ارد گرد حفاظت کا انتظام کر دیا۔ قائم کو یہ دیکھنے کے لیے بھجوا گیا کہ بجی رائے کی فوج کی نقل و حرکت دیکھ کر اطلاع دے۔

قائم بن عمر کو اطلاع ملے کہ آیا وہ تشویش ناک تھی بجی رائے نے بھڑو شہر سے تین چار میل دور ایسی زمین پر جس کے نشیب و فراز اور ضد خال اُسی کو فائدہ دے سکتے تھے اپنی فوج کو جنگی ترتیب میں بھیلادیا تھا۔ سب سے آگے اٹھتی تھیں سلطان محمد نے اس کے مطابق اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور آگے بڑھا۔ اُسے اٹھویں کی کڑی دیو لیں کا حکم تھا۔ وہ جانا تھا کہ اٹھنی زخمی ہو کر پیچھے کو بھاگتے اور اپنی ہی فوج کو کھینچنے لگتے ہیں چنانچہ اُس نے اُن پیادوں سے آٹھ سولہ لاکھ لاکھ کیا جو تیروں اہل جمہور سے مسلح تھے اٹھویں نے حذر رکھنے کے لیے پیش قدمی کی کئی اٹھنی زخمی ہو کر بے قابو ہوئے۔ پیچھے کو بھاگنے لگے مگر پیچھے بجی رائے کی کوئی فوج نہیں تھی جسے اٹھنی کھیلے۔ اٹھویں کے بھاگنے اور گھوم

پھر کر لانے کے لیے زمین خالی رکھی گئی تھی۔ سلطان محمد ایک جگہ سے میدان جنگ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جہاں سے ٹھکر ہوا وہاں وہ بجی رائے کی نقل و حرکت پر غور کر رہا تھا۔ اُس نے پہلی بار اٹھویں کا اتنا اندازہ نہ کیا تھا۔ بجی رائے کے اٹھویں اور اُن کے سواروں سے سلطان زیادہ جلد آدھل کا بے دردی سے نقصان ہوا تھا۔ سلطان محمد نے پیادوں کی مدد کے لیے ایک سوار دستے کو حکم کا حکم دیا۔ کم و بیش ایک ہزار سواروں نے ہڑ بوبگ ونگ کی رائے نے اس دستے کے دونوں پہلوؤں پر اپنے سوار دستوں سے حملہ کر دیا۔ سلطان سوار اپنے پیادوں کی مدد کو پہنچ ہی نہ سکے۔

جند بہت طبری سے اور اُن کے کانڈر تھی ہم ذرا سست سے لڑ رہے تھے۔ سلطان محمد نے دشمن کے بھڑو میں دستے پیچھے گر گئی رائے نے اس کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ اُس کے دستوں نے سلطان محمد کے دستوں کو راستے میں ہی روک لیا اور کسی سمت سے اُن پر اٹھنی دھاوا دینے لگے۔ اٹھویں کے سولہ تیروں کا میدان برساتے آ رہے تھے سلطان دستوں کے لیے آگے بڑھنا نہ سکی اور پیچھے ہٹنا دیکھا۔ اور اس بھڑو جنگ کے پہلے دن کا سورج غروب ہو گیا۔

سلطان محمد کو شکست اور پانی صاف نظر آنے لگی۔ اُس نے اپنے سپہ سالار ابو عبد اللہ کو ساتھ لے کر ارد گرد کا کچر کات کر بھڑو شہر کے قریب جا کر اندازہ لگایا کہ بجی رائے کی توجہ میراں جنگ سے جہاں کے لیے شہر پر لگا رہی جا سکتی ہے یا نہیں لیکن شہر کے باہر بجی رائے نے تیر انداز دستے مورچہ بند کر رکھے تھے۔ اس دوران رات کو سلطان محمد کی مدد پر جلد ہو گیا۔ یہ سلطان کا طریقہ جنگ تھا جسے ہندو فوج اُس کے خلاف استعمال کر رہی تھی۔

رات جلد گئے مگر بجی سلطان محمد نے غار سے فارغ ہوتے ہی دشمن کے ایک پہلو پر پیادوں سے حملہ کر دیا مگر زیادہ سے کچلے گئے کیونکہ جسے سلطان محمد پہلو سمجھ رہا تھا وہ پہلو نہیں تھا۔ سلطان کا یہ دستہ جھنڈے میں آگیا۔ ابو عبد اللہ نے قائم بن عمر کے سوار دستے کو مدد کیلئے آگے بھیلادیا۔ اس دستے نے ایک قسم کا خود کش حملہ کیا۔ بے تحاشا کشت و خون ہوا۔ اٹھنا بھڑو کر پڑا ہی تو زبردست بھڑو تھا۔ مورچوں کے مطابق، دونوں فوجوں کا بے انداز نقصان

تھوڑی رہ گئی تھی، اور دوسرا خطرہ یہ کہ سلطان جذبات کے جوش میں آگیا تھا۔ ابو عبد اللہ نے میدان جنگ کے قتالی اور احوال کو الف پر نظر رکھی اور دائیں بائیں سے دشمن پر حملے کرانا راہ اس سے سلطان کا یہ فائدہ کامیاب رہا۔

بکی رائے نے جو دستے شہر کے ارد گرد پھیلا رکھے تھے انہیں بھی جنگ میں جھونک دیا۔ اہل سورج غروب ہو گیا۔ اگلے روز بکی رائے کا جھنڈا کیس نظر نہیں آ رہا تھا اس کی فوج کچھ رہی تھی۔ ابو عبد اللہ نے شہر پر بلند کڑی حد واز سے توڑ بیٹے بکی رائے لاپتہ تھا۔ آخر وہ شہر سے کچھ دور ایک وسیع قصبہ میں مسلمان سواروں کو مل گیا اس کا محافظہ دستہ بھاگ گیا۔ بکی رائے کو لاکھا لاکھ بھیلہ ڈال دے مگر اس نے توار اپنے پیٹ میں گھونپ لیا۔ سلطان کی فوج نے دوسرا سی اتھی زندہ پکڑے اور وہ پھر وہیں داخل ہوا۔

رات کو میدان جنگ میں لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ ان میں زخمی بھی تھے، زخمی بے زور بھی تھے۔ ان کے درمیان شعلیں گھوم پھر رہی تھیں۔ ایک جگہ قاسم بن عمر زخمی پڑا تھا۔ اور اسے ایک نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی۔ قاسم قاسم زندہ ہو تو بولو!

جور تھا۔ زمین لٹل سُرخ ہو گئی تھی۔ اور دوسرے دن کا سورج بھی گرد و فدا زخموں کی آہ و بکا اور جانوروں کے شور و غل میں ڈوب گیا۔

دوسرے دن سلطان کی فوج تقریباً آدمی بہ بکی رائے اور اس کی رسد کا سامنا تھا۔ تباہ ہو چکا تھا۔ اس روز کی لڑائی نے سلطان محمود کو بالوں کر یا معروف مورتی کا قلم خشتہ نے اس خوفناک منظر کا آنکھوں دیکھا حال ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ سلطان محمود اس حد تک بالوں ہو گیا کہ اس نے جنگ بندی کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے جب اپنی فوج کو بے جگری سے لڑتے دیکھا اور یہ دیکھا کہ بکی رائے کا جھنڈا ابھی زندہ ہے تو اس نے اپنے صوفیہ کے دستوں سے ان الفاظ میں خطاب کیا کہ میں فتح کے لیے اپنی جان خدا کے حضور پیش کرتا ہوں۔ جسے کی قیادت میں خود کروں گا۔ سلطان کے الفاظ اور بے اور انداز میں جلد کا آخر تھا۔ کونٹے کے دستوں کے نعرے لے پھر کے آسمان کو بلاد الا سلطان نے خود ان دستوں کی قیادت کی اور برقی رتنا طرہ بول دیا مگر بکی رائے کے دستوں نے یہ جلد بھی بھار کر دیا سلطان نے اپنے دستے پیچھے کر لیے بکی رائے اب زیادہ تر دفائی جنگ لڑ رہا تھا۔ سلطان محمود گھوڑے سے اتر اور قبلہ رو ہو کر مدخل پر پہنچے۔ سلام پھیرتے ہی وہ تیزی سے اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے بھاگ پھاڑ کر کہا۔ بکھے خدا نے فتح کا اشارہ دیا ہے۔ مسلمانو! آگے بڑھو۔ مسلمان پارسوں نے نعرہ بکھر دیا کہ اے دوسری بار بڑھو لا۔ خشتہ کھینچا ہے۔ بکی رائے بھی مسلمانوں کے اتر توڑ گلوں سے گھبرا گیا تھا۔ ادھر

جب سلطان خدا کے حضور کھڑے ہوئے تو بکی رائے اپنے دو ہندوؤں کے درمیان اپنے کسی دیوتا کے بت کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑا رہا تھا۔ اس کی فوج کا بہت سا حصہ مارا گیا اور باقی فوج شکست کھاتی تھی بکی رائے کو دوسرے بے کی اطلاع ملی تو وہ بت کے پاؤں کو چم کر میدان جنگ میں آیا۔ اسے ایک بڑی ہی بلند آواز سنائی دے رہی تھی۔

مسلمانو! آج موت ... مسلمانو! یہ تمہارا خدا ہے جس کی جنگ ہے ... اسلام کے پیالہ ہوا! ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔ لڑتے ہوئے مرد بہتیار نہ ڈالو۔ اب مسلمان جذبے کی جنگ لڑ رہے تھے، اور قیادت سلطان کر رہا تھا۔ پہلا ابو عبد اللہ سلطان کے پہلوؤں اور عقب کا خیال رکھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد

لا ریب وہ ایمان والے تھے۔ وہ جذبہ اسلام سے سرشار تھے۔ وہ ترائے ہوئے
ان پھروں کو مغرب کیسی سے کوڑنے آئے تھے جنہیں گنگا جمن کے کناروں نے خدا بنا رکھا
تھا۔ وہ اسلام کی ان بیٹیوں کی عظمت کی بجاہلی کے بے آئے تھے جنہیں ہند کے راجاؤں

یہ غزنی کی زبان بول رہے تھے۔ قاسم بن عمر نے بلند آواز سے انیس بتایا جا کر وہ
 ہاں نے مگر اس کی آواز اُسے خود بھی نہ سائی دی۔ نقابست زیادہ تھی اور جنگ کے
 بعد ابھی ایک شور مچا رہا تھا۔ شعلیں دُور تو نہیں تھیں لیکن اس کے لئے کہیں
 وہ جس کی زد پہ نہیں سکتا تھا۔ وہ دو تین قدم ہی چلا ہو گا کہ ایک لاش سے ٹھوکر کھا کر مرنے
 لگا۔ اُس نے پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر بڑی مشکل سے بیٹھ سکا۔ اُسے سکی کی طرح آواز
 سائی دی۔ "ہائی۔"

اُس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک زخمی پڑا تھا۔ اُس نے آبِ نہیں پانی لگا تھا۔
 ہاتھ سمجھ گیا کہ ہندوستانی پیاسی ہے۔ قاسم کی ماں ہندوستانی تھی، اس لیے وہ اس ملک
 کی زبان بولتا تھا۔ اس ہندوستانی نے اُس سے پانی مانگا تو قاسم بن عمر کیس کا احساس
 ہونے لگا۔ اُسے کچھ یاد نہیں تھا کہ اُس نے کب پانی پیا تھا۔ اُس کے ذہن پر ماں غالب
 تھی، اور فتح، وہ بڑا دل میں را۔ اُس کے غصے نے چھاپ مار لائی تھی لڑی اور جب سلطان
 کو غزنی نے اپنی قیادت میں بھی رائے پر آخری ہلاک تو قاسم بن عمر اس خطے میں بھی شامل
 تھا۔ وہ سلطان بن کی طرح بھوک اور پیاس سے بے نیاز تھا۔ اُس کی فوج ختم ہو رہی تھی اور
 ہر ہندوستانیوں کا بھاری تھا۔ فتح و دہشت جاری تھی۔

"تم کون ہو؟" اُسے آواز سائی دی۔ "بھگوان کے نام پر میرے منہ میں پانی کے
 لافٹے ڈال دو۔" اور پیاسی کی سسکیاں نکلنے لگیں۔ یہ شدید درد کی سسکیاں تھیں۔
 بھگوان کا نام سن کر قاسم بن عمر کو آگ بھگتی۔ اُس نے تلواری کاٹنی چابی تو نیم خالی تھی تلوار
 کی گہری گڑھی تھی۔ اُس نے خنجر نکال لیا۔ مین اُس وقت اُسے زخمی پیاسی کی درد سے
 راتنی ہوئی آواز سائی دی۔ "تم شاید مسلمان ہو۔"

"اے ایس مسلمان ہو۔" قاسم بن عمر نے خنجر نیام میں ڈالتے ہوئے کہہ مسلمان
 اپنے دشمن کو پیاس نہیں مارا کرتا، اور بھگوان تین پانی پلانے نہیں آئے گا۔ مگر میرے
 پاس پانی نہیں ہیں تیس پیاس نہیں مرنے دوں گا۔ ذرا انتظار کر دیجئے کہ آنے تک زندہ رہنا۔"

وہ اٹھا چلا مگر انہیں لاکھڑا نہ لگیں۔ بیٹھ کر پاؤں پر مرنے قریب ایک لاش کے پاس

پیشاب سے کوج کر کے آرا تھا تو ماں نے اُس کے بازو کے ساتھ قرآن کی ایک آیت کا
 تعویذ مانگ کر کہا تھا۔ "اللہ اعلم سرے ہینے ازندہ واپس آوے تو ماں کو خوشی ہوگی کہ تیری
 لاش آئے گی تو ماں بہت زیادہ خوش ہوگی لیکن میں فتح کی خبر سنوں۔" اُسے یہ بھی یاد
 آیا کہ اُس کی ماں نے اُس کے سپہ سالار ابو عبد اللہ محمد الطائی سے کہا تھا کہ میں اپنے اس
 اکوڑے بیٹے کو رضا کی راہ میں قربان کر کے اس کے باپ کے گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہوں
 قاسم بن عمر کے جسم سے خون نکلتا جا رہا تھا وہ خون سے تر زمین پر نہیں شہادت کی گواہ
 میں پڑا تھا جس میں پادری آوازیں بن کر اُس کے دہن کے پردوں سے نکل رہی تھیں
 اُس کا دماغ بیدار ہوتا جا رہا تھا اور یہ سوال اُسے پریشان کرتا جا رہا تھا۔ کیا میرے
 فتح حاصل کر لیا ہے؟ کیا میں نے باپ کے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے؟ اور پھر بہت
 سے سوال اُس کے ذہن میں ریگنے لگے۔ "سلطان کو کہاں ہیں؟ ... سالار ابو عبد اللہ کہاں ہیں؟
 ... میرے جاننا بیش کے مجاہدین کہاں ہیں؟ ... وہ سب کچھ تو نہیں گئے، ہمارے
 تو نہیں گئے؟ ... سلطان پاپا تو نہیں ہوگا؟ بھڑکاتے ہوئے اٹھائے انہیں؟ ... میری
 خون آلود اور میری اہل ایک کون پہنچ گیا؟ ... کون اُسے بتائے گا کہ میرے بیٹے نے اس
 تلوار سے اپنے آپ کو نہیں سیکرنا کفار کو ہلاک کیا ہے۔"

قاسم بن عمر کو ابھی معلوم نہیں تھا کہ فتح حاصل کی جا چکی ہے اور سلطان مگر اس وقت مجبور
 میں بھی رائے کے محل میں بیٹھا سالاروں اور کمانداروں سے رپورٹیں لے رہا ہے اور احکام
 سے رہا ہے، اور کئی رائے اسی تلوار سے اپنے آپ کو ہلاک کر چکا ہے۔ قاسم بن عمر نے اٹھنے
 کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے اس کوشش میں کامیاب ہوا۔ اُس نے ہر سو دیکھا۔ اُسے ہزار
 مشیں گھومتی پھرتی نظر آئیں۔ چاندنی جو کھلی کھلی تھی، اصل ہی چمکی پڑ گئی۔ اُسے پھر نسلاں آگ
 سائی دی۔ "قاسم ... قاسم ... کہاں ہو۔ آواز دُور تھی۔ اُسے ایک مردانہ آواز سائی دی
 "یہ لڑکی جسے دھونڈ رہی ہے، کوئی اس کے ساتھ نہ ہو جاؤ اسے یہاں سے لے جاؤ۔"
 "قاسم بن عمر کی لاش تلاش کر رہی ہے۔"

اُسے کچھ نہیں اور لاشوں کو اٹھا سب سے ہیں۔ ... دیکھو یہ کون ہے؟

تاسم بن عراب کھڑا ہونے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ وہ ایسی جھڑپا تھا جدھر کوئی آسپی نہیں رہا تھا اسے قاسم.... قاسم کی آواز سنائی دیتی رہی تھیں۔ وہ بھی خاموش ہو چکی تھیں۔ وہ دیواروں سے بچا تھا۔ اُسے دور دور مشعلیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اُسے ایسی آسپی تھی کہ اُسے اٹھانے کوئی نہیں آرا اور وہ خود مریم بنی کے خیوں کسپہننے کے قابل نہیں، وہ سلطان کو تک یا اپنے سپہ سالار تک پہنچنا چاہتا تھا نہیں یہ بتا کر مرنے کی سوجھ راجھا کر اُس نے باپ کے گناہ کا تارا ادا کر دیا ہے۔

اس پریم غشی کی کیفیت طاری ہونے لگی تو اُسے دو مشعلوں کے بڑے بڑے شعلے اپنی طرف آتے نظر آئے۔ وہ اٹھ بیٹھا اور ان کا انتظار کرنے لگا۔ اُس نے اپنے آپ کو جوش میں رکھنے کی کوشش کی۔ یہ اس کی اپنی فوج کے آدھی ہو سکتے تھے۔ اُسے شوانی پکارا ایک بار پھر سنائی دی۔ قاسم.... قاسم.... زندہ ہو تو بولو! — وہ بول نہ سکا۔

دو مشعلیں اُس کے قریب اس طرف آ رہی تھیں کہ کبھی تھیں اٹھتی تھیں، اور اٹھتی تھیں اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتی تھیں، پھر دو آدمی اُس کے قریب اگر ٹک گئے تو دو بندوق پہلو کھڑے تھے۔ دو نو کے اٹھوں میں مشعلیں تھیں۔

تاسم بن عراب ان میں سے ایک کی دلی دلی سی آواز سنائی دی۔ سلطان ہے۔
ترحوال ہے.... ہمدی نہیں سمجھتا۔

”اے میں سلطان ہوں۔ قاسم نے خیف آواز میں کہا۔ ”مجھے فوج کی خوشخبری سناؤ۔ اس شہر کے آدمی مظلوم ہوتے تو ہم میری زبان نہیں بولی سکتے۔ میں تمہاری زبان بولی اور سمجھ سکتا ہوں۔“

دو نو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دو نو سکرائے۔ ایک نے تلووار نکالی اور غمزہ لہجے میں بولا۔ ”میں تمہیں تلوار کی زبان میں فوج کی خوشخبری سناؤ گا۔“ اُس نے تلوار اُپر اٹھائی۔ قاسم بن عمر پکھنے کی حالت میں نہیں تھا۔ اُس کی زندگی اور موت میں صرف ایک لمحے کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ تلوار اُس کی گریب کی طرف تھنے لگی تھی کہ ایک مشعل کا

خاموش تھیں، لیکن خاموش تھے، بُت اور مورتیاں اداس تھیں۔ بہت سارے ہاتھوں والی دیو کی کابُت مسکرا تھا لیکن پیکر اہٹ کھپالی سی تھی۔ مندر پر موت کا سکوت طاری تھا۔ پنڈت نے کوئی اشلوک نہ پڑھا۔ اُس نے برا بھلا نہ کیا۔ اُس کے چہرے پر سجدگی کے گھرے، آغزات تھے۔

”ہماری فوج ارگئی ہے۔“ پنڈت نے کہا۔ ہم نہیں ہمارے مسلمانوں کے سلطان نے ہمیں شہر میں رہنے کی اجازت دے دی ہے اور ہمیں دلائی لاما کے مسلمان فوجی ہمیں پریشان نہیں کریں گے۔ اگر وہ شہر کو لوٹا اور جلا چاہتے تو اب تک یہ کام کر چکے ہوتے۔ ہم اس صورت حال سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کمکت کا اشتعال دے سکتے ہیں۔ رات گمری ہو گئی ہے ہم اپنا کام آسانی سے کر سکتے ہیں۔ سلطان نے آپ سب کو اپنی فوج کے زنجیوں اور لاشوں کو اٹھانے کی اجازت دے دی ہے۔.... آپ لوگ اس کام کے لیے چلے جائیں۔ مشعلیں ساتھ لے جائیں۔ مسلمانوں نے فتح تو حاصل کر لی ہے لیکن ان کی فوج آدھی سے بھی کم رہ گئی ہے۔ اس میں سے زیادہ تر نفرتی زخمی ہے جو زخمی چل سکتے تھے وہ چل کر آگے نہیں۔ باقی سب میدان جنگ میں پڑے ہیں....

”آپ اپنے زخمی اٹھانے کے لیے جائیں۔ کھڑکیں، تلواریں اور جگر ساتھ لے جائیں۔ ہندو اور مسلمان فوجی کو بھی سانس لیں جو مسلمان زخمی اٹھ اور چل نہیں سکتے، انہیں ہمیں ہڈک کریں۔ اگر یہ زخمی مریم بنی کے لیے بچ گئے تو چند دنوں میں ٹھیک ہو جائیں گے، اور یہ ہندوستان اور ہمارے مذہب کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوں گے۔ شہر کے ہر ہندو گھرانے تک یہ بیزخیہ تو اچھا ہے، درد کوئی ہندو مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے انہیں بتا دے گا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ آپ بی کافی میں جو یہاں موجود ہیں۔ اپنی فوجوں کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ مسلمان فوج میں بھی گئی ہیں۔ بیج تک آپ لوگ بھنے مسلمان زنجیوں کو مار سکتے ہیں اور اٹھیں۔ اپنے ملک اور مذہب کے لیے ضروری ہے کہ ہم مسلمان فوج کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائیں۔ رات کم۔ بے ذرا چلے جاؤ۔“

شعلہ نور دالے کے چہرے پر آگلا اس نے صبح ماری اور تلوار اس کے ہاتھ سے
مگر برائی۔ اس کے ہاتھ سے شعلہ بھی گر پڑی۔

یہ ایک میسرے شعلہ تھی جو ان دونوں کے عقب سے آئی تھی۔ یہ دونوں قاسم کو
قتل کرنے کی فکر میں تھے۔ وہ بارہ مسلمان زخمیوں کو قتل کر آئے تھے۔ قاسم بن عمران
کا یہ حواں شکار تھا لیکن میسرے شعلہ نے اسے ایک تلوار سے بچا لیا۔ قاسم نے شعلوں
کی روشنی میں دیکھا۔ وہ البو تھی جو قاتل سے قاسم کے باپ مہم عمر کے محافظوں کے
ساتھ آئی تھی اور اس نے سلطان محمود غزنوی کو بتایا تھا کہ مہم عمر قاتل سے بڑی خطرناک
فقدار بن کر آرہا ہے۔ مہم عمر کی خوشگئی کا باعث یہی حاکم بنی تھی۔ وہ اب پشاور سے اتنی
دھبیرے کے میدان جنگ میں مہم عمر کے بیٹے قاسم بن عمر کی زندگی کا زلیخہ بن گئی تھی۔

رابعو نے ایک ہندو کو گرا دیا، دوسرے بچے ہٹ گیا اور اس نے تلوار نکال لی اس
نے دیکھ لیا تھا کہ اس جوان سال لڑکے کے ہاتھ میں صرف شعلہ ہے، ہتھیار کوئی نہیں
اور قاسم بن عمران شعلہ کے قابل نہیں تھا۔ یہ دو ہندو اپنے پنڈت کی اس شکیم کے تحت
آئے تھے جو اس نے مندر میں ہندوؤں کو بتائی تھی۔ وہ اپنی فوج کے زخمیوں کو اٹھانے
کے سبائے مسلمان زخمیوں کو قتل کرتے پھر رہے تھے۔ دوسرے ہندو نے تلوار نکال کر
باجو پر چڑھ کر رابعو زنی کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس نے شعلہ اس ہندو کے
آگے کر دی اور خود ایک طرف ہو گئی جو ہندو رابعو کی شعلہ کے شعلے سے گرا تھا، اس
کی آنکھیں جھلس گئی تھیں۔ وہ ایک طرف بیٹھا دوسرے کرا رہا تھا۔

قاسم بن عمران کھڑا ہوا۔ اس کے پاس خنجر تھا، تلوار نہیں تھی اور وہ چلے پھرنے
کے قابل نہیں تھا۔ اس نے خنجر نکال لیا البو شعلہ کے شعلے سے اپنا دفاع کر رہی تھی۔
جو نبی ہندو کی بیٹہ قاسم کی طرف ہوئی، قاسم نے خنجر اس کی طرف پوری طاقت سے
بھینسا، خنجر ہندو کی پیٹھ میں اتر گیا۔ وہ بچھ کر گھومتا رابعو نے شعلہ سے اس کے کپڑوں
کو آگ لگا دی۔ ہندو اس کی طرف گھومتا تو اس نے شعلہ اس کے چہرے کے ساتھ
لگایا، زہر اور عمارت دہڑنے لگا۔ آخر میٹھا گیا۔ اس کی پیٹھ میں خنجر بھی اتر گیا تھا۔

لاشیں اور زخمی اٹھانے والوں نے دور ایک آدمی کو بٹے دیکھا تو وہ دوڑتے

آئے۔ یہ غزنی کی فوج کے آدمی تھے۔ انہیں بتا گیا کہ ان دنوں نے کیا ہے۔ ان
میں سے جس کا چہرہ جھٹکا ہوا تھا، دو بات کرنے کے قابل تھا۔ اس کے پیٹ پر تلوار
کی نوک رکھی گئی تو اس نے بتایا کہ وہ قاسم کو قتل کرنے لگے تھے، اور انہیں ہندو
نے کہا تھا کہ مسلمان زخمیوں کو قتل کرو۔

اُسی وقت یہ آدمی میدان جنگ میں دوڑنے لگے۔ انہوں نے بہت سے
ہندوؤں کو کپڑا جو مسلمان زخمیوں کو قتل کرتے پھر رہے تھے۔ پھر ہندو شہریوں
کو میدان جنگ میں آنے سے روک دیا گیا۔ پنڈت کو بھی جا کر کپڑا لیا گیا۔

قاسم بن عمر کو دہلی سے اٹھائے گئے اور اسے مرہٹہ پٹی دالے خیمے میں جا
ڈالا۔

سلطان محمود غزنوی کی فوج پشاور سے چلی تھی تو سالاروں اور بعض کا مزاروں
کی بیویاں بھی ساتھ آئی تھیں۔ ان کی پاکلیاں رسد کے قافلے کے ساتھ تھیں۔ ان کے
ساتھ اور بھی کئی عورتیں تھیں۔ بزرے افسروں کی بیویوں کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ
تھیں اور ان کے ذمے یہ کام بھی تھا کہ مہم عمر بنی کے بعد زخمیوں کی دیکھ بھال کریں۔
یہ کام بھی فوج کو کرنا پڑا تھا۔ سلطان محمود نے یہ سوچ کر عورتوں کو ساتھ آنے کی اجازت
دے دی تھی کہ فوج محفوظ رہے اور مختلف لڑائیوں میں یہ اور کم ہو جائے گی، اس لیے
زخمیوں کی دیکھ بھال کا کام عورتوں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

”مجھے ملدی ماں نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ رابعو قاسم بن عمر کو اس کی مرہٹہ
کے بعد ساری تھی۔ جب میں کوئی حکم ملا تو مجھے ساری ماں نے بتا کر عورتیں بھی ساتھ
جاری ہیں نہیں نے اسے کہا کہ مجھے بھی ان کے ساتھ بھجوا دے۔ میرے سینے میں
جو آگ لگی ہوئی تھی وہ آج کچھ ٹھنڈی ہوئی ہے۔ یہ پڑھتی طرح اس روز ٹھنڈی ہو گئی جس
روز سلطان محمود دھماکا فتح کر کے گاؤں میں اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گی۔
میں نے ساری ماں سے کہا تھا کہ مجھے اگر اس بچی کا انعام دینا چاہیے تو کہیں نے
اس کے ایک سالار کی نگہاری بے نقاب کی اور اس کی فوج کو بہت بڑی شکست

سے پوچھا کہ قاسم کی کیا خبر ہے؟ پر سدا کو معلوم تھا کہ مجھے ستاری ماں نے بھیجا ہے۔ اُس نے بتایا تھا کہ تم بہت بہادر سی سے لڑے ہو۔ میں نے پر سدا سے کہا تھا کہ قاسم کو پتہ نہ چلے کریں بھی ساتھ آئی ہوں۔ میں نے یہ اس لیے اُسے کہا تھا کہ ستاری توجہ میری طرف نہ ہو جائے....

”میاں یہیں میدان جنگ سے بہت دُور رکھا گیا تھا۔ تین دن لڑائی ہوتی رہی۔ ہمیں اس طرف نہ آنے دیا گیا۔ ہم سب اپنی فوج کے لیے دعا میں کرتی رہیں اور ہمیں خبریں ملتی رہیں اور ایک روز تو کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ اپنی فوج کو شاید پیسا ہونا پڑے۔۔۔ تمہارے متعلق مجھے بتانے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ تمام غور میں لڑنے کے لیے تیار ہو گئی تھیں ہم میں سے کوئی بھی پیسائی کا نام سننے کے لیے تیار نہیں تھی....“

”آج دوپہر کو ہمیں اطلاع ملی کہ دشمن کو شکست دے دی گئی ہے لیکن دونوں فوجوں کا جانی نقصان آسان زیادہ ہوا ہے۔ کلاشوں کے اوپر لاشیں پڑی ہیں اور خیرول کو اٹھائے ٹھس ہو گیا ہے۔ ہمیں شام سے وراپٹے میاں لایا گیا لیکن ہمیں اُن خیموں میں نہج دیا گیا جہاں زخمیوں کی مرہم بنی ہو رہی تھی۔ طبیب زخموں کو صاف کرتے اور اُن پر دوائیاں لگاتے تھے اور لوہے میں پیاں باندھتی اور زخموں کو کھلائی پلاتی تھیں۔ اپنے زخموں کی قطاریں چلی آرہی تھیں۔ ان میں بہت سے سپوش تھے۔ کئی ہمارے ہاتھوں میں شہید ہو گئے۔ میں ہر ایک زخمی کو دیکھتی تھی۔ بعض کے چہرے خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں ان کے چہرے دھو کر انہیں دیکھتی تھی۔ میں ہر اُس زخمی سے جو ہوش میں تھا، پوچھتی تھی کہ قاسم بن عمر کو تم نے کہاں دیکھا ہے؟ میں نے مجھے ایک ہی میاں جواب دیا۔

”قاسم کا جیش جس طرف گیا تھا وہاں سے شاید ہی کوئی زندہ واپس آیا ہو....“

”سُورج غروب ہونے کے بعد شہار سے جیش کا ایک زخمی سپاہی مل گیا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ قاسم بن عمر اگر ابھی تک نہیں آیا تو وہ مرجکا ہوگا۔ اُس نے بتایا کہ تم اُس کے سامنے زخمی ہوئے تھے۔ اُس نے یہ بھی کہا۔ میں اپنے جیش، شاید ایک ہی آدمی زندہ بچا ہوں۔“

”شہارے متعلق اُس نے کہا کہ قاسم بن عمر ہمارا گناہدار تھا۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ہندوستان میں بھگت سبکی دم لیں گے جب آخری حملے کا حکم ملا تو ہمارے

اور تباہی سے بچایا ہے۔ نوٹمان کے والی داؤد بن نصر کو میرے سامنے گرفتار کر کے لاء اور اُس کے محل کو زمین سے ملا دو....

”ستاری ماں کے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے کہا کہ جانتی ہیں بھی چاہتی ہوں لیکن کہتے ہیں کہ زبیاں جاسکتی ہیں، کسی کی ماں ساتھ نہیں جاسکتی۔ وہ بہت روتی تھی۔ اُس نے معلوم نہیں کس کے ساتھ بات کرنے کے مجھے ان لوگوں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی جو فوج کے ساتھ آتی ہیں۔ ستاری ماں نے مجھے کہا تھا۔ ”میرا بیٹا میدان جنگ میں لڑا، نہ سخت جان ہوگا۔ اُس کا جسم وہ حصوں میں نہ کٹ گیا تو وہ گرے گا نہیں۔ میں نے اُسے کہا ہے کہ ستاری لاش واپس آئے گی تو مجھے خوشی ہوگی، لیکن رالویں ماں ہوں۔ جب سوچتی ہوں کہ میرا بیٹا سا جہاں وے کا تو میرا دل ڈوب جاتا ہے۔ اپنے آپ کو سدا دینے کے لیے میں قاسم کی ماں نہیں بن سکتی۔ اُس کی ماں بن جاتی ہوں اور کہا کرتی ہوں کہ یہ اللہ کا سپاہی ہے جو میرے وطن سے پیدا ہوا ہے اور یہ اللہ کی امانت ہے جو مجھے واپس کرنی ہے، پھر مجھے تسکین سی ہو جاتی ہے....“

”اور قاسم ستاری ماں نے مجھے کہا تھا۔ ”مجھے خود غرض کہہ لو۔ کچھ کہہ کر مجھ پر یہ احسان کرنا کہ جب زخموں کو اٹھانے کا وقت آئے تو تم سب سے پہلے میرے بیٹے کو تلاش کرنا۔ اُسے پانی پلا دینا۔ دل میں ہر خیال رکھ لینا اور اُس کی ماں بن جانا۔ میرا بیٹا پیسا اس دنیا سے رخصت نہ ہو۔ راجہ اہم ماں نہیں ہو۔ دل میں ماں کا پیسا کر لینا۔ میں اپنے بیٹے کو خدا کے اوپر تھامے سپرد کرتی ہوں....“

”اور قاسم ستاری ماں نے مجھے کہا تھا۔ ”میں تمیں اس کی بھی اجازت دیتی ہوں کہ تمہیں پتہ چل جائے کہ میرے بیٹے نے پیٹھ دکھائی ہے یا نہیں چھب گیا تھا تو اپنے ہاتھوں اسے نواد سے تیرکان سے، برہمچی سے ختم کر دینا۔ یہی سمجھوں گی کہ خاوند ہمارا تھا اور اُس کا لفظ بھی خدا رکھنا۔ میں بات نہ کی کسی پر نفیر کی درگاہ پر جھڑو دینے گزار دوں گی۔“

”تمیں میرے متعلق کچھ پتہ چلا ہے؟“ قاسم بن عمر نے پوچھا۔

”شہار سے آتے جب دیا پار کرتے لڑائی ہوئی تھی تو میں نے پر سدا کو بلوایا۔“

کرنے تک نہ ہوا۔ ان میں سے ایک اپنی تلوار نکالی کر چم پروا کرنے لگا تو میں نے دودھ کی پانی
مخل کا شہد اُس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ قاسم ایزد کا حکم تھا کہ تم زندہ رہو۔ تیار ازمن
ابھی پرانیس ہوا۔

طمان میں داؤد بن نصر قراصلی کے محل سے ذرا بہت کر کے بن قاسم کے دور کی ایک
جول ہو کر آتی تھی جس کی ساخت قلعے کی طرح تھی۔ اس کے اندر بے شمار کمرے تھے۔ غلام
خدمتیں اور سادہ ایساں تھی۔ میدان جیسا کہ بھی تھا۔ اندک کنواں بھی تھا جس قدر بنا جول کے متعلق
مشہور تھا کہ آسیب زدہ ہے۔ سنا ہے جادو اور قوت کی سیکان سنائی دیتی ہیں۔ قدموں کی آستین
یوں سنائی دیتی ہیں جیسے بچے بھاگ دوڑ رہے ہوں بچوں کے تھکے بھی سنائی دیتے ہیں یوں
قصابے جیسے جولی آباد ہمسایہ کے متعلق بڑی ہی ڈراؤنی کہانیاں مشہور تھیں۔ لوگ اس جول کے
غریب سے گزرتے بھی ڈرتے تھے لیکن لوگ کہتے تھے کہ انہوں نے جول کی چھتوں کے اوپر
ششوں کے شعلے ہوا میں ترستے دیکھے ہیں۔ ایک روایت یہ مشہور تھی کہ مجید بن قاسم کے
دور کے بعد جب خطہ ہندوؤں کے اٹھ آیا تو انہوں نے جول میں بسنے والے مسلمان خاندان
کو قتل کر دیا تھا۔ مقتولین میں بچے بھی تھے اور چار کنواری لڑکیاں بھی تھیں۔ لڑکیوں کو بے پردہ
کر کے قتل کیا گیا۔ اب چار کنواریوں اور بچوں کی ہڈیاں جول میں رہتی ہیں۔ کوئی اندر چلا جا
تو اسے پوتوں اور کنواریوں کے رونے کی اور پھر بسنے کی آوازیں آتی ہیں۔ بچے بھاگتے
دھڑکتے ہیں اور بڑی ہنسنے مین کرتی ہیں۔ کہتے تھے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود مقتولین
کی ہڈیاں وہیں بڑی ہیں جہاں انہیں قتل کیا گیا تھا۔

جن دنوں سلطان محمود غزنوی نے ہجرت فرمائی اور وہ اپنی فرج کی کمی پوری کرنے میں مصروف
تھا۔ طمان کی آسیب زدہ جول میں راتوں کو میلے کا ساماں ہوتا تھا۔ طمان کا حاکم داؤد بن نصر
قراصلی تھا۔ اس فرقت کے متعلق تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے
تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ شراب، بیکاری اور بے حیائی جائز ہے۔ جی میں جو آئے کرو
یہی اسلام ہے۔ ان کا میر و مرشد داؤد بن نصر تھا۔ جو طمان کا حاکم یعنی وال بھی تھا۔ آسیب زدہ

جیش کو دشمن پر اُس جگہ حملہ کرنے کو بھیجا گیا جہاں بھڑکے راجہ کا جھنڈا تھا۔ سپہ سالار
ابو عبد اللہ نے اُسے کہا تھا کہ قاسم ابنہ یوں کا جھنڈا اگر اُرادو تو جو انعام مانگو گے میں گا۔ سپہ سالار
نے میں خدا حافظ کہا تھا۔

”مبارے جیش کے اس آدمی نے بتایا کہ قاسم پہلے ہو گیا تھا۔ اُسی نے ہمیں حکم
دیا تھا کہ راجہ کا جھنڈا اُگرے گا یا ہم گریں گے۔ ہم ہندوؤں کے دل میں اُتر گئے جھنڈا اُگر
یا گیا مگر ہم سے کوئی ایک بھی اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر نہ رہ سکا اور کئی اپنے پاؤں پر
کھڑا ہونے کے قابل بھی نہ رہا۔ راجہ نکل گیا۔ ہندوؤں پر یہ ضرب کاری کی کہ ان کے پاؤں
بکڑ گئے۔ اُس نے بتایا تھا کہ قاسم گریاں نہیں لایا کیا تو وہ زندہ نہیں ہو گا۔

”میں اُسی وقت داں سے چل پڑی۔ ایک مشعل اٹھ آگئی۔ اگر میرے اٹھ میں مشعل
نہ ہوتی تو میں ہر قدم پر لاشوں سے ٹھوکر کھا کر لاشوں پر گرتی۔ میں نے مراٹھو آدمی کسی نہیں
دیکھا تھا مگر یہاں لاشیں اس طرح بڑی ہیں جیسے نکل کاٹ کر کڑیاں بھینکی ہوئی ہوں۔ میں
نے شاید ہر ایک لاش کا چہرہ دیکھ ڈالا ہے۔ اُن کے زخم بھی نظر آتے ہیں۔ میں نے کٹے
ہوئے چہرے بھی دیکھے ہیں۔ میں نے ہندوؤں کی لاشیں بھی دیکھی ہیں اور بچے
روحانی سکون ملائے گرا پئی فوج کی ہر لاش کو دیکھ کر میرے آنسو نکل آتے تھے۔ میں
نے کہہ رہے ہوئے زمی بھی دیکھے ہیں۔ میں نہیں دھونڈ رہی تھی۔ رات گزرتی جا رہی تھی
دُشمنوں کو اٹھا اٹھا کر لے جا رہے تھے۔

”پھر میں نے ہمیں بلکنا شروع کر دیا۔ زینہ بڑا، مٹھانے والوں نے مجھے کہا بھی
کہ یہاں ہمیں قاسم میں لے گا مگر میں داں تک چلی گئی جہاں لاشوں کا یہ سندر ختم ہو جاتا
ہے۔ میرے اندر رساری ماں کی مدد اُتر آئی تھی۔ تم یہاں نہ رہتے تو میں رات میں گدار
دیتی اور دن کی روشنی میں ہمیں لاشیں لگتی ہیں۔ اس طرف آگئی۔ دُشمنیں دیکھیں۔ میں ان
آدمیوں کے عقب میں تھی۔ میں آہستہ آہستہ اُدھر آئی۔ مجھے ان سے بھی شمارے متعلق پوچھا
تھا۔ قریب آئی تو مجھے تیار چہرہ نظر آیا۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ دُشمنوں کی روشنی میں میں نے
تمہیں پہچان لیا۔ میں آگے بڑھی معلوم نہیں تم مجھے کیوں نہیں دیکھ سکے۔

”ان دونوں کے لباس دیکھتے تو خیال آیا کہ یہ فوجی نہیں اور یہ مسلمان بھی نہیں لگتے مجھے

ایک اور بہت چمن پیدا ہوا (پہلا حصہ)

اور پھر انقلاب آیا کہ چند قوتوں نے بھی کٹا شروع کر دیا کہ داؤد بن نصر صرف حاکم یا دالی نہیں، اس کے ہاتھ میں تو خدا کی قوت ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے وہ باطل پر ہے۔ یہ بندوں نے یہ بھی کہا کہ یہی اسلام ہے جسے مولویوں نے بے معنی یا بندیاں مانگ کر کے ادیرنگی اور بدی کو اچک کر کے بگاڑ دیا ہے۔

مذہب میں ایک اور جہلی تھی یہ ویسی ہی تھی جیسی ملی مکلوں میں جو عیساں اور مسلمان ہوتے ہیں یہ آباد تھی۔ اس میں مسلمانوں کا ایک کنبہ رہتا تھا۔ مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی کہ نہ کہ یہ مسلمان ریاست تھی۔ ہندو ریاستوں کے مسلمان بھی مسلمان تھے۔ ان میں زیادہ تر مسلمان غرق قراصلی تھے یعنی وہ صحیح مسند میں مسلمان تھے مگر مسلمان کا سرکاری نظم و نسق اور تہذیب قراصلیوں کے ہاتھ میں تھی۔ قراصلی اپنے باطل عقیدے کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ یہ جہلی شہر کے اندر ایک گنجان آباد محلے میں تھی۔ یہ کئی آسیب زدہ اور پراسرار جہلی نہیں تھی۔ قریب رات اس کے ایک کمرے میں جو چند ایک آدمی بیٹھے تھے، وہ پراسرار طریقے سے راز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے۔ ان میں ایک تو وہ درویش تھا جس نے عالم عمر کے محافل میں کھائے ان بلایا اور انہیں بتایا تھا کہ تارا سالار عالم عمر جو داؤد بن نصر کے پاس سلطان محمود کا لہجہ بن کر آیا ہے، وہ قراصلیوں کے فلسفہ میں گرفتار ہو گیا ہے۔ البتہ کو اسی درویش نے داؤد بن نصر کے محل سے نکالا اور اسے عالم عمر کے ایک محافظ کے ساتھ پشاور روانہ کیا تھا۔

”حکومت کی گدھی پر قراصلی بیٹھا ہے۔“ درویش معمولی سی جہلی کے کمرے میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔ ”ہم آزاد آدمی سے تو کون کو نہیں بنا سکتے کہ قراصلی فرستے کے لوگوں کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اسلام انسان کو گناہوں سے بچاتا اور نیکی کی طرف لاتا ہے۔ اسلام کا تعلق روح سے اور قراصلی حقیقتہً جسم سے تعلق رکھتا ہے اس لیے جسمانی عیاشی، شراب و شراب لالچی، باہارت دیتا ہے اور یہ اجازت بھی کہ خوبصورت عورت کسی ایک آدمی کی بیوی کو ملنے لگتی ہے لیکن وہ اپنے خاندان پر اور خاندان پر پابندی عائد نہیں کر سکتا کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں عیش و عشرت کریں اور جسمانی لذت حاصل کریں کہ جو کچھ خدا نے انسان کو عیش و عشرت کے لیے پیدا کیا ہے... آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس فرستے کی تعدد اور بڑھتی

جہلی میں میلے کا اجتماع اس نے کر لیا تھا۔ اس کی طرف سے شہر اور گرد و نواح کے دربارت میں اعلان ہوا تھا۔ داؤد بن نصر حاکم مٹان دال الذ قراصلی نے ان بدروحوں اور جنات کو حاضر کر لیا ہے جو اجڑی ہوئی جہلی میں رہتے ہیں۔ یہ جنات ہر رات ایک آدمی یا ایک جانور کا خون پیتے ہیں۔ داؤد بن نصر نے غلو خدا کے سکون اور ایمان کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال کر بدروحوں اور جنات کو اپنے تابع کر لیا ہے۔ رات کو لوگ اگر ان میں تبدی حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔

لوگ شام کے بعد جہلی میں جاتے تھے۔ منڈیروں پر چراغاں ہوتی تھی۔ کڑوں اور کھٹوں میں آہستہ آہستہ چھوڑ دی گئی تھی کہ جو اندھا تارہ باہر کی دنیا کو بھول جاتا تھا کڑوں کو کھانا نہیں کیا گیا تھا۔ ان کی چھتوں سے لٹکتے ہوئے جالے جو میلے پھیلے کڑوں کی صورت اختیار کر گئے تھے، اسی طرح سنے دیئے گئے تھے۔ فرخوں پر جو کالی انگی ہوئی تھی اسے بھی صاف نہیں کیا گیا تھا جہلی کی بہت جیسی تھی ویسی ہی رہنے دی گئی تھی۔ اور شام کے بعد لوگ ان کمروں اور برآمدوں میں گھومتے پھرتے اور جہلی کے صحن میں جمع ہو جاتے تھے جہاں ایک چوڑا بنا گیا تھا۔ اس پر خوشنما فالین بکھے ہوئے تھے اور ایک مسند رکھی تھی جس پر برسرے جو اہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ روشنی میں مچھل کرتے تاروں کی طرح پچھلتے اور ٹٹاتے تھے۔ چوڑا برآمدے کے باطل ساتھ تھا۔

دو چار دنوں میں ہی شہر اور دیہات میں صرف ایک ہی موضوع رہ گیا جس پر لوگ باتیں کرتے تھے۔ یہ موضوع تھا کہ کنواریوں کی جہلی۔ لوگ حیرت زدہ ہو کر کھلے اور اپنے اوپر وجد طاری کر کے بھی داؤد قراصلی کی کرامات کا ذکر کرتے تھے۔ ان سب کو چاروں کنواریاں جنہیں سینکڑوں سال پہلے قتل کیا گیا تھا جہلی کے صحن میں رکھے ہوئے تھے جو برسرے پر داؤد بن نصر نے اس طرح دکھائی تھیں کہ وہ جیسے ہوا میں سے نمودار ہوئیں اور ہوا میں تحلیل ہو گئیں۔ ان لوگوں نے کنواریوں کی آوازیں سنی تھیں۔ بچوں کے قبضے سے اور بچوں کو چوڑے پر آتے اور غائب ہوتے دیکھا تھا۔

بعض مسجدوں میں بھی قراصلیوں کی کرامت کا ذکر ہونے لگا اور پھر مٹان کی ریاست میں تیغبر آکر مسجدوں کے امام بھی داؤد قراصلی کا ذکر اپنے وعظ اور خطبے میں کرنے لگے۔

جاری ہے۔

”انسانی فطرت لذت پرستی کی طرف جلدی مائل ہوتی ہے۔“ اس کمرے میں بیٹھ ہوئے ایک سفید ریش عالم نے کہا۔ ”نگلی میں جہانی لذت سے دستبردار ہونا پرست ہے۔ یہی چیز روح بننے جو نظر نہیں آتی۔ روحانی لذت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے دل میں ہی نور انسان کی محبت پیدا کر کے اور اللہ کی عبادت کے روحانی لذت حاصل کی ہو۔ انسان یہ نہیں سمجھتا کہ روح طویل ہو تو جسم بھی طویل ہو جاتا ہے اور جب جسم کی باہر ضروریات پوری کی جائیں تو روح ٹر جھٹا جاتی ہے۔ پھر جسم وقت سے پہلے کمزور اور نحیف ہو کر قبر میں جا دفن ہوتا ہے اور روح خد کے حضور چلی جاتی ہے۔“

”ہم سب جانتے ہیں آپ کیا کہہ کر رہے ہیں۔“ ایک جوان آدمی نے کہا۔ ”آپ اس مسئلے کے متعلق بات کریں جو ہم پر آپز ہے۔ مادہ قراصلی نے جب سے ویران حویلی میں بدردہوں اور جنات کو حاضر کرنا شروع کیا ہے، لوگ جوق در جوق اُس کے اٹھ پر بیوت کر رہے ہیں۔ میں نے ایک مسجد میں امام کو دغا کرتے سنا ہے جس میں وہ کہہ رہا تھا کہ سچا اسلام قراصلی ہے۔ جب ایک باطل عقیدہ مسجد پر قبضہ کر لیتا ہے تو لوگ اسے باطل نہیں سنا سکتے گئے ہیں۔“

”کیا آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ ہندوؤں کے پندت بھی قراصلی عقیدے کو پتا اسلام کر رہے ہیں؟ ایک اور نے کہا۔

”مگر کوئی ہندو اپنا مذہب چھوڑ کر قراصلی نہیں ہو گا۔“ درویش نے کہا۔ ”لوگوں کو ہم کس طرح بتائیں کہ قراصلی فرقہ عیسائیوں کا پیدا کردہ قتنہ ہے اور ہندوستان میں بندہ ابے مدار ہے اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ کفار کا ایک مصلحہ یہ ہے کہ اسلام کا چہرہ لگا ہوں اور ہمیشہ دُشترت سے گندہ کر دیا جائے اور دوسرا مصلحہ یہ کہ ملتان کی گدی کو مسلمان گدی کہہ کر مسلمانوں کو دھوکا دیا جائے اور ملتان کی فوج استعمال کی جائے۔ اسلام کے خلاف بہت بڑی سازش ہو رہی ہے۔ بھارتیوں کی حویلی نے ملتان کی آدمی مسلمان آبادی کو قریبی بنا دیا ہے۔ یہ جو ہیں کہ ہم اس کی مدد کھام کیسے کریں۔ ہم میں سے کوئی بھی حویلی میں یہ دیکھنے کے لیے نہیں گیا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”لوگ کہتے ہیں کہ ہر رات چار کنواریاں اور تین چار بچے حاضر کئے جاتے اور لوگوں کو دکھائے جاتے ہیں۔“ عالم نے کہا۔ ”لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدردہیں ایک دھوئیں میں سے نوزاد ہوتی ہیں اور کچھ تیس کر کے وہیں کہیں غائب ہو جاتی ہیں۔ ہم میں سے کسی کو وہاں جا کر دیکھنا چاہئے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ ہم اس لیے نہیں جاتے کہ یہ ہمارے عقیدے کے خلاف ہے۔“

”ہم آج اسی لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ جو اس سال آدمی نے کہا۔ اگر وہاں کوئی قریب ملدی یا شہید بازی ہو رہی ہے تو ہم اس حویلی کے قراصلیوں کے پرہے چاک کر دیں گے۔ اُس نے وہاں بیٹھے ہوئے اپنے پیچھے جو انوں اور نوجوانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا، ”ہم اسلام کے نام پر جائیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں وہاں نقیب لگانا پڑی تو دکھائیں گے۔ آپ عالم اور درویش ہیں۔ آپ کتا لبوں کی باتیں کرتے ہیں کیسے یہ وہ عقیدہ سمجھا دیں۔ ہماری راہنمائی کریں علی ہم کریں گے جن کے جسموں میں جو انی کا خون اور عیسے میں ایمان کی حرارت ہے۔“

”غور سے سنو ہمارے شیوا۔“ عالم نے کہا۔ ”یہ دلی بات ہے کہ قراصلی فرقہ

کفار کی پیداوار ہے۔ اُن کے مقاصد جانتے ہو۔ جلتے اور سمجھنے والی ایک بات یہ ہے کہ مذہب انسان کی کمزوری بن جاتا ہے۔ ہم مسلمان مذہب پر مرتضے ہیں۔ دشمن ہماری اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے عزائم کے تکمیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مادہ حکومت کی گدی کا شکاری ہے۔ وہ بھی مذہب کی آڑ اور سہارے کراہی گدی کو کھو ڈال رہا ہے اور حکم کر رہا ہے۔ ہماری قوم جب بھی دھوکا کھاتی ہے مذہب کے نام پر کھاتی ہے۔ وہ غفلتے نا شنیں اس دنیا سے اٹھ گئے ہیں جنہوں نے صحیح اسلام کی پابندی کی بھی اور کرائی بھی تھی۔ اب وہ غفلتے آگئے ہیں جو مذہب کو جیسے اور جھٹلنے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور مذہب کے اُن پرہ اور پیمانہ نو بن خدائی جذبات میں اگر اُن کے مرید بن جاتے ہیں۔ انہیں بہت دیر بعد احساس ہوتا ہے کہ وہ مرید نہیں ہے، ایک ہوس کار اور اقتدار پرست حکمران کا لشکر سمجھ گئے ہیں۔ ایسے حکمرانوں کے خلاف بات کرو تو وہ کفر کا فتویٰ لگاتے اور سزا دیتے ہیں۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ داؤد بن نصر مسلمان نہیں اور یہ بھی کہ وہ اسلام کی روح کو مار رہا ہے اور

تھے۔ پانچ چھ لڑکیاں کم بربزہ حالت میں باجھل کو درہی تھیں۔ دو آدمی کتوں سے گلے بیٹھے تھے۔ ان کے آگے صراحی اور پیالے تھے جن میں شراب ہی ہو سکتی تھی۔ وہ لپک کر کسی لڑکی کو بازو سے پکڑتے اور گھسیٹ کر اپنے اوپر گرا لیتے تھے۔ لڑکی کو باعلیٰ بربزہ کر کے پھر پھینک دیتے اور قہقہے لگاتے تھے۔

درویش داں سے آگے چلا گیا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا تھا اندر روشنی تھی درویش داں جاڑا۔ اند کوئی نہیں تھا صرف ایک دیال داخل رہا تھا۔ وہ اندر چلا گیا۔ ایک کونے میں فرش کے نیچے بیڑیاں جاتی تھیں۔ نیچے بہ خانہ ہو سکتا تھا یا یہ ٹرنگ کا دانہ تھا۔ وہ بیڑیاں اترنے لگا۔ یہ چار پانچ بیڑیاں تھیں جو پرانے زمانے کی نہیں تھیں، نئی بنائی گئی تھیں۔ ٹرنگ اتنی کھلی تھی کہ اس میں اچھے قد کا آدمی چل سکتا تھا۔ وہ چلا گیا کیس کیس ایک دیار کھاتا تھا۔

وہ آگے دیکھتا چلا جاتا تھا۔ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ ایک آدمی خبر اٹھ میں بیٹھے اس کے پیچھے تین چار قدم دور رہ گیا ہے خبر والا دبے پاؤں اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ اس نے درویش پر وار کرنے کے لیے خبر والا اٹھ دایں کو زور سے کیا۔ وہ درویش کے پیلو میں خبر گھونپنا چاہتا تھا مگر اسے خیال نہ رہا کہ ٹرنگ اتنی چوڑی نہیں کہ بازو پورا گھما سکا اس کا اٹھ ٹرنگ کی دیوار سے ٹکرایا۔ آواز پیدا ہوئی تو درویش تیزی سے گھوما۔ خبر والا خبر پر گرفت مضبوط کر رہا تھا۔ درویش نے بجلی کی پھرتی سے اپنی ناف میں سے خبر نکالا اور دار کیا۔ اُدھر وہ بھی دار کر چکا تھا۔ دونوں کے خبروں والے بازو ٹکرائے۔ درویش نے اس آدمی کے پیٹ میں بایاں گھونسا مارا۔ وہ دوہرا ہو گیا۔ درویش نے نیچے سے دار کیا اور خبر اس آدمی کے دل میں اتار دیا۔ اس آدمی نے گتے گتے کسی کو پرکارا۔

درویش داں سے دوڑ پڑا اور ٹرنگ کے دبانے پر آگیا۔ بیڑیاں چرلھ آئی۔ دڈنا بوا کمرے سے نکل رہا تھا کہ تین چار آدمی تیز دوڑتے آئے۔ انہوں نے مرنے والے کی پٹار سن لی تھی۔ درویش ان سے ٹکرایا لیکن حاضر دماغ تھا۔ گھبراہٹ کے لمحے میں بولا۔ نیچے جاؤ۔ دوڑ کر بیڑیاں میں آ جاؤ۔ وہ سب ٹرنگ کی طرف دوڑ پڑے اور درویش

نیچے کر دھند دھن اور بیسائوں کا دوست ہے جو اسلام کے بدترین اور بہت خطرناک دشمن ہیں۔ ہم لوگ اس کے خلاف کئے جانے والے کچھ نہیں کر سکتے۔ کچھ کر سکتے ہیں۔

”اس لیے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس کے خلاف کوئی تحریک کاروائی کریں۔ ایک نوجوان نے کہا۔

”آج رات ہم سب چار کنوڑیوں کی چوٹی میں جائیں گے، اور دیکھیں گے کہ وہاں چوٹی میں انہوں نے جو روٹی دیکھی اس نے انہیں حیران کر دیا۔ لوگوں کی بے پناہی اور بے قراری اور زیادہ حیران کن تھی۔ یہ وہی چوٹی تھی جس کے قریب سے کوئی نہیں گزرتا تھا۔ لوگ کھڑے اور برآمدوں میں گھوم پھر رہے تھے۔ ہر جگہ دینے جل رہے تھے۔ درویش کے ساتھ چھ سات چھ سال آدمی تھے جن میں دو سترہ اٹھارہ سال عمر کے نوجوان تھے۔ وہ بھی لوگوں کی طرح چوٹی کے اندر گھومنے پھرتے اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں تک کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس سے آگے بھی چوٹی کے کمرے تھے اور ان سے آگے برآمدہ اور اس کے ساتھ چھوٹا تھا جس پر والدین نصر بدروحوں اور جنات کو حاضر کرنا اور لوگوں کو دکھاتا تھا۔

وہاں ایک آدمی کھڑا تھا جو لوگوں کو وہاں سے واپس بھیج رہا تھا۔ درویش اور اس کے ساتھی بھی وہاں تک گئے۔ اس آدمی نے انہیں روکا۔ درویش اس سے پوچھنے لگا کہ آگے کیا ہے۔ اس آدمی نے کچھ بتانے کی بجائے غصے سے درویش کو وہاں سے واپس پیٹ جانے کو کہا۔ اس دوران اس آدمی کی توجہ کسی اند کی طرف ہو گئی۔ وہاں روشنی بہت کم تھی۔ وہ آدمی دوسری طرف ہوا اور درویش نظر ہکا کر وہاں سے اس طرح آگے چلا گیا کہ وہیں سے راہداری مڑتی تھی جو اندھیری تھی۔ وہ آدمی واپس ہوا تو اس نے سب کو پیچھے بندھا۔ درویش کے ساتھی باہر آگئے اور اس جگہ میں شامل ہو گئے جو چھوٹے کے سامنے جمع تھا۔

درویش اندھیری راہداری میں جاتے جاتے ٹک گیا۔ ایک کمرے کے بند دروازے کی دروازے سے روشنی ابھر رہی تھی۔ اس نے ایک درز کے ساتھ آنکھ لٹکا دیکھا۔ کمرہ سماج تھا۔ فرش پر قالین پکھے ہوئے تھے۔ کھاؤ کے بھی تھے اور رنگ برنگے فالٹس جل رہے

باہر نکلیا اُس نے خون آلود خیزنہ میں اُس لیا تھا۔ باہر جا کر وہ لوگوں کے ہجوم میں شامل ہو گیا اور سر پر چادر ڈال لی۔

لوگوں کی نظریں چوتھے پر گئی ہوئی تھیں جہاں شامہ مسند پر بیٹھی تھی۔ وہ شکی حکم تھی۔ پریش نے اپنے ساتھیوں کو کش کر کے انہیں بتایا کہ اُس نے اندر جا کر کیا دیکھا اور وہ کیا کر آیا ہے۔ ساتھیوں نے اُسے کہا کہ وہاں نہ رکے۔ در نہ پکڑا جائے گا۔ وہ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد نعرے اور نعرے بجنے لگے۔ یہ داؤد بن نصر کی آمد کا اعلان تھا۔ وہ جولی کے کسی اور حصے میں چلا گیا۔ چوتھے پر ایک آدمی نے بلند آواز سے اعلان کیا۔ والی ملکن، قراصلی پیغمبر ابو الفتح و داؤد بن نصر بن شیخ حمید قراصلی جن کے قبضے میں ارواح اور جنات ہیں جو پختے اسلام کے مہر دار اند پیغمبر ہیں انشرف لاتے ہیں۔ سب پر لازم ہے کہ سب سر جھکا لیں۔

نعرے اور نعرے بجنے رہے۔ ایک جہیز آدمی جس کے سر پر تاج تھا چوتھے پر آیا۔ تمام لوگوں نے اس طرح جھک لے دیے کہ سب سے پہلے گئے۔ یوں چوہدار نے اعلان کیا کہ صدیوں سے یہ جولی بدرجہن اور جنت کا سکون بنی رہی تھی۔ یہ ہر روز ایک انسان ایک جانور کا خون پیتے تھے۔ پختے مذہب کے پیغمبر نے اپنی خاص کرامات اور خدائی طاقت سے ارواح اور جنات کو اپنے تابع کر لیا ہے۔ قراصلی پیغمبر کا حکم ہے کہ تم لوگوں نے ان کے اٹھ کر بیعت نہ کی تو یہ اس عاج اور جنات تم سب کو پریشان کرتے رہیں گے۔

یہ اعلان ایسے جذباتی اور شہسختی خیز انداز سے کیا گیا کہ لوگوں پر سنا ناگہانی ہو گیا۔ اس کے بعد رہاب کی قسم کے کسی ساز کی دھیمی دھیمی آواز آنے لگی۔ اس کے ساتھ چند اور

سازوں کا ترنم سنائی دینے لگا۔ یہ سب تاروں والے ساز تھے۔ داؤد بن نصر مسند سے اٹھا اور بیٹھ لوگوں کی طرف کر لی۔ اُس نے بان پھیلا کر اوپر کیے اور ترنم سے کچھ بڑبڑایا۔ رکبہ سے میں اندھیرا تھا۔ وہاں سے پہلے شہسخت اندھیرا چھوٹا ہوا پھیلنے لگا۔ داؤد نے بلند آواز سے کہا۔ خدائے دہا کا بلال! جن مانس کے پیدا کرنے والے خدا! کچھ اپنی خدائی قوت عطا کر کے تیری مخلوق کو ان بدرجہوں اور جنات سے جو آراہیں اُسے محفوظ رکھو۔ اُس نے دھماکے کی سی آواز میں کہا۔ اُجھلا میرے سامنے۔

دھواں چوتھے تک اُٹھ گیا تھا۔ دھواں کم ہونے لگا اور اس میں سے چادر چوہدار کی ہاتھ بندو دار ہوئیں۔ وہ بہت ہی خوبصورت اور گہرے رنگ کی لڑکیاں تھیں۔ اُن کے لباس پریشی اور چمکدار تھے۔ سازوں کا ترنم اور زیادہ بڑبڑا اور بلند ہو گیا۔ اُن کے ساتھ گنگھو رنج رہے تھے۔ لڑکیوں نے داؤد بن نصر کے آگے سجدہ کیا۔ داؤد نے اٹھ سے اشارہ کیا۔ دھواں چھٹا تو لڑکیاں غائب تھیں اور وہاں ہونے ہونے سے پانچ چھ انسان کوڑے تھے۔ سر سے پاؤں تک اُن کے جسم سیاہ تھے۔ اُن کے دانت بے ادھر سر پر بنے چاند کی شکل کے بے رنگ تھے۔ وہ بے ہنگم سا پانچ ناپختہ لگے۔ اعلان ہوا کہ یہ جنات ہیں۔ انہی کے رنگ کا ایک قوی لڑکھل آیا جس کے اٹھ میں کوڑا تھا۔ اُس نے ان دونوں کو جن کے قد میں ساٹھ سین فٹ سے زیادہ نہیں تھے، بیٹھا شروع کر دیا۔ دونوں نے ایسا دوا دیا کہ لڑکیاں کو لوگوں پر دہشت طاری ہو گئی۔

داؤد بن نصر کے حکم سے کوڑا زنی روک دی گئی۔ جنات نے مل کر ایک آواز میں کہا۔ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔ اب ہم داؤد بن نصر کے مہر میں اور ہم جو غیب کے عہد جانتے ہیں، غلطیہ کہتے ہیں کہ داؤد بن نصر خدا کا پیغمبر اور الہی ہے۔

دھواں پھر پھیلا اور جب دھواں چھٹا تو وہاں نہ داؤد بن نصر تھا۔ اُس کے جنات۔ چوتھے خالی تھا۔ اعلان ہوا کہ قراصلی پیغمبر خدا کے حضور تشریف لے گئے ہیں۔ اب نئے چاند کرامات اسی جگہ نمودار ہوں گے۔

مہر سب اُس ترنگ کا کمال ہے جس کے اندر میں ایک آدمی کو قتل کر لیا ہوں۔ درویش اپنے ساتھیوں سے اُسی جولی کے ایک کمرے میں بیٹھا کر رہا تھا جس میں وہ دن کو بیٹھے سوچ رہے تھے کہ اس نئے کو کس طرح ختم کیا جائے۔ اُس نے کہا۔ شہن زکریوں اور جنات کے مشعل تم بتا رہے ہو کہ دھوئیں میں سے نمودار ہونے لگے۔ اُن لڑکیوں کو جن نے ایک بند کمرے کے دروازے کی درزیں سے دیکھا تھا۔ ترنگ تازہ کھدی ہوئی ہے۔ میں آؤں تک نہ جا سکا۔ یہ باہر والے چوتھے کے

جو جالے تو یہ فرقہ سرسکتا ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم دو چار آدمی بھیرہ چلیں اور اگر سلطان محمود واقعی دہلی آگیا ہے تو اُس کے حضور عرض کریں کہ اگر تم یہاں اسلام کے فروغ کے لیے آئے ہو تو پہلے مَن آفکوار اس فرقے کو ختم کرو جو اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بنا ہوا ہے۔

سب اس تجویز پر متفق ہو گئے اور انہوں نے طے کیا کہ عالم درویش وادیشوں کو ساتھ لے کر صبح بھیرہ کے لیے روانہ ہو جائیں۔

جس وقت ان لوگوں کو وہ آدمی بھیرہ میں سلطان محمود کی آمد اور رانی کی خبر سنا رہا تھا، اُس وقت داؤد بن نصر کو بھی یہی خبر سنائی جا رہی تھی۔ اُس وقت وہ اپنے ان آدمیوں کو جو چاند کنواریوں کی حویلی میں کام اور سجدہ بازی کرتے تھے، اپنے ملت کفر لیکے ہوئے تھا۔ وہ اس قدر غصے میں تھا کہ شراب کا شرب بھی کرتا تھا۔ وہ ان سے ایک ہی سوال کا جواب مانگ رہا تھا۔ اُس آدمی کو کس نے قتل کیا ہے؟

اُسے بتایا جا رہا تھا کہ ایک آدمی سرنگ والے کمرے میں سے دوڑتا باہر نکلا۔ وہ ان چاندیاں آدمیوں کے ساتھ نکرا یا جو سرنگ میں سے مقتول کی پکار پر دوڑے آئے تھے۔ اس آدمی نے انہیں کھانسی پیچھا، دوڑ کر پہنچا، وہیں آتا ہوں۔ اس آدمی کی دادھی تھی۔ چہرہ کی گویا وہ نہیں تھا۔ داؤد بن نصر ان کی یہ بات مان نہیں رہا تھا۔ کتنا تھا کہ تم میں سے کسی نے کسی لڑکی کے بچہ جن میں اگر اپنے سامنے قتل کر دیا ہے۔ یہ سب آدمی اُس کے پاؤں میں لیٹ بیٹ جاتے تھے، اور داؤد گرج رہا تھا۔

اس دوران اُس کے سالار نے اندر آکر کہا کہ بھیرہ سے بڑی بڑی خبر آئی ہے۔ ایک آدمی کو اندر لایا گیا وہ بھیرہ سے آیا تھا۔ اُس نے داؤد بن نصر کو وہی خبر سنائی جو حویلی میں ایک آدمی عالم درویش اور ان کے ساتھیوں کو سنا رہا تھا۔

”ان سب کو قید میں ڈال دو۔ داؤد بن نصر نے حکم دیا۔ انہیں کھانے پینے کے لیے کچھ نہ دو پھر بھی کچھ نہ بتائیں تو انہیں شکنجے میں ڈال دو۔“

انہیں لے گئے تو داؤد بن نصر نے اپنے سالار سے کہا۔ ”اگر محمد بھیرہ پر قابض ہو

تو قرب جا کھلتی بنے۔ دھواں سرنگ میں سے چھوڑا جاتا ہو گا اور لڑکیاں سرنگ میں چڑھیں گی۔“

”ہمیں پہلے ہی شک تھا کہ بدروحوں اور جنات کا کم از کم اس حویلی میں کوئی بھیرہ نہیں۔“ عالم نے کہا۔ اب آپ اتفاق سے دیکھ آئے ہیں کہ یہ سرنگ اور دھواں کا کمال ہے اور سیدھے سادے لوگوں کو براہِ مصلیٰ فرقے میں شامل کرنے کے لیے یہ دھوکہ بچایا جا رہا ہے۔ لوگ اس باطل فرقے میں شامل ہو رہے ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ اس فرقے کو ختم کس طرح کیا جائے اور لوگوں کو کس طرح بتایا جائے کہ یہ دھوکہ ہے۔“

وہ اس سوچ پر غور میں آگئے ہوئے تھے کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی۔ حویلی کا مالک باہر گیا۔ باقی تمام آدمی دہلی سے بھاگ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ خطرے کی صورت میں حویلی کے مالک کو دروازہ کھولنے سے ہی کھانا تھا۔ اُس کی کھانسی کی کھانے اُس کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ کمرے میں آیا تو اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا جسے یہ سب جانتے تھے۔ وہ بھی انہی کے گردہ کا جاندار تھا۔

”اگر یہ خبر صحیح ہے جو میں سن کر آیا ہوں تو خدا نے قراصلیٰ فرقے کے خاتمے کا انتظام کر دیا ہے۔“ اُس آدمی نے کہا۔ ”بھیرہ سے کچھ لوگ آئے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ بھیرہ کی ریاست پر سلطان محمود نے قبضہ کر لیا ہے، اور بھیرہ کے راجہ کی رائے نے خودکشی کر ل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تین دن تک اتنی خوریز لڑائی ہوئی ہے کہ غزنی کی فوج کا کچھ بچا ہے، نہ بھیرہ کی فوج کا۔ غزنی کے سلطان محمود نے حکم دیا ہے کہ بھیرہ میں سے دہلی کا کوئی باشندہ کہیں باہر نہیں جاسکتا۔ یہ معلوم نہیں کہ محمود ان پر بھی حملہ کرے گا یا نہیں۔ اس وقت اُس کی فوج بہت کم ہے۔ لگاتار بہت دقت لگے گا۔“

”سب گہری سوچ میں کھو گئے کچھ دیر بعد عالم نے کہا۔“ ہم بادشاہی نے کرنیں لے سکتے ہیں۔ یہی کر سکتے ہیں جو ہمارے درویش دوست نے کیا ہے کہ قراصلیوں کے اندر دہلی چلے گئے آدمیوں کو ایسے طریقے سے قتل کرتے رہیں کہ کوئی ہمارا سراغ نہ پاسکے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دروازہ جاندار تیار کیے جائیں جو داؤد بن نصر کو قتل کر دیں۔ اگر یہ شخص قتل

حق جب باطل کے زرخ میں آیا

دادا بچہ نصیر نے اپنے سالار کو حکم دے کر فوج کے جوچہ آدمی طمان سے بھیرہ یہ معلوم کرنے کے لیے روانہ کیے تھے کہ یہ المخلع لائیں کہ سلطان محمود غزنوی کے پاس کتنی فوج ہے، اور کیا وہ فوری طور پر طمان پر حملہ کرنے کے قابل ہے یا نہیں، وہ چھ آدمی معمولی قسم کے فوجی نہیں تھے۔ وہ سب کمانڈری کے عہدے کے ذہین اور تجربہ کار فوجی تھے۔ جاٹوسی اور سراغزسانی کی مہارت بھی رکھتے تھے۔ بھیرہ سے مطلوبہ اطلاع دی جا سکتے تھے۔ وہ تھے تو مسلمان لیکن عقیدے کے کٹر قزاق تھے۔

انہوں نے تاجروں کے بھیس میں بھیرہ کو جاتے ہوئے طمان سے کچھ دور عالم درویش اور ان کے تین ساتھیوں کو اسی سمت جاتے دیکھا جدھر وہ خود جا رہے تھے تو وہ ان سے جلتے ہر دونوں قافلوں کا ایک قافلہ بن جائے اور ہو سکتا ہے ان لوگوں سے کام کی کوئی خبر مل جائے طمان کے ان فوجیوں کے پاس کچھ گھوڑے تھے جن پر وہ سوار تھے اور تین اونٹ تھے جن پر سامان لدا ہوا تھا۔ عالم اور درویش کے پاس گھوڑے تھے اور ان کے تین ساتھی تین اونٹوں پر سوار تھے۔ یہ کٹر اہل سنت مسلمان تھے جو بھیرہ سلطان محمود غزنوی سے کہنے جا رہے تھے کہ وہ طمان کو مسلمان ریاست نہ سمجھے اور فوراً حملہ کرے کیونکہ یہاں قزاقی فرقہ اسلام کا چہرہ مسخ کر رہا تھا۔

دونوں قافلوں میں سلام و دعا ہوئی لیکن اپنے اپنے تعارف میں دونوں محتاط تھے۔ عالم نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق بتایا کہ طمان کے دکاندار ہیں اور بھیرہ کچھ سامان لے جا رہے ہیں۔ اس کے بدلے وہ دال سے سامان لائیں گے۔ قزاقوں نے اپنے متعلق بتایا کہ وہ لاجپور کے تاجر ہیں طمان آئے تھے اور بھیرہ جا رہے ہیں۔ دال سے

میں ہے۔ تربست بڑا ہوا ہے صبح فوج کے کچھ آدمی تاجروں کے بھیس میں بھیرہ روانہ کر دیے وہ اچھی طرح دیکھ کر آئیں کہ گھوڑے کے پاس کتنی فوج ہے۔ اگر اس کے پاس طمان پر حملہ کرنے کے لیے فوج کم ہے تو ہم سارا بھاء نندیاں کو ہر گز نہیں گئے کہ بھیرہ پر حملہ کرنے پر۔ صبح کے وقت چھوٹے چھوٹے دو قافلے طمان سے نکلے۔ دونوں کا رخ بھیرہ کی طرف تھا۔ ایک قافلے میں عالم درویش اور ان کے ساتھ تین آدمی تھے۔ دوسرے قافلے میں طمان کی فوج کے چھ آدمی تاجروں کے بھیس میں تھے۔ ان کے کمانڈر نے دوسرے قافلے کو دیکھ کر بول بولائے وہ لوگ بھی اُدھر ہی جا رہے ہیں چلو ان کے ساتھ مل جاتے ہیں یہ

وہ چلے جا رہے تھے۔ عالم اور درویش یہ نہیں بتانا چاہتے تھے کہ وہ سلطان محمود کے پاس ہی جا رہے ہیں۔ قرامطیوں کو ایسا شک بھی نہیں تھا۔ قرامطی زبان و بہن اور چلاک تھے۔ وہ بھی اپنی اصلیت بے نقاب نہیں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے عالم اور درویش کے ساتھ ایسی باتیں شروع کر دی تھیں جو عالم اور اس کے ساتھیوں کا ایمان تھا۔ وہ ان قرامطیوں کو فی الواقع تاجر اور اپنا ہم خیال سمجھ بیٹھے۔ وہ تمام راہ اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔

سورج غروب ہونے سے پہلے انہوں نے دیارے راہی پار کر لیا۔ یہ مقام اہلنا سے بہت دور تھا جہاں دیا کا پاٹ چوڑا اور پانی کم گھرا تھا۔ پار جا کر انہوں نے بڑا دیکھا۔ وہاں تھیں کے پاس کھانے کے لیے جو کچھ تھا۔ وہ انہوں نے سانسے رکھ دیا۔ قرامطی کا منہ گھڑی کی زین اٹھا رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک ساتھی تھا۔ کمانڈر نے ساتھی سے کہا: ”لوگ گئے تو دو کمانڈر ہی ہیں لیکن ان کی بعض باتوں سے مجھے شک ہو رہا ہے کہ یہ ہمارے خلاف کوئی نقشہ پیدا کرنے بھر رہے ہیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ان کے دلوں پر ہمدردی طرح قبضہ کر لیں۔ یہ دوا آدمی جو ہمارے ساتھ باتیں کرتے رہے ہیں علم فضل و لیے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ ہمارے خلاف یعنی اہلنا کی قرامطی ریاست کے خلاف کمانڈر رہی کرنے نہیں جا رہے تو بھی ہمیں چاہیے کہ انہیں اپنے ساتھ رکھیں۔ یہ دوا آدمی عالم میں ان کے ساتھ رہ کر بھیرہ کے لوگ ہمارا بھی احترام کریں گے۔“

”بھیرہ آج رات ہم شراب نہیں نکالیں گے۔ قرامطی کمانڈر کے ساتھی نے ننگے پاؤں لگائے ہیں تو ہمیں قسم کے مسلمان سمجھتے رہیں۔ یہ بڑا عالم بہت اچھی باتیں کرتا ہے۔ اسے ہم اکٹھے لے کر سلطان محمود سے ملے۔ ہم میں سے کوئی اس کے ساتھ چلا جائے گا۔ سلطان کی نیت اور ارادے کا علم ہو جائے گا۔“

کھانے کے دوران قرامطی کمانڈر نے اسی موضوع کو جاری رکھا جس پر وہ سدا دین تبادلوں حالات کرتے آئے تھے۔ عالم اور درویش تربیت یافتہ جاؤس نہیں تھے۔ یہ تو ان کا جذبہ تھا جو انہیں اسلام کی پاسبانی کے لیے اکٹھا رہتا تھا۔ وہ قرامطیوں کو اپنی طرح

”اگر آپ لوگ اہلنا کے بسے والے ہیں تو آپ قرامطی مسلمان ہوں گے۔ ایک قرامطی فوجی نے پوچھا۔“

”نہیں۔“ درویش نے جواب دیا۔ ”ہم بچے مسلمان ہیں۔ قرامطی فراتے کو ہم مسلمان نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔ آپ لوگ یقیناً مسلمان ہوں گے۔ قرامطی صرف اہلنا میں ہیں۔“

”ہمارا اس فراتے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔“ قرامطی فوجیوں کے کمانڈر نے جھٹ بولا۔ ”ہم آپ کی طرح ہی مسلمان ہیں۔۔۔ کیا یہ صحیح ہے کہ غزنی کے سلطان محمود نے بھیرہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اہلنا کے راجہ کی رائے نے خود کشی کر لی ہے؟۔ ان فوجیوں کو سب کچھ معلوم تھا۔“

”ساتویں ہے۔ عالم نے کہا: ”اگر یہ صحیح ہے تو ہم اہلنا کو خوش ہونا چاہیے کہ محمد بن قاسم کے بعد کسی مسلمان سلطان نے ہندوستان کا رخ کیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس ملک میں کس تیزی سے ہندو مذہب اسلام پر غالب آ رہا ہے۔“

”ہم بہت خوش ہیں۔“ قرامطی کمانڈر نے کہا۔ ”ہم کو چاہیے کہ لاہور پر بھی سلطان محمود قبضہ کرے۔ اس ملک کو اسلامی ملک بننا چاہیے۔“

”لاہور سے پہلے سلطان محمود اہلنا پر قبضہ کرے تو زبان بہتر ہو گا۔“ درویش نے کہا۔ ”سب سے زیادہ خطرناک فتنہ دہوٹا ہے جو اپنے اندر سے اٹھ رہا ہے۔ آپ کو شاید معلوم ہو گا کہ مہتمم کا حاکم داد بن نصر عباسیوں اور ہندوؤں کا آلا کلمہ ہے اور وہ اسلام کا نشانہ چڑھا کر اسلام کی بیخ کنی کر رہا ہے۔“

”معلوم نہیں سلطان محمود کو داد بن نصر کی اصلیت کا علم ہے یا نہیں۔“ قرامطی کمانڈر نے کہا۔ ”سلطان دھوکے میں نہ ہو۔“

”سلطان کو حقیقت کا علم ہونا چاہیے۔ عالم نے کہا۔“

”کیا یہ ہمارا فرض نہیں کہ ہم اتفاق سے بھیرہ جا رہے ہیں؟ ہم سلطان محمود کو بتائیں کہ وہ داد بن نصر کو اپنا دوست نہ سمجھے؟۔“ قرامطی کمانڈر نے کہا۔

”کیوں نہیں؟۔“ درویش نے کہا۔ ”ہمیں یہ فرض اور کرنا چاہیے۔“

اسلام اور سلطان محمود کے ہی خواہ کچھ نیسے۔ بات سے بات نکلی تو قرامطی فرتے کے سوتلی
بائیں ہونے لگیں۔

”ہم اس فرستے کو بھولنا مانتے ہیں۔ قرامطی کا مندر نے کہا۔“ لیکن طاقان میں رو کر ہم جیسے
بھی لیے وہ داد بن نصر کا مندر کا مندر نکلا۔ وہاں چار کنواریاں کی حویلی کے چرچے سے توکل رہت
ہم بھی لوگوں کے ساتھ اس حویلی میں چلے گئے۔ ہم نے جنات کو دیکھا جنہیں داد نے حاضر
کیا تھا پھر ہم نے چار کنواریوں کو بھی دھوئیں میں سے نمودار ہوتے اور دھوئیں میں ہی غائب
ہوتے دیکھا۔ ہم تو اسے سمجھ نہ سکتے تھے۔ داد کے اندھ میں کوئی طاقت ضرور ہے؟
”جہاں سے یہ جنات اور چار کنواریاں نکلی تھیں وہاں سے آپ نے ایک لاش
نکلی تھیں دیکھی تھی۔ درویش نے قرامطیوں کی باتوں سے متاثر ہو کر راز اگل دیا۔

”لاش؟“ قرامطی کا مندر نے حیران ہو کر پوچھا۔ کس کی لاش؟
”داد کے ایک خاص آدمی کی لاش۔“ درویش نے کہا۔ ”دھوئیں میں سے نمودار
ہونے والے جنات اور چار کنواریوں کی اصل حقیقت کو میں نے قریب سے دیکھا ہے۔
’خدا کے لیے میں بتاؤ یہ راز کیا ہے؟‘ قرامطی کا مندر نے اشتیاق اور حیرت سے
پوچھا۔ ”ہم میں سے کوئی بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ ایک باطل فرستے کے کسی آدمی میں اسی طاقت
ہو سکتی ہے کہ وہ جنات اور ارواح کو حاضر کر سکے۔ ہم تو داد کا یہ کمال دیکھ کر اس کے
اندھ بریعت کرنے لگے تھے۔ ہمارے دلوں کو شکوک سے پاک کر دے۔ یہ آپ کی بھی ہوگی؟
درویش نے سن ٹھن سنا دیا کہ وہ کسی طرح حویلی کے اندر اس سرنگ میں داخل ہو گیا۔
تھا جس میں سے چار لڑکیاں گزر کر دھوئیں میں جاتی اور لوگ انہیں دھوئیں میں سے نمودار
ہوتا دیکھتے تھے۔ درویش نے بتا دیا کہ اس نے یہ لڑکیاں ایک کمرے میں دیکھی تھیں انہیں
نے یہ بھی بتا دیا کہ اس طرح سرنگ میں ایک آدمی کو دیکھا۔ اس سے بچنے کے لیے درویش
نے اسے قتل کر دیا اور سرنگ سے نکل آیا۔

قرامطی کا مندر اور اس کے ساتھیوں نے درویش کو دل کھول کر فرائض تمبیہ پیش
کیا۔ ان قرامطیوں کو معلوم تھا کہ داد بن نصر اس آدمی کے قاتل کو دھونڈ رہا ہے اور

اس نے حویلی میں کام کرنے والے آدمیوں کو قید خانے کی آذینوں میں ڈال رکھا ہے۔
کچھ دیر اور باتیں کر کے وہ سونے کی تیاری کرنے لگے۔ قرامطی کا مندر اب درویش
میں بہت دلچسپی لے رہا تھا۔ سونے کی جگہیں دیکھنے لگے تو قرامطی کا مندر نے درویش
سے کہا کہ وہ اس کے قریب سوتے۔ وہ محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے سب سے
الگ ایک جگہ دیکھی اور وہاں اپنا اور درویش کا بستر بچھا دیا۔ دن بھر کی مسافت کے تھکے
ہوئے ایسے ہی سب سو گئے۔

آدھی رات کے قریب درویش کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بولنا جا کر بول: سکاہیں
کے مندر پر کراہندہ ہوا تھا۔ وہ آدمی اس کے باطل رستوں سے بھڑار بنے تھے۔ وہ انکا
تو داد آدمیوں نے اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیئے۔ اُسے اٹھا کر ایک اونٹ
پر ڈال دیا گیا۔ اور اسے اونٹ کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اونٹ اٹھا۔ اس کی ہمار ایک
گھوڑے کے پیچھے باندھ دی گئی۔ گھوڑا چل پڑا۔ اس کے ساتھ ایک اور گھوڑا چلا۔
درویش کے ساتھی اس سے دُور گھری نیند سوتے ہوئے تھے۔ اونٹ اور دو گھوڑے
سارے دن طاقان کو چلے جا رہے تھے۔ قرامطیوں کو اپنے خاص آدمی کا قاتل مل گیا تھا انہیں
داد سے انعام کی توقع تھی۔

صبح سب سے پہلے عالم کی آنکھ کھلی۔ انان کا وقت ہو رہا تھا وہ درویش کو جگانے گیا
تو اس کا بستر خالی تھا۔ قرامطی جاگ اٹھا۔ عالم کا خیال تھا کہ درویش وضو کرنے دیر پر چلا گیا
ہو گا۔ قرامطی کا مندر گھوڑوں اور اونٹوں کی طرف گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد قرامطیوں نے داد کا
جاگ دیا کہ ان کا ایک اونٹ اور دو گھوڑے اور ان کے دو ساتھی غائب ہیں۔ انہوں نے
یہ سہی کہا کہ ان کا قیدی سالان بھی چوری ہو گیا ہے۔

”چلو.... ادھر ادھر دیکھو.... وہ دُور نہیں گئے ہوں گے۔“ گھوڑوں پر سوار ہو کر
جانے لگیں۔ اونٹوں پر سوار رکھا جانے لگا۔ سب عالم نے کہا ہے ہمارا درویش ساتھی بھی
غیر حاضر ہے۔“

”یہ اُس کی مہارتاتی ہے۔“ قرامطی کا مندر نے کہا۔ اس نے بڑی دلیری سے سرنگ کے

تلاطموں کو تو معظم تھا کہ ان کے دو ساتھی اندر دوشیں کہاں گئے ہیں۔ عالم اور اس

ہیں کہ ملتان میں اس کی کاروائی ہے۔ اُسے پتہ چلا کہ ہم بھیرہ جا رہے ہیں تو وہ ساتھ چل پڑا۔
”کیا آپ لوگوں کو معلوم تھا کہ اُس نے جانیوں تک آدمی کو قتل کیا ہے؟“
”اگر پتہ ہوتا تو ہم اسے ساتھ نہ لاتے۔“ عالم نے جواب دیا۔ ”اگر اس نے قتل
منہ ہی جنوں کے تحت کیا تھا تو بھی میں اسے پسند نہیں کرتا۔ قتل بہر حال قتل ہے۔ سبب
قتل جیسا جرم بھینس کرنا۔“

قراسلی کا منڈ نے بہت کوشش کی کہ عالم کے سینے سے کوئی دوا نکل سکے۔ اُسے
کوئی راز نہ ملا۔ قراسلی کا منڈ اپنے اندر اپنے ساتھیوں کے متعلق یہی ظاہر کرتا رہا کہ وہ قراسلی نہیں
بلکہ مسلمان ہے۔

راجوں، سرداروں اور سلطانوں کی دُنیا سے دُور جنگریاں ہیں۔ یہ دوتا فاطمہ ایک فاطمہ
کی صورت میں چلے جا رہے تھے۔ وہ حق و باطل کے میدان جنگ سے بہت دُور تھے
لیکن اس جنگ سے لاتعلقی نہیں تھے۔ دونوں فاطمہ بظاہر اکٹھے جا رہے تھے لیکن ان
کے درمیان درپردہ حق و باطل کی جنگ جاری تھی۔ دونوں اپنے اپنے عقیدے اور لکڑ
کے پکے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو شکست دینے کی سوچ رہے تھے۔ عالم کو یقین
ہوتا چلا جا رہا تھا کہ اس کے ساتھ کے فاطمہ والے تاجر نہیں اور یہ قراسلی ہیں۔ عالم
کے تین ساتھی جہاں سال آدمی تھا اور قراسلی بھی چار تھے۔ عالم سوچ رہا تھا کہ یہ تربیت یافتہ
فوجی ہوتے تو ان سے لڑائی ہو جانے کی صورت میں اُس کے تین ساتھی مقابلہ کر سکیں گے
یا نہیں عالم خود بول رہا تھا۔

عالم کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔ اُس کے سینے میں اللہ کا ایمان تھا کسی انسان کا دُور
اور خوف نہیں تھا۔ وہ اللہ سے مدد مانگ رہا تھا۔ اُس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر لوگ
اس کے ساتھ بھیرہ پہنچ جائیں تو انہیں پکڑ دے گا۔ درویش کے متعلق وہ بہت پریشان
تھا۔ اسے یہ ڈر تھا کہ درویش کو اگر واقعی لڑائی لگے گا تو اسے بڑی اذیتیں دی جائیں
گی۔ درویش کب تک برداشت کرے گا۔ وہ سب کی نشاندہی کر دیتا۔ ان سب کے
بیوی بچے اور عزیز اقارب ملتان میں تھے۔ نشاندہی ہو جانے کی صورت میں وہ جانتے

تھے کہ ان کے بچوں کو بھی غیر انسانی اذیتیں دی جائیں گی۔

اسلام کی پاسبانی ان سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی تھی۔ عالم نے اپنے ساتھیوں
سے کہہ کر غریزہ منو! ہم جس رستے پر جا رہے ہیں اس میں ایسے خطرے ہیں جن سے گھبرا کر
تم بھاگ جاؤ گے۔ لیکن یاد رکھو کہ جس قوم اور جس مذہب میں بھاگ جانے والے وجود ہوں
وہ قوم اپنے مذہب سے تیار ہے۔ اندھیرے میں گم ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی
سہیلیں اور اپنے چھوٹے چھوٹے بھائی قربان کرنے پڑوں۔ اگر تم نے یہ قربانی خند پیشانی
سے دے دی تو خدا کی خوشنودی حاصل کر دے اور اپنے ہتھکڑیوں میں کامیاب ہو جاؤ گے۔
اگر تمہارے دونوں میں کوئی شک ہے تو ہمیں سے واپس چلے جاؤ۔

ان میں سے کوئی بھی واپس نہ گیا۔ یمنوں نے یقین دلایا کہ وہ اُس کے ساتھ رہیں گے۔
عالم کے پاس علم تھا۔ اس کی نظر قوموں کی تاریخ پر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ قوموں کے عروج
اور بارش انہیں کی فتح کے پیچھے چند ایک گناہ لوگوں کی قربانیاں کا رفاہ ہوتی ہیں۔ تاریخ
ان لوگوں کو نہیں جانتی کہ وہ کتنا میدان جنگ میں نہیں جاتی اور تاریخ انہیں دوزخ کا
پر بھی نہیں جاتا کرتی۔ ان مہم دین کو خدا کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ عالم بھی خدا کے
سامنے جوابدہ تھا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ قراسلی کا منڈ رات کے پُراؤ کے لیے ابھی سی جگہ دیکھ
رہا تھا۔ یہ علاقہ سرسبز تھا۔ چائیں تھیں۔ درختوں کا جنگل اور سبزہ تھا۔ ایک جگہ ایک خانہ
بیٹھا نظر آیا۔ ایک ادھر دُور آدمی تھا اور دُور ان لڑکیاں تھیں جو بہت خوبصورت تھیں ان
کے ساتھ ایک بوڑھی عورت تھی۔ ان کے لباس بتاتے تھے کہ یہ ہندو ہیں۔ لڑکیاں
شہزادیاں لگتی تھیں۔ وہاں دو شعلیں جل رہی تھیں۔

قراسلی کا منڈ نے عالم سے کہا۔ ”آپ آگے چلیں کوئی ابھی جگہ نظر آئی تو ہمیں
بلا لیتا۔ میں بھی کوئی جگہ دیکھتا ہوں۔“

عالم اپنے ساتھیوں کو کراہتے ہوئے لے گیا۔ اُسے ایک بڑی سرسبز جگہ نظر آئی۔ گھوڑوں
اور اونٹوں کے لیے چارہ بھی تھا اور پانی بھی۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں

ڈیرے ڈال دیں۔ قراہلی کہیں پہنچے رہ گئے تھے۔ عالم نے ان کی پروا نہ کی۔ اسے خیال تھا کہ وہ خود ہی آجائیں گے۔

رات گہری ہو گئی۔ قراہلی نہ آئے۔ عالم نے ایک محل جلا کر اس کا ڈنڈہ زمین میں گاڑ دیا۔ اُسے تھوڑی ہی دُور شور شرابہ سنا دی اور دوڑتے قدموں کی آہٹ بھی سنانی دی۔ علم اور اس کے ساتھیوں نے گواہیں نکالیں۔ مشکل کی روشنی میں عالم کو وہ پورھا اور ایک جوان کئی اپنی طرف آئے نظر آئے جنہیں انہوں نے تھوڑی دُور پیچھے ایک جگہ بیٹھ دیکھا تھا۔ ان کے ساتھ ایک عورت اور دو خوبصورت لڑکیاں بھی بیٹھ ہوئی تھیں۔ وہ اب ان کے ساتھ نہیں تھیں۔

عالم اور اس کے ساتھی تلواریں اٹھوں میں لیے ان کی طرف بڑھے تو وہ آدمی دُوسری سمت دوڑ پڑے۔ عالم نے انہیں لگا کر کھاتے مت بھاگو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ نہیں روکے تو گھوڑوں سے نفا مانتا قب کریں گے اور تمہیں جان سے مار ڈالیں گے۔

وہ دُور کے مدے رُک گئے جب عالم اور اس کے ساتھی ان کے قریب گئے تو انہوں نے اٹھ جواز دیے اور التجا کی کہ ان کی جان بخشی کی جائے۔ عالم نے انہیں بڑی شکل سے یقین دلایا کہ وہ ان کی مدد کرے گا۔ وہ بتائیں کہ وہ کیوں بھاگے جارہے ہیں۔

”بتا دے ساتھیوں نے ہم سے دونوں لڑکیاں چھین لی ہیں۔ بوزھے نے لرزائی ہوئی آواز میں کہا۔ ہمارے پاس سونے کی ڈالیں اور بہت سی قیمتی اشیاء انہوں نے وہ بھی چھین لی ہیں۔“

”لڑکیاں تمہاری کیا لگتی ہیں؟“

”میری بیٹیاں ہیں۔ بوزھے نے جواب دیا۔ اور یہ برا بیٹا ہے۔ ان کی ماں بھی ساتھ رہے ہم بھیرہ سے بھاگ کر آ رہے ہیں۔ شہر پر غزنی کے مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ ہم بند ہیں۔“

”کیا غزنی کے مسلمانوں نے تمہارے گھرنے میں؟“

”جی ہاں کیا ہے؟ تمہاری عورتوں کو بے اُبر کر رہے ہیں؟“

”نہیں۔“ بوزھے نے جواب دیا۔ ”ان کے سلطان نے حکم دیا ہے کہ ہندوؤں

کے گھروں کی اور ان کی عزت کی حفاظت کرو لیکن آپ نے ہمارے قریب سے گزرتے میری بیٹیاں دیکھی ہیں۔ وہ بہت خوبصورت ہیں۔ انہیں مسلمان فوجیوں سے بچانے کے لیے ہم بھیرہ سے بھاگتے ہیں۔ اب پڑ جلائے کہ بھیرہ میں رہتے تو ہماری عزت محفوظ رہتی۔ اب کے ساتھیوں سے ہمیں کئی نہیں چکا سکتا۔ آپ بزرگ انہی ہیں۔ وہ چار آدمی ہیں یہ تین آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ میری بیٹیوں پر رحم کریں۔ وہ مرجائیں گی۔ ہمارے پاس جو سونا اور رقم ہے وہ لے لیں ہمیں جانے دیں۔ میری بیٹیوں کو چھوڑ دیں۔“

عالم کو یقین ہو گیا کہ اُس کے ساتھ آنے والے چھ سو دشمنان کے فوجی ہیں اور وہ قراہلی ہیں۔ انہیں سے دو تو دہشت کو ساتھ لے کر جا چکے تھے۔ لڑکیوں کو دیکھ کر فسطوں کی نیت بدل گئی اور ان کے سامنے ان کے فرتے کارِ اہل اکیا کہ انسان عیش و عشرت کے لیے پیدا ہوا ہے اور گناہ کا کوئی وجود نہیں۔

”کیا تم دونوں خالی اٹھ جاؤ؟“ عالم نے ہندوؤں سے پوچھا۔

”ہماری تلواریں مسلمان کے ساتھ پڑی تھیں۔“ بوزھے نے جواب دیا۔ ”تمہارے ساتھی ہم پر ٹوٹ پڑے۔ ہمیں تلواریں اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ ہم ان کے قدموں میں گر پڑے اور لڑکھائیں۔ انہوں نے ہمیں بہت مارا پیٹا اور بھگایا۔ ہم واپس بھیرہ کو بھاگے جارہے تھے۔“

عالم نے اپنے تین جوان سال ساتھیوں سے کہا۔ ”ہمیں ان ہندوؤں پر نہایت کڑا ہے۔ کڑی پلٹ مذہب کی ہوا کسی کے مذہب کی، اس کی عزت پرانا مسلمان کا فرض ہے۔۔۔ اور میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا ہمارے سامنے دو لڑکیوں کی اُبر درازی ہو رہی ہے۔ ہمیں غلامی ثابت کرنا ہے کہ اس صورت حال میں اسلام کا حکم کیا ہے۔۔۔ میں تم تینوں سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ تم ان لڑکیوں کی خاطر اپنی بیٹیاں قربان کر دو گے۔ میں تمہارے ساتھ تہوں۔“

عالم چل پڑا۔ اُس نے اپنے تین ساتھیوں سے کہا کہ جذبات میں آکر جلد بازی

ہندوؤں نے لاشوں کی تلاشی لی تو انہیں اپنا سونا اور رقم مل گئی۔ عالم نے ان سے پوچھا کہ اتنی دولت باس ہوتے ہوئے وہ پیدل کیوں آئے ہیں کیا وہ گھوڑے یا اونٹ یا بکریں خرید نہیں سکتے تھے؟ ہندوؤں نے بتایا کہ بھیرو سے کسی کو بائرنہیں آنے دے رہے تھے۔ وہ سارا کتبہ ایک ایک فرد چھپ چھپا کر باہر بیٹھے اور شہر سے دُور آکر اکٹھے ہوئے تھے۔

”تم ہماری حفاظت میں ہو۔“ عالم نے انہیں کہا۔ ”کیونکہ ہم تمہیں واپس بھیرو لے چلتے ہیں کیونکہ تم ان تک نہیں اپنی حفاظت میں پہنچا دیتے ہیں۔“
 بوزھ نے ہندوؤں کو سنا اور کچھ رقم عالم کے آگے رکھ کر کہا: ”ہم خود پٹان بننے جائیں گے ہمیں گھوڑے اور اونٹ مل گئے ہیں۔ آپ برنزار قبول کریں؟“
 ”کیا تم نے ہمیں کرائے کے قائل سمجھ لیا ہے؟“ عالم نے بخشنے سے گرج کر کہا۔
 ”انٹالو اگر ہم اس کے لاکھ میں ہونے تو تم نے تو اسے تو اس کی نوک پر یہ دولت لے سکتے تھے۔۔۔ آج رات آرام کرو ہم ہماری حفاظت کریں گے۔ اس لڑکی کو جسے پرے صبار اس کا جسم خون میں ڈوبا ہوا ہے۔“

ہندوؤں کو ایسے سلوک کی توقع نہیں تھی۔ دونوں لڑکیاں اپنے بھائی کے ساتھ چلتے پرچلی گئیں۔ عالم نے بوزھ سے پوچھا کہ بھیرو کے حالات کیسے ہیں۔ بوزھ نے بتایا کہ بھیرو کے باہر بڑی خونریز جنگ ہوئی ہے۔ راجہ کی رائے نے خودکشی کر لی ہے اور دونوں فوجوں کا نقصان اتنا زیادہ ہوا ہے کہ آدھی آدھی نفری ماری گئی ہے۔ بوزھ نے یہ بھی بتایا کہ سلاہوں کی فوج اتنی تھوڑی رہ گئی ہے کہ اگر کسی طرف سے بھیرو پر حملہ ہو جائے تو سلطان کو بھیرو کو اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکے گا۔
 ”حملہ کون کر سکتا ہے؟“ عالم نے پوچھا۔

”راجہ اندھالی۔“ بوزھ نے کہا۔ ”لیکن سنا ہے کہ اندھالی لاہور میں نہیں ہے۔ اُس نے پشاور کے قریب کہیں سلطان محمد کو روکنے کی کوشش کی تھی لیکن مسلمانوں نے دیکھا کہ اسے اندھالی کو ایسا گھیرے میں لیا کہ وہ بڑی شکل سے اپنی جان بچا کر نکل

ذکر کریں۔ پہلے دیکھیں گے کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ وہ تربت یا فوجی محکمہ ہو سکتے ہیں۔۔۔ وہ وہیں پائل بن گئے۔ وہ جگہ کچھ دُور تھی۔ آگے جان آگئی یہاں زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سے گھوم کر عالم نے اسٹ سے دیکھا۔ وہ مشعلیں چل رہی تھیں بڑی دیر میں نے ہلکا ہلکا رکھا تھا۔ وہ گھاس پر بیٹھے تھے مگر نہ تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پیالے تھے۔ دونوں لڑکیاں باطل برسرِ تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں مرا جیاں تھیں۔ یہ مرا جیاں اور شراب قراہلی اپنے ساتھ لائے تھے۔

لڑکیاں ان کے پیالوں میں شراب ڈالتی تھیں۔ کبھی ایک قراہلی ایک لڑکی کو پینے اور گرائی کبھی دوسرا۔ وہ لڑکیوں کے ساتھ انتہائی بیودہ چھڑ خانی کر رہے تھے۔ عالم اور اس کے ساتھی اسٹ سے دیکھتے رہے۔ قراہلی ہنسی مذاق اور چھڑ خانی میں زیادہ پرتی گئے تھے۔ قراہلی کا مذاق اٹھا اور اُس نے پڑے اندر دیئے۔ وہ اتنی زیادہ پئے ہوئے تھے کہ پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے ایک لڑکی کو بازوؤں میں لیا اور اسے گھاس پر گرادیا۔

”لوٹ پڑو۔“ عالم نے کہا۔

عالم کے ساتھی اتنی تیزی سے چھپے کہ قراہلیوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ شراب نے بھی انہیں مقلے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا۔ قراہلی کا مذاق کی گروں تو عالم کی توار کے ایک ہی دار سے الگ جا پڑی جس لڑکی کو اس قراہلی نے نیچے گر کر رکھا تھا۔ وہ سیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ قراہلی کے خون نے اسے سٹلایا۔ باقی تین کو بھی ختم کر دیا گیا۔

بے ہوش لڑکی کے اوپر پانی پھینکا گیا تب ہوش میں آئی۔ دونوں سے کہا گیا کہ وہ کپڑے پہن لیں۔ خونریز لڑکی کا یہ عالم تھا کہ ان کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ انہیں ڈر تھا کہ چار وحشیوں سے کچھ کروہ دوسرے چار وحشیوں کے قبضے میں آگئی ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد انہیں بہ چل گیا کہ یہ وحشی نہیں ہیں۔ عالم نے دونوں ہندوؤں سے کہا کہ وہ ان سے جوئے آدمیوں کے سامان پر قبضہ کریں اور اسے اپنا سامان سمجھیں۔ ان کے گھوڑے اور اونٹ بھی لے لیں اور ان سے اپنا سونا اور رقم بھی برآمد کر لیں۔

”کیا تم نے انہیں بتایا میں تمہارا قلم قرامطوں کو دوست سمجھ کر طمان جا رہے ہو؟“
عالم نے پوچھا۔

”بتایا تھا۔“ بڑھے بندو کے منہ سے نکل گیا۔ اسی لیے انہوں نے ہماری
جان بخشی کر دی تھی۔ کہتے تھے تم طمان بنو۔“

”اگر تم صحیح بات بتا دو گے تو بھی ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“ عالم نے
کہا۔ ”ہمارا بادشاہوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہم تاجر ہیں۔“

”آپ لوگوں نے ہم پر واقعی احسان کیا ہے۔“ بڑھے بندو نے کہا۔ ”آپ ہمیں
قتل کر سکتے تھے مگر آپ نے ہماری مدد کی۔ آپ نے ہمارا اٹھانچہ بچل نہیں کیا۔ اگر
آپ ہمارے منہ سے سچ سن کر خوش ہو سکتے ہیں تو مجھے خوشی ہوگی کہ میں نے آپ کو
احسان کے بدلے میں کچھ دیا۔ میں ان میں سے کسی کا بھی باپ نہیں۔ یہ آدمی ابن (دیکھو)
کا بھائی نہیں۔ یہ عورت ابن (دیکھو) کی نوکرانی ہے جو ان کے ساتھ طمان جا رہی ہے۔“
”اور تم کسی خاص مقصد کے لیے طمان جا رہے ہو؟“ عالم نے کہا۔ ”ہم مکمل
اور سچی بات سننا چاہتے ہیں۔“

”اب! بندو نے کہا۔“ ہم طمان کے والی دادو بن نصر قرامطی کے پاس یہ پیغام لے کر جا
رہے ہیں کہ گمناموں کی پاس فوج کی کمی ہے اور دادو بن نصر فوراً کریمہ کو محاصرے
میں لے لے کر بھجور کو نہیں بچا سکے گا۔ اس کے پاس راجہ کی رائے کی فوج کے کم و بیش
تین ہزار جنگی قیدی ہیں جنہیں وہ غلاموں کی طرح استعمال کر رہا ہے۔ ان قیدیوں سے
بہت سے کام لیے جا رہے ہیں۔ اگر دادو بن نصر کریمہ کو محاصرے میں لے لے تو یہ بندو
جنگی قیدی شہر کے اندر باقی ہو کر مسلمان فوج کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔“
”تمہیں کس نے بھیجا ہے؟“

”جس طرح تازہ فوج کے سالار جوتے ہیں، اسی طرح ہماری فوج کے سالار
ہوتے ہیں۔“ بڑھے نے کہا۔ ”راجہ کی رائے کی زیادہ تر فوج ماری گئی ہے۔ باقی مسلمان
کی قید میں ہے اور کچھ ادھر ادھر بھاگ گئی ہے۔ چند ایک اعلیٰ عہدیدار زندہ بچ گئے ہیں۔“

بھلا۔ ہم نے سنا ہے کہ لاہور میں راجہ اند پال کا نوجوان بیٹا سکھ پال ہے۔ وہ شاید بھجور
پر حملہ کر دے۔“ بڑھے نے ذرا سا خاموش رہ کر عالم سے پوچھا۔ ”آپ لوگ کہاں
سے آ رہے ہیں؟“

”طمان سے۔۔۔ ہم طمان کے رہنے والے ہیں۔“

”پھر آپ قرامطی مسلمان ہوں گے۔“ بڑھے ہندو نے کہا۔ ”آپ ہمارے
دوست ہیں۔“

”ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔“ عالم نے کہا۔ ”ہم قرامطی نہیں۔ ہم بات کر دوا
ہم سے دوست۔“

عالم نے اس بندو کو غور سے دیکھا۔ پھر اس عورت کو دیکھا جسے وہ اپنی بیوی کہتا
تھا۔ اسے میں دونوں لڑکیاں بنا کر آگئیں۔ عالم نے انہیں گہری نظروں سے دیکھا۔
ابن کا منہ دھل کر کھنکھرایا تھا۔ عالم نے اس جوان آدمی کو دیکھا جو اپنے آپ کو ان لڑکیوں
کا بھائی کہتا تھا۔ ان سب میں وہ بھرپور شہسختہ نہیں تھی۔ لڑکیاں شہزادیاں لگی تھیں اور
ان کی ماں ان کی خاور۔ بڑھا اور جوان آدمی گہرے سانسے رنگ کے تھے اور لڑکیوں
کے رنگ گورے تھے۔

”یہ جو چار آدمی مرے پرے ہیں، انہوں نے تم دونوں کو بھاگ جانے کی اجازت
دے دی تھی۔“ عالم نے دونوں ہندوؤں سے کہا۔ ”تم تمہیں بھاگے نہیں دیں گے۔
ان لوگوں کے سامنے تمہیں قتل کر دیں گے۔ پھر ان لڑکیوں کو بھاگ کرے جائیں گے۔“
اس عورت کو اس جنگی بیباک نے کسی دندے کا شکار ہونے کے لیے جھوڑ جائیں گے۔
پہلے دھوکہ دینے کی سوجھ بوجھ بتا دیتا۔ آپس میں کیا رشتہ ہے۔ یہ آدمی ان لڑکیوں کا بھائی
نہیں۔ یہ عورت ان کی ماں نہیں اور تم ان کے باپ نہیں۔ ہندوؤں والی ذہنیت کو الگ
رکھ دو۔ ہم نے تم پر جو احسان کیا ہے، اسے مست بھولو۔ ہم نے تمہیں مدد اور منزل تک
حفاظت کی بیش کش کی ہے اور تم جھوٹے لول رہے ہو۔“
”دونوں بندو خاموشی سے سنتے رہے۔“

اسلام پھیل جائیگا جس طرح محمد بن قاسم کے دور میں پھیلا تھا۔ ہند۔۔۔ برہمنوں کے دوسرے
میں ہی رہتے ہیں کہ مسلمان قاتل صرف ہائرینس بلکہ برہمنوں کا فرض ہے۔ اور اسلام کا خاتمہ
مذہبی فرقہ پرستی ہے۔۔۔۔۔ آپ مسلمان ہیں۔ آپ کو میری باتیں اچھی نہیں لگی ہوں گی لیکن آپ
نے مجھے سنی باتیں اچھے لگنا ہے۔ اب ہم آپ کے رحم و کرم پر ہیں۔ آپ چاہیں تو ہمیں
قتل کر دیں، چاہیں تو جانے کی اجازت دے دیں۔

یہ دونوں ہندو فوجی نہیں تھے۔ مذہبی جنون میں لڑکیوں اور زردو دولت کے ساتھ
بھروسے بغل آئے تھے۔ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ راتے میں کیسے کیسے خطرے ہیں۔ اگر
تریت یا ذہن فوجی ہوئے تو اتنا زور لگے کہ اپنا قیمتی راز دے دیتے عالم نے اہلیں کھلی دی
اور کہا کہ وہ بے خوف ہو کر سو جائیں۔ عالم کے آدمی سپرد دیتے رہیں گے۔

ایک آدمی کو سپرد ہو کر اگر کے عالم اپنے دونسا تھیں کو سپرد لے گیا اور وہاں
مسلے پر بکٹ مہلتہ کرنے لگے کہ ان ہندوؤں کو قتل جانے دیا جائے یا انہیں واپس
بھروسے چلیں۔ اس پر بھی انہوں نے غور کیا کہ انہیں قتل جانے دیں اور عالم اور اس کے
ساتھی ذرا بھروسہ چلیں اور سلطان کو کوثر دار کر دیں اور یہ بھی اسے بتائیں کہ منسلک اور
مچھروں کی تلاش لے کر کئی راتے چھپے ہوئے فوجیوں کو پکڑ لیا جائے۔

گزشتہ رات دو قراصلی عدویش کو بائدہ کرمان لے گئے تھے۔ وہ اس قیدی تیر گئے تھے
کہ ان کے پچھلے پہر قتل ہوئے اور انہوں نے درویش کو داد کے سلسلے لے جا کر تیار
کر رہے وہ قاتل جس نے سُرنگ میں ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اس
سے یہ راز کس طرح منہ سے نکالا تھا۔ اور اسے کس طرح یہ بل تک لائے ہیں۔ داد و بن نصر
کو جب یہ بتایا کہ اس کے ساتھ بڑھا عالم اور زمین جو ان آدمی بھی تھے اور یہ سب بھروسہ جا
رہے تھے تو وہ اوپر نصر نے غصے سے گرج کر کہا۔ تو انہیں بھی کیوں نہیں لائے؟

”گناہ دار کا یہی حکم تھا۔ ایک نے کہا۔ اُس کے ساتھی ہمارے آدمیوں کے ساتھ بھروسہ
جا رہے ہیں۔“

داد و بن نصر نے حکم دیا کہ دس بارہ سو اور فزوان کے ساتھ دزداد اور اس آدمی کے
ساتھ کیوں کو پکڑ لاؤ۔۔۔۔۔ حکم کی تعمیل بلا تاخیر ہوئی۔ بارہ تیر رفتار سو اور ان دو آدمیوں کے ساتھ

ان میں سے کچھ لاہور چلے گئے ہیں اور دوسرے بھروسہ کے مندر میں چھپے ہوئے ہیں میں
بکری راتے کے راج دربار کا عہدہ دار ہوں۔ میں بھی شکست کے بعد مندر میں جا چھا تھا۔
سلطان محمود نے حکم دیا کہ کسی ہندو کو یرنشان نہ کیا جائے اور کسی ہندو گھرانے میں
کوئی مسلمان داخل نہ ہو۔ اس حکم کی وجہ سے ہم محفوظ رہ گئے۔۔۔۔۔

”مند میں ہماری فوج کے جو اعلیٰ حکام چھپے ہوئے تھے، انہوں نے سرخوڑے
اور فیصلہ کیا کہ داد و قراصلی تک اطلاع بھجوائی جائے کہ وہ بھروسہ پر فزادہ کر دے۔ ایسا
یہ پیغام لاہور راجہ اندپال کے لیے بھی بھیجا گیا ہے لیکن اوہر سے حملے کی توقع نہیں کیو
کہ راجہ اندپال وہاں نہیں۔ داد و بن نصر کو سب راجے جانتے ہیں کہ عیاش آدمی ہے۔ اس
کے ساتھ ہندو راجے حسین لڑکیوں اور زردو جہا ہرات کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ اس
کے سلطان فوجی خاکوں نے ان دو لڑکیوں کا انتخاب کیا۔ یہ دونوں راج محل کی لڑکیاں ہیں۔
یہ بھی ایک ہندو گھر میں چھپی ہوئی تھیں۔ انہیں ہلا کر بھیجا گیا کہ انہیں داد و کے اہل تحفے
کے طور پر بھیجا جا رہے اور داد و کو بھروسہ پر حملے کے لیے تیار کرنا ہے۔ ان کے علاوہ یہ
سونا اور ترقی بھی داد و کے لیے جاری ہے۔ ہمارے پاس اور بھی سونا ہے جو ان سے جوئے
آدمیوں کو نظر میں آیا۔۔۔۔۔ آپ سے ایک بار پھر کتا ہوں کہ میں آپ کو جو سونا اور
رقم پیش کر رہا ہوں۔ یہ آپ لے لیں۔“

”اور میں تمہیں ایک بار پھر کتا ہوں کہ میرے سامنے سونے اور رقم کا بار بار نام نہ لو۔“
”میں نے پتہ لگا دیا۔ ہمیں سے کسی کو ان چیزوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ عالم نے اس کے سینے
سے پوری بات سنانے کے لیے کہا۔ اور جرات تمہیں سامنے ہو جائیں اس کے ساتھ
بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی صرف یہ کہ ہم نے تم سب کو اپنی شاہ میں لیلے تو نہیں حفاظت
سے قتل پینا دیں۔۔۔۔۔ ہمارے فوجی پاسوں نے راجہ کے سامنے جانے کے بعد اور
بھروسہ پر سلطان کو کوثر کا قبضہ ہو جانے کے بعد بھی شکست تسلیم نہیں کی۔“

”ہندوؤں نے اسے مذہبی مسئلہ بنا رکھا ہے۔“ اُس نے کہا۔ وہ کہتے ہیں کہ محمود
غزنوی کے پاؤں یہاں چب گئے تو منہ درست ختم ہو جائیگا اور اس لک میں ایک بار پھر اسی طرح

سواروں نے بستر دیکھے اور ایک سوار بولا۔ ”بستر زیادہ ہیں اور ان کی تعداد کم ہے۔ ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔“
 ”ان لڑکیوں کو برہنہ کر دو۔“ کمانڈر نے حکم دیا۔ اور اس عورت کے بھی کپڑے اتار دو۔ ان آدمیوں کو گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر گھوڑے دوڑا دو۔ نشان پسینے تک ان کی صرف ہڈیاں رہ جائیں گی۔ لڑکیوں کو ذرا پر سے بے جاؤ، ان کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔“

لڑکیوں نے چوہ سواروں کو دیکھا۔ تین چار سوار انہیں برہنہ کرنے کو بڑے لڑکیوں کی جنہیں نگلیں تھیں۔ وہ لوہند و سردوں نے عالم اور اس کے ساتھیوں کے متعلق کچھ بھی نہ بتایا۔ وہ احسان کا بدلہ چکا رہے تھے۔ جب سوار لڑکیوں کی طرف لپکے تو بھی وہ خاکوش رہے۔ ایک طرف سے آواز آئی۔ لڑکیوں کو ہاتھ نہ لگانا۔ ہمیں کپڑوں پر ان چاروں کے قاتل ہم ہیں۔“

یہ عالم کی آواز تھی۔ وہ سامنے آگیا۔ اس کے ساتھ اُس کے تین ساتھی تھے۔ اُس نے کہا۔ ”ان لڑکیوں کو پریشان نہ کرنا۔ ہمیں اپنے حاکم کے پاس پہنچو۔ ہمیں جو کچھ کسٹھ ہے نشان کے دربار میں کہیں گے۔“

نشان کے دربار میں درویش موت کے منہ میں کھڑا تھا۔ داؤد بن نصر خود اُس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ سُرنگ میں کس طرح داخل ہوا تھا۔ ادا اُس نے اس آدمی کو کہیں قتل کیا تھا۔ ”یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حاکم نشان داؤد بن نصر کے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں کر وہ جنات اور مرے جو قتل کی اطلاع کو حاضر کر سکے۔“ عدیش نے پوری دلیری سے کہا۔ ”اور میں نے سُرنگ میں اُس آدمی کو قتل کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس جہلی میں جنات بھی نہیں، ارواح بھی نہیں اور قرآنی فرقہ باطل کا علمبردار ہے۔“

داؤد بن نصر نے اُس کے منہ پر پوری طاقت سے پھینکا مارا اور کہا۔ ”تم ہماری کرامات کو چھلواتے ہو۔۔۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ تمہاری زندگی ہمارے ہاتھ میں ہے، تمہیں ہم سے کون بچا سکتا ہے؟“

مونا دیے گئے جو درویش کو لائے تھے۔ یہ فوج کے گھوڑے تھے۔ وہ جہان کنی رشتہ سے شہر سے نکلے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

رات آدھی گزنی تھی۔ عالم اور اُس کے دو ساتھی سو گئے تھے۔ عیسرا آدمی بندھن پر پہرہ دے رہا تھا۔ اُسے گھوڑوں کے ٹاپ سالی دیئے۔ آواز بتائی تھی کہ گھوڑے بہت سے ہیں۔ اُس نے عالم اور اپنے ساتھیوں کو اور بندھن کو بھی جھلیا۔ عورت اور لڑکیاں بھی جگ اٹھیں۔ عالم نے کہا کہ سب چنان کی ادا میں ہو جائیں۔

گھوڑے بہت تیز آ رہے تھے اور دیر سے ادھر ہی آ رہے تھے۔ اگلے سواروں کے پاس طاقی سولی مشعلیں تھیں۔ وہ اسی رفتار سے اس جگہ سے گزرنے لگے جہاں چلے رہے تھے۔ ان لاشیں بڑی تھیں تو شعلوں کی روشنی میں انہیں لاشیں نظر آئیں۔ گھوڑے اور اونٹ قریب ہی بندھے تھے۔ بولر لگ گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ انہوں نے لاشیں بھی دیکھیں اور لٹکانے لگے۔ ”سامنے آجاؤ اور زخمی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

گھوڑوں اور اونٹوں نے معلوم ہو رہا تھا کہ ان کے مالک یہیں ہیں۔ کوئی جواب نہ ملا تو سوار ادھر ادھر پھیل گئے۔ انہیں لڑکیاں نظر آئیں۔ وہ کپڑی لگیں تو دو نو بندھن سامنے آئے۔ سواروں نے انہیں بتا کر کہ داؤد بن نصر کے فوجی ہیں اور انہیں نشان لے جانے آئے ہیں۔ ان دو آدمیوں نے جو درویش کو پکڑ کر لے گئے تھے سواروں کو بتا کر یہ کوئی اور ہیں ہم جنہیں پکڑنے آئے ہیں ان کے ساتھ کوئی لڑکی نہیں تھی۔

”انہیں کس نے قتل کیا ہے؟“ ایک سوار نے بندھن سے پوچھا۔
 ”ہمیں معلوم نہیں۔“ لوڑھے ہندو نے جواب دیا۔ ہم بھروسے آ رہے ہیں اور داؤد بن نصر کے لیے ایک ضروری پیغام لے کے جا رہے ہیں۔ ہم یہاں پڑاؤ کے لیے رُکے۔ لاشیں پہلے ہی یہاں پڑی ہوئی تھیں۔“

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔ سواروں کے کمانڈر نے کہا۔ کیا پیغام لے کر جا رہے ہو؟“
 ”ہمیں طاقی سے چلو۔“ لوڑھے ہندو نے کہا۔ ”پیغام ایسا ہے جو صرف تمہارے حاکم کو دیا جائے گا۔“

تم نے خدا کے بندوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لیے خدا کے مذہب کو عرب بناد رکھا ہے۔
میں نے تمہارا مذہب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ خدا تمہیں اس بارگاہِ بخشے قاضی میں
اور دینِ نصر جہانک گر جائے گا۔ لے جاؤ اسے فخر خانے میں بند کرو۔
درویش کو گھسیٹ کر لے گئے۔ درویش جوں جوں دور ہوتا جا رہا تھا اس کی آواز
داؤد کے قریب آتی جا رہی تھی۔

”داؤد اتیری میخیری پر کان کرنے والی ہے داؤد! تم خدا کی آواز کو قید میں کر سکتے
اور مالی جاد مجھے اجازت دینا نہیں اس بدبخت کی آواز کو بند کرنے کے لیے خاموش کر
دوں۔“ ایک درباری نے داؤد بن نصر کو خاموش کھڑے دیکھ کر کہا۔ ”میں جہاں
ہوں کہ آپ قراصلی سند کی تو دیکھیں، طرہ برداشت کر رہے ہیں۔“

”قمان کی آستین میں سانپ پل رہے ہیں۔ داؤد نے کہا۔ اس نے طلب کرنا ہے
کہ وہ کہاں اور کون کون ہیں۔ اسے ہم نہیں اپنے اتھن ختم کر سکتے تھے لیکن اس کی بھلی ضرورت
ہے۔“ اس کے ساتھ جو لوگ تھے۔ وہ شاید کڑے جائیں گے۔“ درباری نے کہا۔

”کیس غائب ہو گئے ہوں۔ داؤد بن نصر نے کہا۔ مجھے ان سے زیادہ خوفزدہ
لاٹیاں آ رہی ہیں۔ بھیرو سے جلدی اٹھانے لگی جائے گی کہ وہ کارادہ کیا ہے۔ ہم نے اسے
اُس کے ایک سالار کے ذریعے دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی لیکن اٹھانے لگی ہے کہ یہ
سالار اپنی تلوار سے مارا گیا ہے اور ہزار دھوکہ لاکام ہو گیا ہے۔ راجگی رائے دھوکے
میں مارا گیا ہے۔ محمود غزنوی کو خدا نے اگر فوج کھڑی دی ہے تو دماغ بہت زیادہ
دیا ہے۔ ہندوستان میں فوج کی کمی نہیں، دماغ کی کمی ہے۔“

سلطان محمود غزنوی اپنی فوج کی کمی کو بڑی طرح محسوس کر رہا تھا۔ اُس کا کام بھیرو فتح
کرنے پر ختم نہیں ہوگا۔ تھا بلکہ اصل کام یہیں سے شروع ہونی چاہی۔ اُس میں ملک بڑی کی
جو سی نہیں تھی۔ اُس کا مقصد زردجواہرات اکٹھے کر کے غزنوی لے جانا بھی نہیں تھا۔
ہندوستان کا یہ پہلا شہر تھا جو اُس نے فتح کیا تھا اور اُس نے پہلے شہر میں ہی سارے

”خدا نے ذوالکھلان۔ درویش نے کہا۔ داؤد! غزنویوں نے خدا کی لادہ کی کیا تھی۔
ان کا انجام دیکھو۔ تیرا انجام اس سے بھی بڑا ہو گا۔ تیرا سورج غروب ہوا ہے۔
داؤد بن نصر نے درویش کے سر پر ایک اور پتھر مارا اور بولا۔ ”ہمارے پاؤں کے
نیچے تمہاری حیثیت ایک چوٹی کی سی ہے۔ تم اتنے بڑے آدمی نہیں کہ ہم تم سے مزہ
لگائیں۔ ہمیں یہ بندہ کرتا رہے ساتھ اور کون ہے اور یہ بھی بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے تھے۔“
”میں اکیلا ہوں۔“ درویش نے کہا۔ ”خدا کے سوا میرا کوئی ساتھی نہیں۔ تمہارے
دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں بھیرو جا رہا تھا لیکن یہ نہیں بتاؤں گا کہ کیوں
پارنا تھا۔“

”تم سلطان محمود غزنوی سے یہ کہنے جا رہے تھے کہ قمان کو ہمارے میں لے کر
قراصلی گدی کو ختم کرے۔ داؤد نے کہا۔“ تم نے ہماری کرامت نہیں دیکھی کہ تم نے
جنگ میں ایک بات کہی اور ہم نے بیان کرنا۔ اگر تم ہمارے سوالوں کے جواب نہیں
دو گے تو بہت بھگت دو گے۔ تمہاری بیویوں سے گوشت آہستہ آہستہ اٹک لیا جائے
گا، پھر تم جیج جیج کر نہیں ہمارے سوالوں کے جواب دو گے مگر ہم نہیں سنیں گے ہم نہیں
آج رات سوچنے کی ہمت دیتے ہیں۔ تیرے خانے میں بیٹھ کر اٹھانے سے سوچو اور کل نہیں
بتاؤ نہ کہ تمہارے ساتھی کون کون ہیں؟ تم شرمگاہ میں کس طرح داخل ہوئے تھے اور
کیا سلطان محمود کے پاس قمان میں جاؤ۔“ وہ وہ کہاں ہیں۔“

”اب سوالوں کے جواب تو میں کل دوں گا۔“ درویش نے کہا۔ ”آج یہ سن لو اور رات
کو میری اس بات پر غور کرتے رہنا کہ تخت و تاج نے کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیا حکومت
کی منہ کے لالچ نے قوموں کو ڈبو دیا ہے۔ انسان تخت پر بیٹھ کر جب سریر تاج جھاتا ہے
تو وہ اپنی ہی قوم کو فریب دینے لگتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ خدا کی ذات بھی موجود
ہے۔ تم جیسے حکمران اپنے تخت کی مضبوطی کے لیے رعایا کو نئے بھانے دیتے ہیں لیکن خدا
کو کوئی جھانسنے نہیں دیا جاسکتا۔ خدا ظالم کی نہیں مظلوم کی ستا ہے اور خدا فریب کار کا نہیں
فریب خوردہ کا ساتھ دیتا ہے۔ تم نے خدا کے یہ مذہب کو بگاڑ کر بغیر لادہ کی کیا ہے۔“

ہمارے مذہبی پیشوا اپنے بادشاہوں اور امرا کی بدکرداری پر مذہب کا روادے لڑے رکھتے ہیں اور بادشاہ اپنا حکم منوانے کے لیے اس پر خدا کے حکم کی مہر ثبت کر دیتے ہیں۔
”قتان کا بادشاہ داؤد بھی اسی مرض کا مریض ہے۔“ مشیر نے کہا۔

یہ باتیں فارسی زبان میں جو رہی تھیں اس لیے پنڈت بھگت کے سلطان محمود نے اپنے ترجمان سے کہا۔ ”ابن ہندوؤں سے کہو کہ تدارے بت اگر پتہ ہیں تو ہمیں کہو کہ تدارے جان و عزت اور اپنے مذہب کی حفاظت کریں۔ اپنے بتوں سے کہو کہ اپنی حفاظت کریں۔ میں ایک گنا جملہ آدمی سے کہتا ہوں کہ تمہارے خدا کو اٹھا کر باہر پھینک دے۔ تم کھڑے دیکھتے رہنا کہ مٹی اور پتھر کا خدا اپنے آپ کو ایک گنا ہمارا انسان سے پی سکتا ہے؟ اور اس انسان کو اس کے گناہوں کی سزا دے سکتا ہے؟“

ترجمان نے جب سلطان محمود غزنوی کی یہ بات ہندوؤں کو ان کی زبان میں کہی تو وہ خاموش کھڑے رہے۔ ان کے چہروں پر کھینا سا اثر تھا۔

”اور میں جانتا ہوں کہ تم لوگ ہندوؤں میں کیسے کیسے گناہ کرتے ہو۔ سلطان محمود نے کہا۔ تمہارے ہاتھوں تمہارے اپنے مذہب کی کمی عورت کی عزت کھو گئی۔ تم نے اسی لیے پتھر کے خدا تراش رکھے ہیں کہ یہ تمہیں کسی گناہ سے روک نہیں سکتے۔ تم اگر میرے پاس جان و مال اور عزت و آبرو کی التجا کرنا آتے تو بھی میں کسی بے گناہ کو قتل اور کسی عورت کو بے آبرو نہ ہونے دیتا کیونکہ یہ میرے خدا کا حکم ہے اور خدا نے میرا ہاتھ رک رکھا ہے۔ میں خدا کے حکم سے آیا ہوں اور میرا فرض خدا کے حکم کا پابند ہے۔“

سلطان محمود نے سر کو جھٹک کر اپنے ترجمان کی طرف دیکھا اور ہندوؤں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”ابن سے پوچھو کہ انہوں نے ہندوؤں میں لڑائی سے پنکے اور بھاگے ہوئے فوجی عہدیداروں کو چھپا کے نہیں رکھا ہوا؟ ان سے کہو کہ یہ بھگت نہیں دلا سکتے ہیں کہ ہندوؤں میں ہماری فوج کو شکست میں بدلنے کی سازشیں نہیں ہو رہی؟“

”نہیں سلطان ہمدان؟“ بڑے پنڈت نے ترجمان کی بات سن کر کہا۔ ”ہم آپ کے غلام ہیں ہندوؤں میں کوئی سازش نہیں ہو رہی۔“
”وہ کہاں ہیں؟“ سلطان محمود نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔ ”انہیں لے آئیں۔“

ہندوستان کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اُس نے مسجدوں پر مندروں کے گناہوں نے ملنے پڑے ہوئے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ بھیر میں مسلمانوں کی آبادی کی کمی تو نہیں تھی لیکن اسلام کا کہیں نشان نظر نہیں آتا تھا۔

اُس کے پاس سب سے پہلے ہندوؤں کا وہ خدا آیا تھا۔ ہندوؤں نے اُس کے کنگے پہلے گھٹنے ٹیکے پھر ماتھے زمین پر گر گئے تھے۔ پشاور کے ہندوؤں نے بھی اُس کے آگے اسی طرح سجدے کئے تھے۔ اب بھیر کے ہندوؤں نے بھی اُس کے آگے ماتھے گر گئے تو سلطان محمود غزنوی اٹھ کھڑا ہوا۔

”کھڑے ہو جاؤ۔“ اُس نے غصے سے کاپٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں خدا نہیں۔ میں نے اس شہر پر قبضہ کیا ہے۔ شہر کے انسانوں پر نہیں۔ ہمارے مذہب میں سجدہ صرف خدا کے آگے کیا جاتا ہے۔ تم لوگ مجھے گناہگار کر رہے ہو۔۔۔۔۔ اپنا مطلب بیان کرو۔“
”ہم جان کی سلامتی اور مندروں کی حرمت مانگتے آئے ہیں۔“ پنڈت نے اٹھ بھڑ کر کہا۔

”کیا تم اپنے مندروں کی ویسی ہی حرمت چاہتے ہو جیسی تم مسجدوں کی کرتے رہے ہو؟“ سلطان محمود نے کہا۔ ”کیا یہاں کے ہندوؤں کی ویسی ہی عزت چاہتے ہو جیسی تم مسلمانوں کی کرتے رہے ہو؟ تمہارے راجہ کے اس محل میں اتنی ہندو لڑکیاں نہیں تھیں جتنی مسلمان لڑکیاں تھیں۔ انہیں زبردستی راج محل میں رکھا گیا تھا۔ اگر تم پنڈت لوگ مذہب کے پابند ہوتے تو اس شہر کی بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کرتے۔“

”ہم مجبور تھے سلطان ہمدان؟“ بڑے پنڈت نے کہا۔ ”ہمارے دیس میں ہمارا جہاں کا حکم مذہب کے حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔“

”تمہارے دیس میں مذہب ہمدان کا غلام ہے۔“ سلطان محمود نے کہا۔ ”اور تم جو اپنے مذہب کے پیشوا اور پادشاہ ہو۔ اپنا مذہب ہمدان کے قدموں میں رکھ دیتے ہو۔“ سلطان محمود نے اپنے ترجمان سے توجہ بنا کر اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک فوجی مشیر سے کہا۔ ”ہمارے مسلمان بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں میں بھی یہی غرابی پیدا ہو گئی ہے۔“

لاہور کے راستے پہنچا گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد دو آدمی اندر ملے جن کے اٹھ رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔

”انہیں پہچانتے ہو؟“ سلطان محمود نے پندتوں سے پوچھا اور دونوں قیدیوں کے پاس۔

”ہاں جی، یہ وہی ہیں جو لاہور کے راستے پہنچے تھے۔“ ایک قیدی نے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ انہوں نے ہمارا جہانگیر کے لیے پیغام دیا تھا کہ بھیر میں مسلمانوں کی فوج بہت تھوڑی ہے۔ فوراً حملہ کرو اور راجہ کی رائے کی شکست کا انتقام لو۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمدی فوج کے جو ہزاروں قیدی سلطان محمود کے پاس ہیں بدھ

”اور انہیں میری فوج نے راستے میں مشکوک حالت میں پکڑ لیا۔“ سلطان محمود نے کہا۔

”ان دونوں قیدیوں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے اسی قسم کا پیغام ملتان وادوں کو بھیجا ہے۔ تم میرے پاس جان بخشی کے لیے آئے ہو۔۔۔ غور سے سوچو جن کو خدا ماننے والو! یہ ماں کے انسان میری فوج کے طوفان کو نہیں روک سکے۔ اپنے بتوں سے کمزوری فوج کو شکست دے دیں، لیکن جس طرح تم تیار اور چھوٹے ہو، اسی طرح تمہارے بنائے ہوئے خدا چھوٹے ہیں میں تمہیں صرف یہ رہایت دیتا ہوں کہ اپنے بہت اٹھاؤ اور اس شہر سے نکل جاؤ۔ اگر رُکے رہو گے تو میں یہ بہت ہندو قیدیوں کے اٹھوں تڑواؤں گا۔ اگر تم وہ مذہب قبول کر لو جو میں اپنے ساتھ لایا ہوں تو باقی زندگی سکون سے گزار سکو گے۔ تم جہاں لذت کے عادی رہے ہو، روحانی لذت کا ذائقہ بھی چکھو۔“ اپنے آپ کو پختہ خدا کی نعمتوں سے مالا مال کرلو۔ جو اس بات میں وہ بات نہیں جو اللہ کی نعمتوں میں ہے۔۔۔ جاؤ اور سوچو اور مجھے جواب دو۔

وہ پہلے گئے تو سلطان محمود کے ایک عالم نے کہا۔ سلطان! یہ ہندو ہیں، یہ اسلام قبول کرنے نہیں، دھوکہ دیتے آئے تھے۔ یہ جہاں لذتوں کے شہدائے ہیں حکومت احمد شہزاد

کی بیٹھائی کو یہ صرف اپنا حق اور دینہ بنائے بیٹھنے میں کیونکہ یہ برہمن ہیں۔ ان کے دلوں میں اسلام کی نفرت بھری ہوئی ہے۔ اور یہ نفرت صرف اس لیے ہے کہ یہ جانتے ہیں کہ اسلام ان کی نجی ذاتوں کا قابل نہیں۔ امیر کو غریب پر اس لیے برتری حاصل نہیں کہ وہ امیر ہے۔ اسلام حکومت کا حق اُسے دیتا ہے جو قوم کی برتری اور اپنے اور اللہ کی عکرائی کو تسلیم کرے۔

یہ عالم سعید اللہ قاسمی تھے جنہوں نے اپنے نام کے ساتھ قاسمی کا اضافہ نہیں قاسم کی قدرتِ مہدی کے اظہار کے لیے رکھا تھا۔ اُس وقت کی بعض کچھ بھی تحریریں ہیں ایک مولوی سید کا ذکر آتا ہے، ایک تحریر میں سعید اللہ بھی لکھا ہے۔ یہ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ سلطان محمود ظاہر کا قہر مان تھا۔ اُس نے بھیر، فتح کیا تو سعید اللہ قاسمی اُس سے ملے بھیر آئے تھے۔

”ہم نے اس خطے میں قاسمی مسلمانوں کا ایک گروہ بنا رکھا ہے۔“ مولوی سید قاسمی نے کہا۔ ہم کسی ایسے سلطان یا ایسے مسلمان حملہ آور کی راہ دیکھ رہے تھے جو ہاں محمد بن قاسم کے وہ حکومت کو بحال کر دے۔ ہندو پندتوں اور دیگر برہمنوں نے ہم پر نظر رکھی۔ ہم نے ان سے دوستی بھی کی۔ ان کا صرف یہ مطالبہ تھا کہ ہم اُن کے مذہب کو قبول کریں۔ آپ ان کے بہت تیز تھے ہیں، انہیں اپنے مذہب سے نہیں بنا سکتے۔ ان کے دلوں میں اسلام کی جو نفرت ہے وہ اُس وقت تک نہیں لکھی گی جب تک یہاں ایک کلمی مسلمان موجود ہے۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ ان پندتوں نے آپ پر حملہ کرانے کا اہتمام بھی کیا ہے اور آپ کے سامنے اگر انہیں نے جھوٹ بھی کیا ہے۔ اس فکر میں آپ نے کسی بھی خطے میں اسلامی ریاست بنا لی تو یہ ہندو اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں لگے رہیں گے۔

”اسلامی ریاست کی جڑیں تو ہمارے اپنے بھائی کھوکھلی کر رہے ہیں۔“ سلطان محمود نے کہا۔ میں یہاں آگیا ہوں لیکن میرا وہاں پہنچنے غریب اور بے بنیاد اور بے بنیاد ہے۔ اسلامی سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بنی ہوئی ہے۔ یہ ریاست کا حکمران اپنے آپ کو ساری دنیا کا بادشاہ سمجھتا ہے۔ ہم خارجی لڑکے ہیں جس فوج کو باطل کے بہت توڑنے تھے، وہ ایک دوسرے کا سر توڑنے میں لگی رہی اور مرکز پر جو گئی ہے۔ اگر ان ریاستوں کی فوجیں متحد ہو جائیں

قیدی بھی تھے جن کے ہاتھ زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا تھا جسے
مٹان کے لوگ جانتے تھے کہ عالم فاضل ہے۔ تین قیدی جو ان سال تھے۔ مٹان کے بعض لوگ
انہیں بھی پہچانتے تھے۔ ان چاروں کو جانتے پہچانتے واسے چران و پزیر شان ہو گئے کہ
انہیں کس جرم میں اور کہاں سے گرفتار کیا گیا ہے۔ عالم کوئی جرم نہیں کر سکتا۔ عالم ہونے کی
وجہ سے بعض قراصلی بھی اس کا احترام کرتے تھے۔

”انہوں نے کیا کیا ہے؟“ کسی تباہی نے گھوڑ سواروں سے بلند آواز میں پوچھا۔
”قتل.... یہ قاتل ہیں“

”انہوں نے کسے قتل کیا ہے؟“
”فوج کے سواروں کو“

”ہم نے اسلام کے غداروں اور لاکھوں کو قتل کیا ہے۔“ عالم نے بی بی ہند آواز
نیسے نکلی۔

”ہم نے ان لڑکیوں کی عصمت پر حملہ کرنے والے چار قراصلیوں کو قتل کیا ہے۔“
ایک چار سال قیدی نے کہا۔

”زبانی بند رکھو۔“ ایک سوار نے گرج کر کہا۔

”تم خدا کی آواز کو خاموش نہیں کر سکتے۔“ ایک اور جو ان سال قیدی نے فوجیوں
کے انداز سے کہا۔

گھوڑ سواروں نے انہیں گھینٹا شروع کر دیا۔

داؤد بن نصر کو دو المامیں دی گئیں۔ ایک یہ کہ عدویش کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے
لے آئے ہیں اور دوسری اطلاع یہ کہ اپنے چار سوار بھیرہ جا رہے تھے، وہ ردیش
کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُسے یہ بھی بتایا گیا کہ بھیرے
دو ہندو کو لے کر آئے ہیں۔ داؤد نے سب سے پہلے ہندوؤں کو بلایا۔

ہندوؤں نے دو نو لڑکیاں داؤد کو پیش کیں۔ پھر چڑے کی ایک خوشنما تھیلی اُس کے
قدموں میں خالی کی۔ داؤد کبھی لڑکیوں کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنے قدموں میں رکھتے ہوئے

تو ہم سارے ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنا سکتے ہیں۔ مگر بھینس اس اطلاع کا منتظر رہا
ہوں کہ میرے کسی سلطان پڑوسی نے غنی پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ لوگ اپنا ایمان اسلام کر چکے ہیں جنہیں
ہمارے رسول صلعم نے سرفروشی بننے کو کہا تھا وہ ایمان فروشی ہو گئے ہیں۔
”آپ یہاں رہیں یا نہ رہیں، ہم یہ ہم جاری رکھیں گے کہ یہاں ہندو کی سلطان کا ایمان
فرید کیسے“۔ مولوی سعید اللہ نے کہا۔

”سب سے بڑا ایمان فروشی تو مٹان کی گدھی پر بیٹھا ہے۔“ سلطان محمود نے کہا
”اُس نے اپنی قوم کے ایمان کی منڈی لگا رکھی ہے۔“

”ہم نے سنا ہے کہ داں ہندو اور قراصلی مل کر شیعہ بازی کر رہے ہیں۔“ مولوی سعید اللہ
نے کہا۔ ”اور لوگ قاتل اور سکھ ہو کر قراصلی بنے جا رہے ہیں۔“

”میں اُس میانی کے دماغ کی تعریف کرتا ہوں جس نے یہ فرقہ بنا لیا ہے۔“ سلطان محمود
نے کہا۔ ”انسانی فطرت گناہ کی طرف جلدی مائل ہوتی ہے۔ ذہنی اور جسمانی لذت کو
انسان جلدی قبول کرتا ہے۔ اس فرستے نے ہر گناہ کو جائز قرار دے رکھا ہے۔ ہندو ہندوؤں
نے اپنا مذہب میں چھوڑا لیکن اس فرستے کی پشت پناہی کر رہے ہیں اور اس کی شیعہ
بازیوں میں پوری طرح شریک ہیں۔ تاکہ مسلمان اس فرستے کے پیروکار بن کر اسلام کے
خاتمے کا باعث بنیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہندو اپنی لڑکیوں کو اسلام کی بی بی اور مسلمانوں
کی گھڑی کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ داؤد قراصلی کو نہ اسلام کے ساتھ دیکھی ہے نہ وہ
اپنے فرستے کا وفادار ہے۔ وہ اپنی گدھی کے ساتھ دیکھی رکھا ہے۔“

یہ اسی دیکھی کا مظاہرہ تھا کہ داؤد بن نصر پر ردویش کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اُس کے
دل میں خوف خدا پیدا نہ ہوا۔ اُس پر ردویش کی باتوں کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ داؤد استساری
پیشبری پر مبنی کرے گی.... تم خدا کی آواز کو قید نہیں کر سکتے۔ حکومت کے منتے نے اُسے
ہمت کر رکھا تھا اور وہ اس ٹیم میں جلتا تھا کہ اُس نے خدا کی آواز کو قید کر رکھا ہے۔

مٹان میں ایک قافلہ داخل ہوا جس میں فوج کے بارہ چودہ سوار تھے۔ ایک بوڑھا اور ایک
جوان ہندو ایک ادھر ضرورت اور دوسری خوبصورت لڑکیاں تھیں، اور اس قافلے میں چار

جانتا تھا کہ داؤد کے خاندان کی تاریخ میں جنگ و جہل کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ سازش
پسند خاندان ہے جسے عیسائیوں نے گتھی پر بٹھایا اور ہندو راجے مارا لے لے
آکر مار بنائے ہوئے ہیں۔ بوڑھا ہندو داؤد کی مکرور رگوں سے واقف تھا۔ بھروسے
اُسے سب کچھ بتا کر بھیجا گیا تھا۔

”حاکم مٹان!۔ بوڑھے ہندو نے ذرا آگے جھٹک کر کہا۔ بھٹکے اور لاہور کی
فوجوں کو آپ کی فوج کے تعاون اور اتحاد کی ضرورت ہے۔ آپ کو یہ تو احساس ہو گا
ہی کہ آپ کی گتھی ہمارے تعاون کی بدولت محفوظ ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ آپ
ہندو راجوں اور مارا جوں کے گھیرے میں ہیں۔ آپ پر کئی حملے کر رہے ہیں اور صرف مالی
اور فوجی امداد بند کر دی جائے تو آپ مٹان کو ہمارے قدموں میں پھینک کر بھاگ جائیں
گے۔ اگر آپ غلہ بھرہ پر فوج کشی نہ کی تو ہم یہ سمجھیں گے کہ آپ ہمارے نہیں غزنی والوں
کے دوست ہیں ہم آپ کی دوستی سے دستبردار ہو جائیں گے اور پورے قریبی فرستے
کو بتائیں گے کہ آپ کی پیغمبری محض شہیدہ بازی ہے۔“

”آپ خود فوجی عہدیدار ہیں!۔ داؤد نے گھبرائے ہوئے سے لہجہ میں کہا۔ میں آپ
کو اپنی فوج دکھاؤں گا۔ آپ خود کہیں گے کہ یہ فوج محاصرے میں لا سکتی ہے، ایک سو
میل دُور جا کر کسی بلند بند شہر کو محاصرے میں لینے کے قابل نہیں کیونکہ تعداد کم ہے۔“
”آپ کو اپنی فوج شہر سے ایک سو میل دُور لے جانی پڑے گی۔ ہم آپ کی فوج کو
اسی لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں کہ تنہا ہی بنے۔ آپ کی فوج سے ہم سلطان محمود کو جھک
دیں گے۔ وہ آپ کی فوج کو دیکھ کر اپنی فوج باہر لے آئے گا۔ آپ کو محاصرہ نہیں کرنے
دے گا کیونکہ اُسے یہ توقع ہو گی کہ وہ آپ کو آسانی سے شکست دے دے گا۔ وہ
جوشی باہر آئے گا، لاہور سے آئی ہوئی مہاراج انند پال کی فوج جو دیہات کے پار چھپی ہوئی
ہو گی، شہر پر قبضہ کر لے گی۔ آپ کا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ سلطان محمود آپ کی امداد پال
کی فوجوں کے درمیان پس جائے گا۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ محمود کو گرفتار کر کے
ہم آپ کے حوالے کر دیں گے۔“

داؤد بن نصر گہری سوتھ میں کھو گیا۔ اُس کی نظر قدموں میں رکھے ہوئے سونے

سونے کے ڈھیر کو دیکھا۔ خوبصورت تو تھیں لیکن اُن کے چہروں پر جو تبسم تھا اور اُن
کا جو انداز تھا، اُس نے داؤد پر نشانہ طاری کر دیا۔ وہ تربیت یافتہ لڑکیاں تھیں۔ انہیں بنا
دیگیا تھا کہ انہیں کس کے پاس اور کیوں بھیجا جا رہا ہے۔

بوڑھے ہندو نے داؤد کو بتایا کہ وہ فوج میں کمانڈر تھا۔ اُس نے کئی راستے کی شکست
کی تفصیل سنائی اور بتایا کہ کس طرح چند ایک فوجی عہدیدار مندر میں محصور ہو گئے تھے۔
غزائے پرتو مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن بہت سی دولت منسلک اور لوگوں کے
گھروں میں پنہاں دی گئی تھی۔

”سلطان محمود نے یہ حکم جاری کر دیا کہ کئی مسلمان فوجی کسی ہندو کے گھر میں داخل نہیں
ہو جائے۔ بوڑھے ہندو نے کہا۔ اُس نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ ہندو اپنے فوجیوں کی لاشیں
اٹھا کر جلا سکتے ہیں اور ختم مل کو ہر ہم نئی کے خیموں تک پہنچا سکتے ہیں۔ بھروسے کے ہندو
کو بندہ توں نے اور ہم نے دہرہ کہ کرا میلان جنگ میں اپنے زخمی اٹھائیں اور مسلمان خیموں
کو قتل کریں۔ انہوں نے بہت سے مسلمان خیموں کو قتل کیا لیکن مسلمانوں کو پتہ چل گیا اور
انہوں نے ہندوؤں کو شہر سے باہر جانے سے روک دیا۔“

”ہم نے دیکھا کہ ہندوؤں کے گھر مسلمانوں سے واقعی محفوظ ہیں تو ہم نے خورق اور سنا اٹھ
لگا چند ایک گھروں میں چھپا دیا۔ بڑے مندر میں یہ فیصلہ بولے کہ آپ کو یہ اطلاع دی
جائے کہ آپ فوراً بھیرہ پر چڑھائی کر دیں تو آپ نہ صرف بھیرہ کو مسلمانوں سے آزاد کرالیں
گے بلکہ آپ سلطان محمود کو قید اور اس کی فوج کو تباہ کر سکتے ہیں۔ وہ تین ہزار ہندو جنگی قیدی
جو مسلمانوں کی بیکار میں گئے ہوئے ہیں، آپ کی مدد کو آجائیں گے اور محاصرے کی صورت
میں شہر میں تباہی پکڑ دیں گے۔“

”لاہور اور بھٹنڈہ بھی سیما آج بھی دیتے تھے۔ وہاں کی فوجیں بھی آجائیں گی۔ آپ
کا کام اور زیادہ آسان ہو جائے گا۔ اگر آپ اپنی باسٹ کی خیریت چاہتے ہیں تو آپ
کو بھیرہ پر فوج کشی کرنی ہو گی۔ آپ کو بھیرہ سے مالی امداد بھی مل جائیگی۔“

داؤد بن نصر انہماک سے سُن رہا تھا۔ اُس نے ابھی کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ یہ ہندو بھیا

” ہمیں دیکھا کہ ہم ان چاروں سے بچ کر ان چار دہائیوں کے جنگل میں آگئے ہیں۔“
 بوڑھے نے کہا۔ لیکن انہوں نے لڑکیوں کو گھر سے پہنچنے کو کہہ دیا۔ ہم نے انعام پیش
 کیا جو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور ہماری حفاظت کے لیے ہم پر سپرہ کھڑا کر دیا۔
 آدھی رات کو بہت سے سوئے ہوئے اور انہیں باندھ کر لے آئے۔“

داؤد نے قیدیوں کی طرف دیکھا تو عالم نے کہا۔ ”ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ آپ
 کے سوا ہیں۔ ہم انہیں ان کی لڑکیوں کی عزت بچانے کے لیے قتل کیا ہے۔“

”اور وہ جو قیدی پہلے لایا گیا ہے، اُس کے ساتھ تیار کیا گیا تعلق ہے۔“ داؤد
 بن نصر نے پوچھا۔ ”ہم بتایا گیا ہے کہ تم بھیرہ سلطان محمود کے پاس جا رہے تھے۔“

”اُس کے ساتھ تیار کوئی تعلق نہیں۔“ عالم نے جواب دیا۔ ”ہم بھیرہ ضرور جا
 رہے تھے لیکن کسی سلطان سے ملنے نہیں سکیں۔ کاروبار کے لیے جا رہے تھے۔ ہمیں تو
 یہ بھی معلوم نہیں کہ سلطان محمود کون ہے اور وہ کہاں ہے۔“

”انہوں نے ہماری جائیں اور ہماری عزت بچائی ہے۔“ بوڑھے ہندو نے کہا۔
 ”انہوں نے آپ کی امانت کی حفاظت کی ہے۔ انہوں نے ہمارا انعام قبول نہیں
 کیا تھا۔ ہم آپ سے انہیں یہ انعام دلانا چاہتے ہیں کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔“

داؤد بن نصر نے لڑکیوں کی طرف دیکھا تو نوٹے باری باری کہا۔ ”اے انہیں چھوڑ
 دیا جائے۔ اگر یہ ان دہائیوں کو قتل نہ کرتے تو...“

”انہیں راکر دو۔“ داؤد نے مسکرا کر حکم دیا۔
 ”عالم اور اُس کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا گیا۔“

دو تین روز بعد۔ وہی حویلی تھی جس میں عالم اور درویش اور اُن کے زمین دوز
 گروہ کے آدھی رات کو اکٹھے ہو کر تے تھے۔ رات ابھی ابھی گہری ہوئی تھی۔ عالم
 اس حویلی میں آچکا تھا۔ اُس کے ساتھ جوین آدھی گرفتار ہوئے تھے، وہ بھی باری باری
 آگئے تھے، پھر دو آدمی اور آگئے۔ ان کا سونو خور اور مسک یہ تھا کہ درویش کو کس طرح رگڑا
 جلتے کسی کو کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی قید خانے سے وہ واقف نہیں تھے۔ گزشتہ دو تین دنوں

پر پڑی۔ اُس نے سر اٹھا کر دونوں لڑکیوں کو دیکھا۔ اُس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ یہ
 تاثر صاف بتا رہا تھا جیسے وہ چاہتا ہو کہ یہ بوڑھا باندہ اور اس کا جوان ساتھی ان لڑکیوں
 کو اُس کے پاس چھوڑ کر نکل جائیں۔

”میرے فوج کو بھیرہ کے لیے کب کوچ کرنا ہو گا۔“ داؤد نے پوچھا۔
 ”آپ تیار ہی شروع کر دیں۔“ بوڑھے نے کہا۔ ”میں واپس بھیرہ جا رہا ہوں وہاں
 ہمیں لاہور اور مظفر کی فوج کی پیش قدمی کی اطلاع ملے گی تو میں آپ کو اطلاع دوں
 گا۔ اس اطلاع کے بعد آپ کو تیار کی حکمت نہیں ملے گی۔ آپ کی فوج تیار کی
 حالت میں رہے۔ رسید نیل گاڑیوں پر لدی رہے۔“

داؤد بن نصر نے مہانوں کی خاطر تواضع کے لیے شراب و کباب لانے کا حکم دیا تو
 اُسے کسی درباری نے یاد دلایا کہ قیدی باہر کھڑے ہیں۔ داؤد نے کھڑکیوں کو پیش کر دیا۔
 قیدی لاسے گئے۔

”میں تمہیں زیادہ بولنے کی حکمت نہیں دوں گا۔“ داؤد نے عالم اور اُس کے ساتھیوں
 سے کہا۔ ”تمہارا ایک ساتھی گرفتار ہو کر ہمارے پاس آچکا ہے۔ اُس نے ایک آدمی
 کو چار کنواریوں کی حویلی میں قتل کیا تھا۔ تم اس کے ساتھی ہو۔ تم نے ہمارے چار بڑے
 ہی تجربہ کار فوجیوں کو قتل کیا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور تم نے انہیں کون قتل کیا ہے؟
 “ اس کا جواب ہم سے نہ ملے گا۔“ بوڑھا باندہ بول پڑا۔ ”اگر یہ اُن چار آدمیوں کو
 قتل نہ کرتے تو نہ یہ ہوتا آپ۔ نہ پاس پہنچتا۔ یہ لڑکیاں ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ آپ
 کی فوج کے آدمی ہیں۔“

بوڑھے نے داؤد کو پوری تفصیل سے سنایا کہ اُن چار آدمیوں نے کس طرح انہیں
 قتل کیا اور ان لڑکیوں کو برہنہ کر کے ان کے ہاتھوں شراب پیتے رہے، پھر ان میں سے
 ایک نے ایک لڑکی کو زمین پر گر لایا۔ اچانک یہ بزرگ اور سیاہی اندھیرے میں سے نکلے
 اور ان چاروں کو قتل کر دیا۔

کس کس کے ساتھ ہیں۔

اس مقصد کے لیے رات کا وقت بہتر سمجھا گیا تھا۔ درویش کا راس جوہلی سے بہت آگے تھا جہاں یہ گروہ بیٹھا کرتا تھا ان میں سے پانچ چھ آدمی دُندے لے کر باہر نکل گئے۔ بھلیاں اور بازار سنان پڑے۔ تھے۔ بھڑکی ہی دُندے لگے ہوں گے کہ انہیں چار پانچ آدمی نظر آئے۔ پانچ چھ آدمی ادھر ادھر چھپ گئے۔ درویش اور فوجی اُن کے قریب سے گزر گئے۔ گروہ کے تمام آدمی اُنھیں ادب بے پادش فوجیوں کے سردوں پر پوری طاقنت سے دُندے مارے۔ بے ہوش کرنے کے لیے سر پر ایکسٹی میزب لائی جوتی بنے۔ اُن کے سردوں پر دو دو تین تین ضربیں لگائی گئیں۔ وہ منہ بیلے لیز میزب ہو کر گر پڑے۔
درویش آزاد تھا لیکن زنجیر میں۔ سب اُسے ساتھ لے کر اندھیرے میں اندھیری جگہوں میں غائب ہو گئے۔

جس روز عالم راہو تھا، اُس نے اُسی روز ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر بھیرہ دہانہ کر دیا تھا کہ قتان میں بھیرہ پڑ چکا ہے گی تیار ہی ہو رہی ہے۔ اور بھیرہ سے قتان پیغام اور تحفے آ رہے ہیں۔ یہ آدمی بھیرہ چلا گیا اور سلطان کو پیغام یا سلطان کے لیے یہ پیغام کوئی نیا نہیں تھا۔ اُس کے جاسوسوں نے دو ہندوؤں کو لاہور کی طرف جلتے ہوئے کراہا تھا۔ انہوں نے بتایا تھا کہ وہ راجہ اندھیا پال کے لیے پیغام لے کے جا رہے ہیں کہ بھیرہ کو محاصرے میں لے لو۔ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ایسے ہی پیغام قتان اور بھندہ بھی بھیجے گئے ہیں۔

سلطان محمود ستیہ کار پر لیا گیا۔ ایک یہ کہ بھیرہ کے دونوں مندوں کی تلاش لی۔ دونوں کی رائے کی فوج کے چند ایک معبود پر کڑے گئے۔ سلطان نے ہندوؤں کو بھی پکڑ لیا۔ پھر شہر کے تمام ہندوؤں کو باہر میدان میں اکٹھا کر کے دونوں مندوں کے بُت اور صورتیاں اُن کے سامنے رکھ دیں۔
”میں نے تم لوگوں کو یہ دکھانے کے لیے بلایا ہے کہ یہ بُت اور یہ تصویریں خدا نہیں

میں انہوں نے کئی طریقے متوجہ کیے۔ تھے۔ قید خانے کی دیوار بھی دیکھی اور کندھیاں کر اور چڑھنے اور قید خانے میں داخل ہونے کا بھی ارادہ کیا تھا۔ اس گروہ کے جوان اور لوجوان رکن جالوں کی اڑی نکالے کے لیے تیار تھے لیکن عالم جانیں ضائع کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ کتا تھا کہ پہلے طریقہ سوچو۔

”کیا آپ لوگوں کو یہ احساس نہیں کہ بہلا یہ بزرگ سا بھتی (درویش) جلاؤ کی تلوار کے نیچے کھڑا ہے؟“ ایک لوجوان نے کہا۔ ”ہم میں سے کسی کی جان چلی بھی گئی تو آپ اسے ضائع ہونا نہ کہیں۔“

”اگر ہم لوگ ناکام ہو گئے تو درویش کو اُسی وقت جلاؤ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ اللہ کے نام پر کر رہے ہیں۔“

دعا سے پردہ تک ہوئی۔ سب اُنھیں اور صحن میں چلے گئے۔ اگر خطرے کی صورت میں پکھیلے دروازے سے نکل جائیں۔ انہیں ہر لمحہ یہ خطرہ نظر آتا تھا کہ درویش اذیتوں سے گھبرا کر سب کی نشان دہی کر دے گا۔ اور اس جوہلی پر چھاپ پڑے گا۔ دو آدمی دروازہ کھولنے گئے۔ دونوں اُتھوں میں خنجر تھے۔ ایک نے دروازے کی زنجیر اتاری اور کواڑ کے نیچے ہو گیا۔ دوسرا دوسرے کواڑ کے نیچے ہو گیا۔ ایک آدمی اندھا آیا اور اُس نے کواڑ بند کر دیے۔ وہ اُن کا پناہ آدمی تھا۔

”یہاں کتنے آدمی ہیں؟“ اُس نے پوچھا
”آٹھ ہیں۔“

وہ سب اُس کمرے میں چلے گئے۔ باقی سب صحن سے کمرے میں آ گئے۔

”فورا باہر آؤ۔“ آنے والے نے کہا۔ ”درویش کو چار فوجی لارہے ہیں۔ وہ بکیروں

میں بندھا ہوا ہے۔ بھلیاں اور بازار خالی ہیں۔ ہم اُسے چھڑا سکتے ہیں۔“

قید خانے میں درویش سے ایک ہی سوال پوچھا جا رہا تھا کہ اُس کے ساتھی کون کون ہیں اور کہاں کہاں رہتے ہیں۔ درویش نے اپنی بی بی یا ایک کرائی گئی کسی کی پشاندہی نہیں کی تھی۔ اُس رات فیصلہ کیا گیا کہ اُسے اُس کے گھر لے جایا جائے اور گھر کی تلاش ہی مل جائے۔ پھر اس کے گھر کی عورتوں کو دہشت زدہ کر کے پوچھا جائے گا کہ اس کے تعلقات

مستقر سے بہت دور تھا۔ اور دشمن کے نہٹے میں بیٹھا تھا۔ صوبت ایسی پیدا ہو گئی تھی جس میں نہ صرف اُس کی فوج کی تباہی یقینی تھی بلکہ اُس کی اپنی جان بھی بچتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے سالاروں پر ایسی سنجیدگی طاری تھی جو متعجب کی صورت بھی اختیار کر جاتی تھی۔

”میں جوائنیں کھیل رہا۔“ سلطان محمود نے ایک روز اپنے سالاروں اور اُن کے نائبوں کو بلا کر کہا۔ ”مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ ہمیں کسی کیفیت اور کتنی خطرناک صورت حال کا سامنا ہے، مگر ہم بھاگیں گے نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ بہت سے زخمی لڑنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ کنگ آجائے گی۔ ہمیں طاق پر فوج کشی کرنی ہے۔ جاسوسوں کی اطلاعیں ہمارے سامنے ہیں۔ طاق کی فوج کو لڑنے کا تجربہ نہیں۔ مگر ہم نے وقت ضائع کیا تو طاق کی فوج ہمیں محاصرے میں لے لے گی اور اند پال اور دوسرے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کی فوجیں بھی آجائیں گی۔ اگر ہم نے طاق پر قبضہ کر لیا تو مال کی فوج ہمارے کام آ سکتی ہے۔ وہ آخر مسلمان ہیں۔“ سلطان محمود نے ایک حکم یہ دیا کہ تمام جنگی قیدیوں کو اس طرح بڑیاں ڈال دی جائیں کہ وہ کام کر سکیں لیکن پورا قدم نہ اٹھا سکیں تاکہ وہ جنگ کی صورت میں آہستہ آہستہ پٹنے کے قابل رہیں اور تیز نہ چل سکیں۔

جس وقت سلطان محمود کنگ کا انتظار کر رہا تھا، اُس وقت بھیرہ کی مسجدیں جو دوران پڑی تھیں اور چھوٹی مسجدیں جو کھنڈر بن چکی تھیں، صاف کر دی گئی تھیں۔ سلطان محمود نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ وہ مسجدوں میں اور ٹوٹیں گھروں میں قرآن ختم کریں اور ہر کوئی نفل پڑھتا رہے۔

انہی دنوں لاہور میں مباراجہ اند پال کے راج دیوار اور راج محل میں زلزلے جیسے جھٹکے محسوس کئے جا رہے تھے۔ پشاور کے راستے میں اند پال نے سلطان محمود کی فوج کو روکنے کی کوشش کی اور وہ منہ کی کھا کر بھاگ گیا تھا۔ مسلمان سواروں نے سوہڑ اور زراہاں تک اُس کا تعاقب کیا تھا۔ اُسے ماہی گیروں نے دیا یا کر دیا۔ مچھڑ

— سلطان محمود غزنوی نے گھوڑے پر سوار ہو کر حرم سے کھاگراں میں خدائی قوت رہے تو انہیں کہہ کر اپنے آپ کو بچا دیں۔ ان کا انجام دیکھو اور اُس خدا کی عبادت کرو۔ جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے اور جس کے ہاتھ میں ہماری زندگی اور ہماری موت ہے۔“

سلطان محمود کے حکم پر رُت توڑ دیئے گئے اور مہرتوں کو آگ لگادی گئی۔ سلطان محمود نے پھر فوج کستہ سی تیز رفتار قاصد پٹا اور کو اس حکم سے ساتھ دڈا دیئے تھے کہ جس قدر تک ہو سکے، پہنچ دو اور مدد کی ضرورت نہیں۔ سلطان ابہر روز کنگ کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ گھوڑوں اور آدمیوں کا زمانہ تھا۔ فاصلے طے کرتے دن اور راتیں گزر جاتی تھیں۔ دیوال میں سے گزرتا پڑتا تھا۔ کنگ کو جس علاقے سے گزرتا تھا، وہ دشمن کا علاقہ تھا۔ راستے میں دشمن سے تصادم کا خطرہ تھا۔ سلطان محمود نے یہ پیغام بھی دیا تھا کہ دشمن سے بچنے کی کوشش کی جائے جو گائیڈ قاصد کے ساتھ بھیجے گئے تھے، انہیں کہا گیا تھا کہ وہ کنگ کو عام راستوں سے دور ہٹا کر لائیں۔

سلطان کی فوج طاقت آ رہی رہ گئی تھی۔ اُسے جانوروں کی ضرورت نہیں تھی۔ راجہ کی رائے کی فوج کے گھوڑے، اونٹ، اچھی اور بیل اور مدد کار یاں کھینچنے والے غامی تعداد میں موجود تھے ضرورت گھوڑ سواروں کی تھی۔ بھیرہ سے گھوڑے سے سلطان مل گئے تھے جو گھوڑ سواروں اور تیغ زنوں کی شوجھ بوجھ رکھتے تھے، اگر دشواری پہنچی کہ چند سال میں سلطان محمود سے تھے اور یہ منفعت کی بنیاد تھے۔ ان پر نظر رکھی جاتی تھی کہ تیغ زنی اور تیر اندازی کما پناشغل نہ بنائیں۔ مسلمانوں کو فوج میں بھی گمراہی لیا جاتا تھا۔ ہندو راجہ بہاراجے اور ہندوستان کی عسکری روح بار رہے تھے۔ مسلمانوں کی کیفیت سلطان محمود کے لیے دشواری پیدا کر رہی تھی۔ وہ یہاں سے فوج کی کمی پوری نہیں کر سکتا تھا۔

بھیرہ میں سلطان محمود کی حالت ایسی تھی جیسے ایک شیر زخموں سے چور شدہ لیلوں کے نہٹے میں آیا ہوا ہوا۔ شیر ان سب کو چیر بھاڑ دینے کو بے تاب ہو۔ سلطان اپنے

دینے والے لاجور میں تھے۔

ان آدمیوں نے سکھ پال کو بھیرہ اور سلطان محمود غزنوی کے متعلق وہی خبر سنا لی جو بڑے ہندو نے داؤد بن نصیر کو سنائی تھی۔ پنجم میں وہی ہدایت تھی جو داؤد بن نصیر کو دی گئی تھی کہ بھیرہ کو محاصرے میں لے لو، محمود غزنوی لڑنے کی حالت میں نہیں۔ سکھ پال نے یہ خبر اپنی ماں کو سنائی تو ماں نے اُسی وقت اپنی فوج کے کمانڈر کو بلایا جسے سینا پتی کہا کرتے تھے۔ اس کا نام راج گوبال تھا۔ اُس نے بھیرہ پر فوج کشی سے انکار کر دیا اور وجہ یہ بیان کی کہ مسلمانوں کی جن فوج نے راستے میں مداراج اندھ پال کو شکست دی اور اپنی کمی پوری کئے بغیر بھیرہ تک پہنچی اور راج بھی رائے کی فوج کو شکست دی ہے، اس فوج کو شکست دینے کے لیے ہمارے پاس اس سے تین گنا فوج ہونی چاہیے۔ ہماری آدھی سے زیادہ فوج جو مداراج کے ساتھ تھی بیکار ہو چکی ہے۔ یہاں جو دستے ہیں وہ بھی اچھی ذہنی حالت میں نہیں بھیرہ تک ہمیں مدد یا مہور کرنے ہوں گے۔ راج گوبال نے یہ بھی کہا کہ مداراج کو واپس آئیے دیں سکھ پال ابھی بچہ ہے۔

”میں اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔“ رانی پریم دیوی نے کہا۔ ”بھیرہ میں مسلمانوں کی فوجی طاقت اتنی تھوڑی ہے کہ وہ ہمارا براہِ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اگر یہ فتح میرے بیٹے کے نام لکھ دی گئی ہے تو یہ باپ کی گندی کا حق دار ہو جائیگا۔“ اور اگر شکست ہوئی تو یہ میرے کھاتے میں کھلی جائے گی، کیونکہ فوج کی کان میرے اٹھ میں ہوگی۔ راج گوبال نے کہا ”سکھ پال ساتھ تو ہو گا لیکن دُور پیچھے یا وسط میں ہو گا جہاں اُس کی حفاظت کا پورا انتظام ہو گا۔“

”راج گوبال! پریم دیوی نے کہا۔ ”اگر ہم سے پہلے طمان کے دلوں نے بھیرہ لے لیا تو اس کا نتیجہ جلتے ہو گیا ہو گا، داؤد آخر مسلمان ہے۔ وہ سلطان محمود کے ساتھ ساز باز کر کے بھیرہ کو خالص مسلمان ریاست بنا سکتا ہے۔ اس طرح غزنی والوں کو یہاں مستقل اُدے مل جائیں گے۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ داؤد فوج کشی کی جرات کرے گا۔“ راج گوبال نے کہا۔

کھتے ہیں کہ وہ لاہور چلے گئے۔ وجہ یہاں نہیں کی گئی کہ وہ کسیر کیوں چلا گیا تھا۔ شاید اُسے ڈر تھا کہ مسلمان لاہور تک اُس کا تعاقب کریں گے اور اس کی فوج تیز تر ہو گئی تھی۔

لاہور میں اُس کا راجوان بیٹا سکھ پال تھا۔ وہاں جو فوج تھی اُس کی کمان سکھ پال کے ہاتھ میں تھی۔ یہ فوج تازہ دم تھی۔ لیکن اُس کا لڑنے کا جذبہ یوں گرا جا رہا تھا کہ ایک کے قریب سلطان محمود سے شکست کھا کر انڈیا ل توغا۔ تب ہو گیا تھا اور اُس کی فوج کے سوار اور پیادے بڑی بُری حالت میں اکیلے اکیلے اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں لاہور پہنچ رہے تھے۔ شکست میں اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے وہ سلطان محمود کی فوج کے متعلق دہشت انگیز خبریں سناتے تھے۔ اُن کی مثال ڈاکٹر باتوں سے یہ مانتا تھا کہ غزنی کی فوج میں انسان نہیں، جن اور بھوت ہیں۔ اس سبب انسانی سے لاہور کی تازہ دم فوج کا حوصلہ پست ہو رہا تھا۔

انڈیا پال کا بیٹا سکھ پال اور اس کا راجوان کی ماں پریم دیوی اس صورت حال سے پریشان ہوئی جا رہی تھی۔ ماں بیٹا انڈیا پال کا افتخار کر رہے تھے۔ لیکن اُس کی کوئی مصدقہ اطلاع نہیں مل رہی تھی۔ پریم دیوی کی شادی چودہ سال کی عمر میں ہوئی تھی اور پندرہ سال کی عمر میں اُس نے سکھ پال کو جنم دیا تھا۔ تین اور عورتوں کے بطن سے انڈیا پال کے بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ پریم دیوی کا کوشش یہ تھی کہ باپ کی گندی پر اُس کا بیٹا بیٹھے۔ اُسے اپنے خاوند براجہ، مندر پال کے مرجلے یا لاپتہ ہو جانے کا کوئی علم نہیں تھا۔

ایک روز سکھ پال کو اطلاع ملی کہ بھیرہ سے دو آدمی کوئی بڑی ضروری المان لے کر آئے ہیں۔ ان آدمیوں کو فوراً اندر بلا لیا گیا۔ یہ وہ آدمی تھے جنہیں بھیرہ کے پندتوں اور مندر میں پہنچے ہوئے فوجی مہدیاروں نے بھٹنڈہ اس پنڈت کے ساتھ بھیجا تھا کہ بھیرہ کو فوراً محاصرہ میں لے لیں۔ یہ دو بھٹنڈہ گئے یہ شہر مبارک انڈیا پال کا دوسرا حکومت تھا۔ وہاں سے ان آدمیوں کو تازہ دم گھوڑے دے کر لاہور پہنچ دیا گیا کیونکہ حکم

قیدی کے گھر کا آتا پتا معلوم کر کے اُس کے گھر کے تمام افراد کو بچوں اور عورتوں کو بھی قید خانے میں ڈال دو۔

درویش کے گھر گئے تو دہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

ایک صبح سلطان محمود نے شمال مغرب کی بجائے شمال مشرق کی طرف گرد اٹھتی دیکھی۔ اس گرد کو وہ پہچانتا تھا۔ یہ فوج کی گرد تھی اور یہ ملک کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا نیچے آیا۔ وہ دقت خالق کے بغیر نشان کو گونج کر آچا تھا۔ وہ تو نشان ہی جا رہا تھا لیکن راجہ کی رائے نے اُسے رستے میں روک لیا اور اُسے بڑی ہی خوریز جنگ لڑنی پڑی۔

اُس نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتانے لگا کہ ملک آ رہی ہے اور وہ کس طرح اور کب کو فوج کرے گا۔ اسی دوران ایک سوار آیا۔ یہ دیکھ بھال والی ٹولہ لایا سوار تھا جنہیں شہر سے دُور درگشت پر رکھا جاتا تھا۔ سوار نے کہا کہ دشمن کی فوج آ رہی ہے۔ اس کے ساتھ بھائی بھی ہیں اور زیادہ لغزی سواروں کی ہے۔ پیاسے بھی ہیں اور یہ فوج بلاشبہ سندھوں کی ہے لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ کون سے بادے بارا ہے کی ہے۔

سلطان محمود یہ کہہ کر باہر نکلا۔ میں خود دیکھوں گا۔ اور کچھ دیر بعد وہ درختوں میں ڈھکی بولی ایک چٹان پر کھڑا اس فوج کا جائزہ لے رہا تھا جو بھیرہ کی طرف آ رہی تھی۔ اُس نے کئی جگہوں پر جا کر اور چوڑے چھپ کر دیکھا اور اس فوج کی لغزی کا اندازہ کیا۔

”ہم محاصرے میں نہیں لڑیں گے۔ اُس نے اپنے سالار سے کہا جو اُس کے ساتھ تھا۔ دشمن کی فوج کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ہم نے دشمن کو محاصرے کی ہولت دے دی تو نشان سے بھی فوج آ کر محاصرہ مضبوط اور طویل کر سکتی ہے۔۔۔ کالوں اور مسافروں کے بھیس میں دوپٹے آدھی بھیج دو جو اس فوج کی نقل و حرکت دیکھتے رہیں اور یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ کس کی فوج ہے اور کہاں سے آئی ہے۔“

محدث اشراپ اور زہرہ جواہرات میں ٹوٹا ہوا مسلمان جسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اُس کا مذہب کیا ہے جنگ نہیں ہو سکتا۔ غرض کی فوج ایمان کی طاقت سے لڑتی ہے جسے ہم حرم کہتے ہیں۔ دافو اپنا ایمان ہمارے ساتھ فروخت کر چکا ہے۔“

پریم دہلی راج گوپال کو دوسرے کمرے میں لے گئی۔ اُس کی ٹرائس دقت نہیں مال کے قریب تھی لیکن جہرے کے خن اور جسم کی جاذبیت سے کچیس سال کی گئی تھی۔ اُس نے راج گوپال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ”راج گوپال، بھول گئے ہو کہ سکھ پال تبار اپنا بیٹا ہے اور لوگ اندپال کو اس لیے سکھ پال کا باپ کہتے ہیں کہ وہ میرا خاندان ہے۔ میں نے ہمارا راج کی بوی ہوتے ہوئے تمہیں اپنا خاندان بنانے رکھا۔ ہمارا راج تمہیں بھی اپنے ساتھ بٹاؤ کہ اُس ڈالی میں لے جانا چاہتے تھے جس میں وہ شکست کھا کر بھاگے ہیں۔ یہ میں تھی جس نے انہیں یہ کہہ کر تھیں لاہور میں کو الیا کیل بقرہ کار پناہی کی ضرورت ہے۔۔۔ اپنے بیٹے کو راج کا وارث بنادو۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا اور بٹا رہا ہوا محمود غزنوی کو قیدی بنا کر لاہور لائے۔ تمہیں میری بخت کی قسم آ“

سلطان محمود کو معلوم تھا کہ پٹار سے ملک اتنی جلدی نہیں پہنچے گی، پھر بھی وہ بے تاب ہو کر شہر کی دیوار پر چڑھ جاتا اور اُس کی نگاہیں شمال مغرب کے افق پر گھومنے لگتی تھیں کہیں مجھ کو لا آتھتا تو اُس کی گرد کو دیکھ کر سلطان محمود کا چہرہ دکنے لگا کہ ملک کی گرد ہے۔

نشان کا دافو بن نصر بھیرہ، نے سٹخے میں آئی ہوئی دونوں لڑکیوں میں مگن تھا۔ یہ لڑکیاں اُسے شراب پلا بلا کر بد ہوش کھینچیں اور اُسے بھیرہ پر حملہ کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرتی رہتی تھیں۔ اُسے جب اطلاع دی گئی تھی کہ قیدی (درویش) کو اُس کے گھر کی تلاشی کے لیے جایا جا رہا تھا تو بہت سے آدمیوں نے پاہیوں پر حلا کیا اور قیدی کو چھڑا لے گئے ہیں، تو داد نے بدستی کی کیفیت میں کہا تھا۔ ”اُن آہ پاہیوں کو اور اُن کے کا نڈار کو تہ خانے میں بند کر دو۔ انہوں نے قیدی کو خود بھگایا ہے۔ اس کے عوض انہوں نے قیدی سے دولت بھری ہوگی۔۔۔ اور

سلطان محمود واپس شہر میں آیا اور اس کے پاس جو فوج تھی اُسے متعین کر کے تقسیم کرنے لگا۔ اتنے میں اُسے الملاح کی کشتیال مغرب کے افق پر کبھی فوج کی گرد اٹھ رہی ہے۔ وہ ددڑا ہوا شہر کی دیوار پر چڑھ گیا۔ یہ گھوڑوں کی گرد تھی بسے بھی ذہ پچھتا تھا۔ یہ سوال اُسے پیشان کرنے لگا کہ یہ پشاد سے نکل آئی ہے یا راجہ اندیا ل کی فوج ہے۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔ وہ کبھی اس گرد کو دیکھتا تھا کبھی شام مشرق کی طرف سے اُٹھنے والی گرد کو شمال مغرب کی طرف سے آنے والی فوج کے آگے دیکھتا تھا سلطان محمود کا راجہ غری سے کام کر رہا تھا۔

دیوالی طرف سے ایک گھوڑا سوار سرپٹ گھوڑا دوڑتا شہر کی طرف آتا دکھائی دیا۔ قریب آیا تو اُسے اشارے سے سلطان کی طرف بلا لیا گیا۔

سوار نے دیوار کے قریب گھوڑا روکا اور بلا سلطان غزنی انگام آگئی ہے۔ سلطان محمود نے متعین اُسے دیوالی کے پار روک کر فوراً ایک سوار کو دوڑا اور اس سوار کو واپس بھیجنا گھوڑا مدت نکھکا پڑا ہے۔

رات کو سلطان محمود نے خود سوار اُس نے کسی کو سونے دیا۔ اُسے شمال مشرق کی طرف سے آنے والی فوج کے متعلق مصدقہ اطلاع ملی کہ لاہور سے آئی ہے لیکن راجہ اندیا ل ساتھ نہیں۔ اُس کا بیٹا کچھ پال ساتھ ہے۔ اس فوج کی تعداد بھی معلوم ہو گئی۔ اس اطلاع کے تین گھنٹے بعد یہ اطلاع آئی کہ کچھ پال کی فوج نے تقریباً تین میل دور پڑا دیا ہے لیکن خیمے نہیں لگائے ہیں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تیزی کی حالت میں ہے اور صبح تک شہر کو محاصرے میں لے لے گی۔

اس الملاح کے فوراً بعد سلطان محمود اپنے دو سالاروں کو ساتھ لے کر دیوالی کے پار چڑھ گیا جس اُس نے نکل کو روکنے کا حکم بھیجا تھا۔ نکل اور کچھ پال کی فوج کے درمیان کم و بیش پانچ میل کا فاصلہ تھا۔ ان کے درمیان دیا سے جہلم اور جنگل حائل تھا۔

سلطان محمود نے نکل کے سالار دے نکلے لگا کر اور اُس کے گال چوم کر کہا۔

تم میرے لیے آسمان سے اللہ کی نئی مدد بن کر اترے ہو اگر تم کل آتے تو میں تباہ نہیں کیے مگر تم اس زمین پر کس حال میں ہوئے۔ میری آپس غصے کی لولہ مان اتم سے پابند میل و دور مشرق میں لاہور کے راجہ کی فوج پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ وہ صبح یا اس سے کچھ پہلے شہر کا محاصرہ کرے گی یا بغیر اتم صبح طلوع ہونے سے پہلے تمام دستوں کو دریا پار کر دینا لیکن شور نہ ہو و خاموشی رہے۔ دسے نشیمن جگہوں میں رہیں۔ اور صرف دید بان کہیں چھپ کر رہیں۔ میں ہندوؤں کو محاصرہ کرنے کی مہلت نہیں دوں گا۔ ہم پیاں دستہ آگے بھیجوں گا جو دشمن سے ٹکرے کر چھپے ہوئے دشمن آگے آئے گا۔ تم براہِ جلدی برا کر دیکھ رہنا۔ سب کچھ سمجھتے ہو۔ دشمن کا پہلو ہمارے سامنے ہو گا اور اُس کے عقب میں آسانی سے جا سکو گے۔ دشمن کے سامنے اور بائیں ہاتھ کو میں بھجال لوں گا۔

کچھ پال اور اُس کے سینا پتی راجہ کپال نے نصیحت کرنا شروع ہونے دی سلطان محمود ناز سے ناراض ہوا ہی تھا کہ اُسے الملاح ملی کہ ہندوؤں نے پیش قدمی شروع کر دی ہے اور دشمن کی ترتیب بھی مہرے کی ہے یعنی فوج پھیلی ہوئی آ رہی ہے۔ شہر کے قریب اگر اس فوج کو اور زیادہ بھگنا اور محاصرہ مکمل کرنا تھا۔ سلطان محمود کی چال بیکار گئی کہ وہ ایک دستہ آگے بھیج کر دشمن کو آگے لائے گا۔

اُس نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا۔ کوئی ایک میل دھڑا اُسے کچھ پال کی فوج کا پھیلنا نظر آ رہا تھا سلطان نے اپنے سالار سے کہا کہ سوار دستے کے دو حصے کرو اور دونوں دستے ایک وقت دشمن کے دائیں بائیں پہلو پر چلائیں اور اُسے کو دبانے کی کوشش کریں۔ شہر میں فوج تیار کھڑی تھی بھنڈی دیو میں شہر سے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ نکلا بغیر مکمل گرج سالی دیو سواروں نے اڑ لگائی اور دستہ ذرا آگے جا کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ اُن کے رُخ دشمن کے پھیلنا کے سرزد کی طرف تھے۔

راجہ کپال نے یہ چال چلی رہی تھی سے پھیلنا کو سیکڑ لیا کہ سواروں کو کھینٹ میں لے کر واپس نہ جانے دیا جا۔ سواروں نے پہلو اُس پر چل گیا۔ سلطان دیوار پر کھڑا تھا۔ اُس نے شہر سے ایک پیادہ دستہ نکالا اور اسے دشمن کے بائیں پہلو پر بھیجا۔

ہاتھی کو سکھ پال ہاتھی سے کوٹا کیا اور شہر کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ
کانپ راجا سلطان محمود کے حکم پر اسے پکڑ لیا گیا اور اسے اوپر دیوار پر لے گئے۔
مہتمم اور انیس برس کے سلطان محمود نے اس کے ساتھ ساتھ ملاتے ہوئے کہا ہم
تمہاری جرات کی تعریف کرتے ہیں لیکن کو فوج سے پہلے اپنے باپ سے پوچھ لیا ہوتا
کو فوج کی فوج سے کمر لینے کی کتنی قیمت دینی پڑتی ہے۔ یہاں سے اپنی جنگی قوت کا
انجام دیکھو۔

سکھ پال نے دیکھا۔ دُور دُور تک اس کی کبھری ہوئی فوج کا کشت و خون ہو
رہا تھا۔ ہر طرف مسلمان مرنے اور نعرے لگاتے پھر رہے تھے جن ہاتھیوں پر ہتھیار
لٹا تھا وہ مرنے اور زور اور بے لگام اور اُدھر جیتے چنگھاڑتے اور بھگتے پھر رہے
تھے۔ اور سکھ پال کانپ رہا تھا۔ اُسے اپنا سینا پتی راج گوبال کیس بھی نظر نہیں
آ رہا تھا۔

”میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟ سکھ پال نے پوچھا۔

”اپنی قیمت کا فیصلہ خود کرو۔“ لڑا انا محمود نے کوٹا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے آپ
کو یہ یقین دلا دیا کہ تُو اور موریاں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔ حقیقی خدا کو مانو اور اسی
کی عبادت کرو۔ مجھے اسی خدا نے صرف اس مہم میں یہ سب کچھ دی ہے۔“
”میں اپنے مذہب سے بے یار ہوں؟ سکھ پال نے کہا۔

سلطان محمود نے مولوی سعید اللہ قاسمی کو بلایا اور انہیں کہہ کر اس لڑکے کو لے
بائے۔ یہ قیدی نہیں لیکن یہ آزاد بھی نہیں۔ یہ اپنے مذہب سے بے یار ہے مولوی
سعید اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ سلطان محمود نے حکم دیا کہ اس نوجوان کی خوب خاطر
تواضع کرو۔

”میرے روز سلطان محمود نے طمان کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ اُس کے سامنے
دو سول جویاں مسافت تھی اور اسے دو دریا چناب اور راوی عبور کرنے تھے۔
اُس کی رفتار بہت تیز تھی۔ بلکہ وہاں سُست جاتی تھیں۔ سلطان محمود نے جنگی قیود اور

ہدایت کے مطابق سوار اور پیادے اچھے بیٹھے گئے اور دشمن کی زیادہ تر فوج اپنے
بائیں پہلو پر ہو گئی۔ جہاں پیادوں سے لڑا گیا تھا۔ ۳۱ طرح دشمن کی کھڑے کی ترتیب
ٹوٹ گئی۔ اور دشمن کی چپٹا اُدھر کو ہو گئی جہاں سلطان محمود نے لگ روک رکھی تھی۔
نعمان تجربہ کار سوار تھا۔ اُس نے عقب سے بڑھ لیا دیا۔ اُس کے دستوں نے صبح طلوع
ہونے سے بہت پہلے دریا پار کر لیا تھا۔ ہندوؤں کو باہل توقع نہیں تھی کہ شہر سے
باہر اُن کے عقب میں بھی فوج ہے۔ لگ بھگ میں زیادہ تر سوار تھے۔ ادھر سے سلطان
محمود نے کم سے کم نفری کے دسے شہر سے نکل دیے۔ نعمان کے عقبی ہتے نے ہندوؤں
کے اوسان خطا کر دیے۔ شہر کے دستوں نے الگ قیامت پیا کر دی۔ دشمن کا
نکل بھاگنا ممکن ہو گیا۔ اُس کے فوجی ہاتھیوں کی جگہ لڑنے اُسے اور زیادہ نقصان دیا۔

سورج نکل آیا تھا۔ ہندوؤں کے بے کارے انھارے نفز اور سکھ مسلمانوں
کے کیمبر کے لہروں کی گرج، ہاتھیوں کی جنگی ڈرگھوڑوں کے فلک شگاف شور میں دُوب
گئے تھے۔ سلطان محمود اور سکھ راجا دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظر سکھ پال کے جھنڈے پر تھی جو
ابھی گرا نہیں تھا جھنڈا پیچھے یا دائیں بائیں جانے کی بجائے شہر کی طرف آ رہا تھا۔
ہاں نہ آ رہا تھا نقصان دشمن کا جو رہا ہے اور مسلمان غائب ہیں۔

سکھ پال کا جھنڈا جو ایک ہاتھی پر تھا، شہر کے دروازے پر لٹا گیا سلطان محمود کو
ہاتھی پر ایک جواں سال چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ بلا شک و شبہ راجا چند پال کا بیٹا
سکھ پال تھا۔ وہ خود ہاتھی کو شہر میں نہیں لار رہا تھا بلکہ ہاتھی اُسے ادھر لے آیا تھا۔
ہاتھی اپنے راج کی طرح خوف زدہ تھا جب ہاتھی شہر کے دروازے پر پہنچا تو
ہمدات ہاتھی سے گڑ گڑ بھاگ گیا۔ ہاتھی کے ساتھ سکھ پال کا کوئی گمان نہیں تھا جو نے
میں دو گنا تھے جو جھنڈا تھا اسے ہوئے سیتے۔

ہاتھی کی پیشانی میں بیک وقت تین تیرا ترچھے۔ ہاتھی بڑی بھانپ آواز سے
چنگھاڑا۔ اس کے ساتھ ہی اُدھر سے سلطان محمود غزنوی کی گرجدار آ رہا تھا۔ دیکھو اس

کی طرح کھڑا کر لوہے کے کڑے اُن کے گلوں میں ڈال دیے تھے تاکہ پہلے سے جائیں۔
جہاں بیل گاڑاں دلدل، ریت یا چٹھال کی وجہ سے سست ہو جاتی تھیں، جلی تھیں
گاڑیوں کو دھکیلتے تھے۔ اس سے رفتار سست نہ ہوئی۔

داؤد بن نصر بھیرہ سے اسی اطلاع کا منتظر تھا کہ لاجپور اور جھنڈہ کی فوج تیار
ہوے اور وہ بھیرہ کو محاصرے میں لینے کے لیے کوچ کرے۔ اُسے یہ اطلاع دینے
والے بھیرہ میں قید ہو چکے تھے۔ داؤد کوچ کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو ہندوؤں کا ملک
حلال کرنے کے لیے فوج کو تیار رکھے ہوئے تھا۔

اُسے بھیرہ سے تو کوئی اطلاع نہ ملی، لیکن اُسے یہ بھی کہ
اطلاع دی گئی کہ ایک فوج بڑی تیز رفتاری سے بڑھی آ رہی ہے۔ داؤد بن نصر
ہوا شہر کی دیوار پر چڑھ گیا اور ایک بڑی ٹیل کھڑے ہو کر دیکھا۔ فوج قریب آگئی
تھی۔ داؤد نے شہر کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ وہاں فوج کو محاصرے میں
رہنے کے لیے دیوار پر بلا دیا۔ اُس کے دیکھتے ہی دیکھتے باہر فوج نے شہر کو محاصرے
میں لے لیا۔

سلطان محمود غزنوی کے حکم سے داؤد بن نصر کو لٹا کر اگر وہ شہر کے دروازے
کھول دیے اور مسلح کے لیے باہر آجائے، اور نہ شہر کی اینٹ سے اینٹ ہما
دی جائے گی۔

اس حکم کا جواب دیوار سے آیا۔ قراصل مرنے سے پہلے شہر میں دیں گے۔
جنت ہے نواد اور دروازے کھول دیو۔

سلطان محمود قراصلوں کے تسلط غلطیوں میں تھیں۔ اُس کا خیال تھا اگر گناہوں
میں ڈوبے ہوئے قراصل لڑنے سے گریز کریں گے اور وہ جنگ نہیں جوں گے انہوں
نے جب مقابلہ شروع کیا تو سلطان محمود کے ہوش ٹھکانے آگے غزنی کے بھائی دیوار
تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے تو اوپر سے تیروں کی اتنی بوچھاڑیں آئی تھیں کہ
ان میں بے شکل اور مردہ والہاں آتے تھے۔

سات دن محاصرہ رہا سلطان محمود نے حکم دیا کہ محاصرہ طویل نہیں ہوگا۔ آنکھوں سے
اُس نے تمام شہر کے گرد گھوم کر اپنی فوج سے کہا کہ مجارے پاس اتنا وقت نہیں ہے
کہ محاصرہ کر کے پیٹھ پر نہیں بھڑائے۔ تیس ہر میدان میں فتح دی ہے۔ تم اس دیوار
کو بھی توڑ لو گے۔ اپنے اللہ کی امان پر قربان ہو جاؤ۔ یہ وہ دشمن ہے جس نے اسلام
میں باطل کی آمیزش کر دی ہے۔

سلطان نے اپنی فوج کو جوش دلایا اور محاصرہ اٹھا کر فوج کو شہر کے دروازوں
کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اُس نے درخت کٹوائے اور ان کے سیدھے اور مضبوط
ٹنک کاٹ کر دروازوں کے درمیان سیدھے بانڈ دیے۔ انھیں ڈھرتے ہوئے
دروازے تک جاتے تھے تو تھتہر دروازے سے ٹکراتے تھے۔ بیلوں کو بھی استعمال
کیا گیا۔ انسانوں نے بھی دروازے توڑنے کی کوشش کی اور جانیں قربان کرتے تھے۔
یہ سب تین روز چلتا رہا۔ دروازے کے اوپر تیروں کا پلنگہ برسا گیا۔

تیکر کے نعروں میں دروازوں کے ساتھ انھیں ٹکراتے اور زخمی ہو کر بھاگتے تھے۔
اندر کی فوج کی توجہ دروازوں کی طرف کر کے دیوار میں شکاف ڈالنے کی بھی کوشش
ہوتی رہی۔ شہر کے اندر شہریوں نے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ وہ نعروں اور دھواں
کے دھماکوں سے خوف زدہ ہوئے جا رہے تھے۔

دو روز عطلی اور غصہ مچا دیتے ہیں کہ اندر مسلمانوں اور غیر قراصلوں کو جب پتہ
چلا کہ حملہ آفرین کے مسلمان ہیں تو انہوں نے اندر سے دروازے کھولنے کیلئے
بڑبول دیا لیکن سب کو قتل کر دیا گیا۔

آخر جو تھے نواد اور بن نصر نے گھبرا کر سلطان محمود کو پیشکش کی وہ بیس ہزار درہم
سالانہ اراکار ہے گا اور اُس کی اطاعت قبول کرے گا۔ بعض نوادوں نے یہ رقم میں
لاکھ بھی ہے سلطان محمود نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔ اُس نے دروازوں پر ایک بڑ
بول اور دو تیس دروازے توڑ دیے۔ قراصلوں نے اپنے عقیدے کے تحفظ کے لیے
خون کا بے دریغ قربان دی۔ انہوں نے ملتان کی گلیوں میں مسلمانوں کے ساتھ

جنب دشمن پر اعتبار کیا

سلطان محمود غزنوی نے راجہ اندھیا کی شکست دی اور اپنی راجدھانی میں جانے کی ہمت نہ کی۔ کئی سال تک اس کا مقابلہ کیا۔ پھر محمود غزنوی نے بھیرہ کے راجہ کی رائے کو اپنی شرمناک شکست دی کہ اس ہندو راجے نے خودکشی کر لی۔ اس کے بعد سلطان نے قرامطی فرقت کو ختم کر کے اسلام کے چہرے سے یہ منہ داغ دھو ڈالا اور نشان کی ریاست کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ محمود غزنوی اپنی جس کا سیالی پر بہت خوش تھا، وہ اندھیا کی بیٹی سکھیا کی قبول اسلام تھا۔ سکھیا کی تولاہور سے بڑے سلطان سے بھیرہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اُس کی ماں نے اس امید پر اُسے بھیرہ بھیجا تھا کہ وہ محمود غزنوی کو قیدی بنا کر لائے گا اور اپنے باپ کا جانشین بنے گا۔ لیکن اُسے سلطان محمود غزنوی کے آگے نہ صرف ہتھیار ڈالنے پڑے بلکہ اُس نے اپنا مذہب بھی سلطان کے قدموں میں رکھ دیا۔

سکھیا کی بیٹی نے مولوی سید اللہ قاسمی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس عالم نے سکھیا کی کام نواز شاہ کھا سلطان محمود غزنوی نے اپنے مشیروں کے منع کر کے باوجود اس نو مسلم کو بھیرہ کا امیر مقرر کر دیا۔ امیر کی حیثیت آج کے گورنر کی جیسا کہ کرتی تھی۔

راجہ اندھیا کی اور اُس کے بیٹے سکھیا کی کو ہندوستان میں یہ اہمیت حاصل تھی کہ یہ خاندان پنجاب کا حکمران تھا اور پنجاب ہندوستان کا دروازہ تھا۔ پنجاب کی اہمیت سے سلطان محمود واقف تھا۔ اُس نے بھیرہ اور نشان کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے ہندوستان کا دروازہ توڑ دیا تھا۔ اُسے اس دروازے میں داخل ہوتے ہی غزنی واپس جانا پڑا کیونکہ

زندگی کا آخری سحر لڑا۔ اُن کی عورتیں اور بچے کھلی لڑے، لیکن مسلمانوں کے قہر کے آگے ہٹا جوتے گئے۔

علی اور غنیری لکھتے ہیں: سلطان محمود کو جب پتہ چلا کہ مسلمانوں نے اندر سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی اور قرامطیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں، تو اُس نے تلوار نکال لی اور قرامطیوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ شہر کے مغربی طرف عمارسی دھڑ سے قرامطیوں کا خون ندی کی طرح بہ نکلا۔ سلطان محمود نے اتنے قرامطی قتل کیے کہ اس کے بعد اُس کا ہاتھ تلوار کے دے پر اُڑ گیا۔ اُنھیں کھٹکی نہیں تھیں۔ ہاتھ خون سے دسے کے ساتھ چپک بھی گیا تھا۔ اُس کا ہاتھ تے سمت گرم پانی میں رکھا گیا تو اُس کی انگلیاں کھٹکیں۔

دادو بن نصر لاپتہ ہو گیا۔ بہت تلاش کے باوجود نہ مل سکا۔ اس کے ساتھ ہی وہ تاریخ سے ہی لاپتہ ہو گیا اور قرامطی فرقہ ایک بھڑکی بھری کالی بن کے رہ گیا۔ سلطان محمود نے قرامطیوں کی عبادت گاہ کو زمین سے ملا دیا تھا۔

عالم، درویش اور اُن کے گردہ کا کوئی آدمی زندہ نہ رہا۔ نشان میں قرامطیوں کے نشان اور یادگاریں مٹا کر سلطان محمود نشان کو اپنا مستقل دار بنانے کا منصوبہ بنایا۔ مگر غزنی سے ایک تاحد آیا جسے ہرات کے گورنر سلطان جازب نے بھیجا تھا۔ پیغام یہ تھا کہ کاشغر کے بادشاہ ایک خان نے غزنی کی سلطنت پر حاوی کر دیا ہے۔ سلطان محمود سر پر تے بیٹھ گیا۔

اُس نے ابولہی سمجوری کو بلا دیا، امیر گورنر امیر فرمایا اور بھیرہ بھیجا۔ دہاں اُسے پتہ چلا کہ سکھیا کی بیٹی نے اسلام قبول کیا ہے۔ اب سلطان محمود کا مرید اور غلام بنا رہنے کا سلطان محمود کا دروازہ اب غزنی پہنچ گیا تھا۔ اُس نے سکھیا کی کو بھیرہ کا امیر مقرر کر دیا۔ سلطان کو کہنا کہ سانپ کے بچے پر بھروسہ نہ کرے لیکن وہ نہ مانا اور غزنی کے لیے روانہ ہو گیا۔

سکھیا کی اُسٹیں کا سانپ ثابت ہوا۔

درجہز میں جو ایمان خرید لیا کرتی ہیں اور انہی دو چیزوں نے ہندوستان میں ایمان فروغ
پیدا کیے ہیں

”اور بادشاہی کی بوس نے ہمارے بھائیوں کو اندھا کر دیا ہے۔ کاشغر کے
ایک خان نے غزنی پر حملہ کر دیا ہے۔ میں جانتا ہوں اُس کے دوست کون ہیں۔
وہ سب ہمارے دشمن نہیں اسلام کے دشمن ہیں۔ میرے فرم اور میرے نظریات
سے اچھی طرح آگاہ ہیں لیکن وہ اُن دھکارے ہوئے لوگوں میں سے ہیں جن
کے دماغوں، آنکھوں اور کانوں پر خدا نے ٹھہری نگاہی میں اور اُن کے
لئے کجمنش کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے
ہیں اور اپنی رعایا کو بتاتے ہیں کہ یہی اسلام ہے جس کے وہ پیرکار ہیں اور مذہب
کے پرستے ہیں اپنے تخت و تاج کی سلاستی کے لیے لوگوں کو خانہ جنگی پر اکساتے
اور بھائی کو بھائی کا دشمن بناتے ہیں

وہ اگرچہ اسلام کے شیعائی ہوتے تو میرا ساتھ دیتے اور ہندوستان کی طرف
کو توجہ کرتے۔ جاں سالانوں پر غرضیات صرف اس لیے تنگ کیا جا رہے کہ وہ
مسلمان ہیں میری نظریں متقبل میں بہت نزدیک دیکھ رہی ہیں۔ اگر ہم نے اس خطے میں
اسلام کو زندہ کیا تو مسلمان ہندوؤں کے انتہوں ہمیشہ کا ہم اپنے والوں کا قتل عام ہوتا
رہنے گا۔ انہیں سوتیلیاں اور بہت پوجنے والوں سے بچانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انہیں
ہم اپنے ملک میں سے طے ہیں لیکن شکست اور پناہ ہوگی اور اس اقدام سے اسلام کی
سلطنت سکڑتی جائے گی۔ ہر ملک خدا کی سرزمین ہے اور جو سرزمین خدا کی ہے وہاں
اُس کی ذات باری کے پرستار ملن کا وجود لازمی ہے۔ اسلامی سلطنت کی کوئی سرحد
نہیں۔ ہم ہندوستان کو اسلامی سلطنت میں شامل کریں گے یا اس کے کچھ حصے میں
پہلی حکومت قائم کر کے اسے اسلام کا مستقر اور قلوبائیں گے اگر ہم نے ایسا
کیا تو ہم روزِ محشر خدا کے حضور سرخ روئیں ہوں گے

”آپ دیکھ رہے ہیں کہ میرے اُن بھائیوں نے میری بات نہ سنی۔“

اُسے اطلاع ملی تھی کہ کاشغر کے حکمران ایک خان نے غزنی پر حملہ کر دیا ہے۔
اُن نے قتان سے روانہ ہوتے ہی تیز رفتار قاصد کو اس حکم کے ساتھ بھیج دیا
جس کا راجا اسیر نواشاہ (سابقہ کھپال) اند فوج کے سالار اور نائب سالار اُسے
بحیرہ کے باہر دیا ہے چناب پر تیس قتان کے امیر ابوالیٰ بخوری اور قتان میں رہنے
والی فوج کے سالار اعلیٰ اور نائب سالار اعلیٰ کو وہ ساتھ لے آیا تھا۔

سلطان محمود جب بحیرہ کے قریب سے گزر کر دیا ہے چناب کے کنارے
پہنچا تو جن لوگوں کو اُس نے بلایا تھا وہ وہاں موجود تھے۔ سب کو قتل کر دیا
وہاں کھانے کے لیے نہ رکے گا۔ انہوں نے دریا کے کنارے کھانے کا انتظام کر
دیا تھا لیکن سلطان نے کھانے کی طرف دیکھا تک نہیں گھوڑے سے اُترا اور سب
کو اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

”میں ہندوستان سے اتنی جلدی واپس جانے کے لیے نہیں آیا تھا۔“ اُس نے
کہا ”آپ سب ابھی طرح جانتے ہیں کہ میں کیوں آیا تھا، پھر بھی آپ کو یاد دلانا
ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے جانے سے بعد آپ میں سے کوئی ہندوستان کے ظلم
میں گرفتار ہو جائے۔ ہم یہاں اسلام کے نوکھیز کو ہر سب کر کے آئے ہیں ہم
یہاں اُس خدا کا پیغام لے کر آئے ہیں جو ہمہ لاشریک ہے۔ ہم یہاں کے لوگوں
کو بتانے آئے ہیں کہ خدا پتھر کے نہیں ہوا کرتا ہے۔ ہم اپنے رسول مقبول صلعم کا پیغام
لے کر آئے ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ جب یہ پیغام مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ بنا
رہا۔ اسلام پھلتا پھوٹتا رہا اگر بادشاہ کا لشکر جب عادی ہوا تو یہ مشعل ٹٹانے لگی اور اس
کے نیچے اندھیرا ہو گیا۔“

”ہندوستان میں بھی یہ مشعل آتی تھی۔ مجھ پر قائم نے اس سرزمین کو خدا کے نور سے
منور کر دیا تھا۔ اگر یہاں کے آسمان نے وہ وقت بھی دیکھا کہ یہاں سب میں دیرین اور
ازادیں خاموش ہو گئیں۔ بہت پرستوں نے مسلمانوں کو تھوکر کی ٹوک پر ہندو دنیا شروع کر
دیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ زمین تنگ ہو گئی۔ مسلمانوں کی جگہ بہت خالے اُبھر آئے۔ تھوکر
کے باعث دوات اور عورت کو بھی اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ یہی

راج گوبال سرحد کے کھڑا رہا۔ وہ شکست خوردہ سینا پائی (اسپہ سالار) تھا۔ بھیرہ کی بڑائی سے بڑی شکل سے جان بچی کر بھاگا اور لاہور سینا تھا۔

”تم بولتے کیوں نہیں راج کو پاں؟“ رانی نے اُسے غصے سے کہا۔ ”تم میرے بیٹے کو قید سے چھڑا نہیں سکتے؟ کیا تم اپنی فوج کے ایک سو آدمی ایک راجا مار کے لیے قربان نہیں کر سکتے؟ کیا ہماری فوج میں راج دربار کی عزت پر قربان ہونے والے سیاہی نہیں ہیں؟ کیا وہ مسلمانوں کے گھیس میں وہاں تک نہیں پہنچ سکے جہاں میرا راجا قید ہے؟“ اُس نے ذرا لمبی زبان میں کہا۔ ”کیا تم کنبول گئے؟ جو کہ ہمارا راج انڈیا میں تہہ در تہہ ایسا ہے؟“

”میں کچھ بھی نہیں ٹھہلا رانی!۔۔۔ راج گوبال نے کہا۔۔۔ میں سب کچھ سوچ چکا ہوں۔ میں نے راجکار کو بھروسہ سے انکوار کرنے کے لیے آدمی تیار کر لیے تھے۔ لیکن بہت بُری خبر آئی ہے۔“

”کیا خبر آئی ہے؟“ رانا پریم دبی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”سکھ پال اب سکھ ال نہیں را“ — راج گوبال نے کہا۔ ”وہ نواب شاہ
کی جگہ ہے۔“

”کیا اُسے زبردستی...“

”اے سلطان! — راجہ کوہیل نے کہا — اے سلطان بنالیا گیا ہے اور محمود نے اُسے یہ انعام دیا ہے کہ اُسے بھیرہ کا امیر مقرر کر دیا ہے۔ وہ لاهور کی گدی کا بٹن نہیں بن سکا، بھیرہ کا حاکم بن گیا ہے۔“

تھکدہ اپنا منہ سب سے چھوڑا.... کیا یہ سہ نہیں چلا کر اُس نے اپنی مرضی سے اپنا

ہو گئے ہیں۔ کون کونسا ہے کہیں غلطی سے زندہ دایس آسکوں گا یا نہیں۔
 اُمّیں : آقا تو یہ آپ کا فرض ہو گا کہ میں نے جس ہم کا آغاز کیا ہے اُسے
 آپ سزا کریں اگر آپ دنیاوی جاہ و حشمت میں پڑ گئے تو سوائے تباہی
 اور بربادی کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا بہتوں کے آگے اپنے
 خدا کو شرمسار نہ کرنا تم دیکھ رہے ہو کہ اس خطے میں صدیوں بعد از انیسویں گئے گی ہیں۔
 ان اذالہ کو خاموش نہ ہونے دینا!

سلطان محمود غزنوی کی آواز آخر میں آکر رقت میں دب گئی۔ اُس نے کھانا نہ کھیا۔
گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑا دیر میں ڈال دیا۔ اُس نے فوج کو کوچ سے روکا نہیں
بٹھا۔ فوج دریا پار کر رہی تھی۔ اُسے بہت جلدی غزنی پہنچنا تھا۔

محمود غزنوی جن فوجی حکام اور مہمرا کو بھیجے جو بڑیا تھا، اُن میں نو مسلم نواسا شاہ بھی تھا۔ محمود غزنوی فارسی زبان میں اہل دین تھا، اس لیے ایک ترجمان نواسا شاہ کے پاس کھڑا کر دیا گیا تھا۔ کہ وہ اُسے اُس کی زبان میں بتانا جائے کہ سلطان کیا کہہ رہا ہے۔ نب سلطان چلا گیا تو سب دہاں سے شہر کی طرف چل پڑے۔ نواسا شاہ پر خاندانی شہسوار تھی۔ اُس کے ساتھ کسی نے بات کرنے کی کوشش کی بھی تو اُس نے سسکانے کے ناکو ا جواب دیا۔

لاہور میں اُس کی اس رانی پریم دہوی اپنے محل کے ایک کمرے میں اناس
مضی تھی۔ اُس کے خواب بھیرہ کے میدان جنگ میں ٹوٹ پھوٹ کر کھڑے تھے۔
اُس کا بیٹا بھیرہ میں جنگ بندی ہو گیا تھا۔ وہ تو راجا تھا۔ پریم دہوی کے اُسوہے بن گئے۔
اُس کا خاندان اندھ پال کشمیر ہلکا گیا تھا۔ وہ شاید اس لیے دایس نہیں آ رہا تھا کہ
محفوظ دہوی لاہور پر حملہ کر کے قافلہ چھوڑا ہو گا۔ رانی پریم دہوی کو یہ کھارہ تھا کہ
اُس کو سکون کا مینا سزاوچن پال باپ کی گدی کا جانشین ہو گا۔... کمرے کا دروازہ
آہستہ سے کھلا۔ رانی نے دیکھا اُس کا بیٹا سبھی راج گوال آیا تھا۔

۱۔ میر۔ راجہ رکن کی خبر آئی؟۔ رانی یحیٰی نے بوجھا۔ اس سے

ہی، وہ نہیں نے تسماری محبت کی خاطر یہ خطرہ مول لیا تھا کہ بھیرہ پر جاکر اس کی اور زلیلہ
خوار ہو کر تسمارے حکم سے فوج کو شہر سے باہر نہیں نکالا جاسکتا تھا۔ مہاراج آگے
تو نہیں آیا کہ جواب دوں گا، وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

”میں زندہ رہی تو تم بھی زندہ رہو گے۔“ رانی نے کہا۔ مہاراج کو نہیں جواب
دوں گی۔ تم راجا کا سکھ پال کو بھیرہ سے نکالنے کی کوشش کرو۔

”مجھے جس آدمی نے خبر دی ہے کہ سکھ ال مسلمان ہو گیا ہے، اس نے بتایا ہے
کہ اس نے اپنی مرضی سے اور خوشی سے اسلام قبول کیا ہے۔“ راج گویاں نے کہا۔
”اسی لیے اسے بھیرہ کا امیر بنایا گیا ہے۔“

”اُسے لٹا کر دو۔“ رانی نے کہا۔ ”اُسے یہاں تک لے آؤ۔ اُس نے میرا دودھ
پیا ہے۔ میرے دودھ میں ملاوٹ نہیں تھی۔ اُسے ہندو ماں کا دودھ مسلمان نہیں رہنے دے جائیے

لاں اس لیے بھی ضروری ہے کہ مہاراج مجھے اور تمہیں نکست معاف کر دیں گے۔ یہ کبھی
برداشت نہیں کریں گے کہ راجا کا سکھ مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دے اور ان کا
مذہب قبول کر کے انہی کا ہونے لگے۔ اگر میری اور اپنی خیر چاہتے ہو تو سکھ
پال کو بھلا پھلا کر لاؤ اسے انہی کے لاؤ بخور جاؤ۔ جان پر کھیل جانے والے فوجی تیار
کر دو۔ یہ کام کرنا ہے۔ وہ تمہارا خون ہے۔ وہ اُس عورت کا بیٹا ہے جس نے تسماری خاطر
اپنے خاندان کو دھوکا دیا ہے۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ مجھے میرے گناہ کی سزا مل
رہی ہے۔ خاندان نکست کھا کر بھاگ گیا ہے اور بیٹا مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا ہے
میں پالی ہوں۔

”وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے بڑبڑم لیے پس کہا۔“ اپنے راجا کو کس خود لاؤں
گی۔ نہ لاؤں تو وہیں مہاراجوں کی۔“

”یہ میرا کام ہے۔“ راج گویاں نے کہا۔ ”انتہت بڑبڑمیں انتقام کرنا ہوں۔ میں
اُسے لے آؤں گا۔“

بھیرہ میں ایک سالار کے گھر میں، دو بڑی فوج اور شہری انتظامیہ کے

مذہب چھوڑا ہے یا زبردستی اسے مسلمان بنایا گیا ہے؟
”اگر اس پر زبردستی کی جاتی تو اسے بھیرہ کا امیر نہ بنایا جاتا۔“ راج گویاں نے
کہا۔ ”وہ فوجاں سے مسلمانوں کے جھانے میں آ گیا ہے۔“
”یہ تسماراپ ہے۔“ رانی پریم دیوی نے کہا۔ ”تم اسے قید میں چھوڑ کر خود بھاگ
آئے تھے۔“

”کیا تم ساتھ نہیں تھیں؟“ راج گویاں نے کہا۔ ”تم نے اپنی آنکھوں میں میدان
جنگ دیکھا ہے۔ ہم پر دریا کی طرف سے جو حملہ ہوا تھا، اس کی تجھے بائیں توقع نہیں
تھی۔ رانی میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہمیں بھیرہ پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ تسمارا خیال تھا کہ
مسلمانوں کی آدمی فوج کسٹ چکی ہے اس لیے مقابلہ نہیں کر سکے گی میں نے تمہیں بتایا
تھا کہ ہماری فوج پر مسلمانوں کی دہشت طاری ہے اور یہ بتاؤں سے بھاگ گئی ہوئی فوج
ہے۔ اس فوج کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہمارا راج بھگڑا ہے۔ وہ انہی تک اپنی راجدھانی
میں دالیں نہیں آیا۔“

”مجھے اس مہاراج کی رانی کہلاتے ہوئے شرم آتی ہے۔“ رانی نے کہا۔
”اگر وہ مرگ تو نہیں چٹانیں چڑھوں گی۔ میں ایک بھگورے خاندان کی چٹا پر اپنے آپ کو
نہیں چلاؤں گی۔“

”میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں۔“ راج گویاں نے کہا۔ ”اگر مہاراج کے خاندان
نے تمہیں زبردستی چٹا چڑھایا تو میں تمہیں پکا کر اتنی دُورے جاؤں گا جہاں ہم تک نہ نہیں
پہنچ سکے گا۔“

”تم بھی اتنے بہادر نہیں رہے کہ میں تسمارے بھرد سے کوئی بات کروں۔“
— رانی پریم دیوی نے آدمی۔ ”تم نے میری محبت کی بچی پرواہ نہ کی۔ میں اپنے
مہاراج خاندان کو تسماری خاطر دھوکا دے رہی ہوں۔ کیا راج مہاراج کو کوئی آدمی خواہ
وہ کتنے ہی اپنے بڑے کا ہو، ایک رانی کے کمرے میں اس طرح آسکتا ہے جس
طرح تم آئے ہو؟ میں اپنی کوہم اتنا بڑا آدمی نہیں سمجھا کرتے۔“

”کیا تم احسان چاہ رہی ہو رانی؟“ راج گویاں نے کہا۔ ”تم بھی بہت کچھ بھول

چار پانچ حکام بیٹھے تھے۔

”ہم پر سامانِ ہندی ناکہِ ذمہ داری ڈال گئے ہیں۔ سالار نے کہا میں نے لایا۔ ملکا جاسم کے ساتھ رابطہ قائم کر لیا ہے۔ راجہ انند پال ابھی تک ملہاؤ میں نہیں آیا۔ وہ ہمارے ساتھ ٹھہرنے کی تیاریاں کر رہا ہوگا۔“

”سب سے زیادہ ناکہِ ذمہ داری تو یہ ہے کہ سلطان ایک نو مسلم کو یہاں کا امیر مقرر کر گئے ہیں۔ نائب سالار نے کلمہ کیا ہمیں اس امیر پر اعتماد کرنا چاہیے؟“ اگر آپ سانپ کی کنپلی بل دیں تو وہ سانپ ہی رہے گا، اُس کی فطرت نہیں بدلے گی۔“ شہری انضامیہ کے ایک حاکم نے کہا۔ آپ لوگ غلٹی سے آتے ہیں۔ میں یہاں کارہنہ والا ہوں۔ آپ ہندو کو مسلمان بنا سکتے ہیں لیکن اُسے مسلمانوں کا دوست نہیں بنا سکتے۔ پھر وہ میں کئی ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن وہ عالم اور بے فہم لوگ ہیں۔ وہ اسلام کے سانپے میں دھل جائیں گے۔ میں تسلیم نہیں کر سکتا کہ ایک راجہ

جس کے دادا کو آپ نے شکست دی اور اس نے خود کشتی کر لی اور جس کے باپ کو آپ نے شکست دی اور وہ ابھی تک ردپوش ہے، اس راجہ کے دل سے آپ ہتھم کی آنکھیں کس طرح سرور کر سکتے ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ محمد جیسے دانشمند سلطان نے کیا سوچ کر ایک ایسے نو مسلم کو اتنا بڑا اعزاز دے دیا ہے۔“

”یہ نو مسلم اپنی عادیوں کس طرح بدل سکے گا۔ ایک اور نے کہا۔ یہ شراب کا عادی ہوگا۔ ان کے دل ہر رات ناز کا گانے پورے پورے جوان لڑکیاں ان کی خدمت میں سو جود کرتی ہیں کیا یہ اتنی جلدی موس بن گیا ہوگا؟“

”ہم اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ سالار نے کہا۔“ سلطان کا حکم ہے کہ امیر کی اطاعت کرو۔“

”لیکن اسلام کا حکم یہ ہے کہ امیر گناہ کرتے یا غدار ثابت ہوں تو اُسے اٹھا کر باہر پھینک دو۔ ایک اور حاکم نے کہا تاہم اُس کی جگہ اُسے دوجو مذہبی اور معاشرتی لحاظ سے اس رتبے اور ذمہ داری کے اہل ہو۔“

”تو ہمیں نظر رکھنی پڑے گی کہ امیر نواسا شاہ ہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا۔ سالار نے کہا۔ اُس کے حکم سے راجہ کی رائے کی فوج کے تمام ہندو جنگی قیدیوں کو باقاعدہ فوج میں شامل کر لیا گیا ہے۔ انہوں نے میری موجودگی میں سلطان محمد کی وفاداری کا حلف اٹھایا ہے۔“

”ہندو سپاہی کیسے ہیں؟“ ایک شہری حاکم نے پوچھا۔

”اچھے ہیں۔ سالار نے جواب دیا۔ ہمارے سپاہیوں کے ساتھ مل کر اور اچھے ہو جائیں گے۔ ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ کچھ فوج سلطان اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ اگر انڈیا ل نے حملہ کر دیا تو ہماری فوج اسی تھوڑی ہے کہ مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ سلطان بھارت دے گئے ہیں کہ ہندوؤں کو فوج میں شامل کر لیا جائے اور ان کی تنخواہیں زیادہ مقرر کی جائیں اور انہیں مراعات بھی زیادہ دی جائیں۔“ یہ محفل کسی نتیجے پر پہنچنے بغیر برخاست ہو گیا۔

نواسا شاہ نے اپنی عادیوں بل لے لیں۔ اُس نے کبھی شراب کا نام بھی نہیں لیا تھا۔ مولوی سعید اللہ قاسمی اُسے قرآن پڑھاتے اور معنی بھی سمجھاتے تھے۔ اُس نے نماز پڑھنی شروع کر دی تھی۔ وہ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو چکا تھا۔ ایک روز اُس نے اُن پانچ ہزار ہندوؤں کو ایک میدان میں لانے کا حکم دیا جو اُس وقت تک سلطان محمد کی فوج کا اہم حصہ بن چکے تھے۔

”میں تم میں سے کسی کو بھی نہیں کہوں گا کہ وہ اپنا مذہب بدل لے اور مسلمان ہو جائے۔“ اُس نے ہندوؤں کے دستوں سے خطاب کیا۔ مذہب ہمارا اپنا معاملہ ہے۔ میں تمہیں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ میں نے اسلام قبول کر کے جو سکون پایا ہے وہ تمہیں ہندو مت میں نہیں ملا تھا۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ تم لوگوں نے مسلمانوں سے کس طرح شکست کھائی ہے۔ تم قلعہ بند ہو کر بھی نہ لڑ سکے اور تم کھلے میدان میں بھی نہ لڑ سکے۔ حالانکہ مسلمان بہت دُور سے آئے تھے اور ان کے پاس نفرتی بھی کم تھی اور ساز و سامان بھی کم تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ انہیں یہاں سے کوئی

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کھجوریاں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے یہ شرط عائد کی تھی کہ بھیرہ کا مندر ہندوؤں کی عبادت کے لیے محفوظ رہے دیا جائے یا سلطان محمود نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے مندر کو نہیں چھیرا تھا۔ اُسے شاید اپنی فوج کی کمی کا احساس تھا اس لیے اُس نے ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا احترام کیا تھا۔

پہرہاں بھیرہ کا مندر محفوظ تھا۔ اس رات مندر میں چھ اجنبی بندت کے گھرے میں بیٹھے تھے۔ بندت انہیں گزر رہا تھا۔ قتل کرنا آسان ہے۔ وہ کبھی کبھی شہر سے باہر بھی جایا کرتا ہے۔ ایک پتر کافی ہے۔ اگر قاتل کپڑا گیا تو ہم اس ایک آدمی کی قربانی دے سکتے ہیں۔

”ہم اُسے قتل کرنے نہیں آئے۔“ ایک اجنبی نے کہا۔ اُسے غور کر کے لاہور لے جانا ہے۔ اس کی ماں اسے زندہ اپنے پاس دیکھنا چاہتی ہے۔

”میں بھی اُسے زندہ ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔“ بندت نے کہا۔ لیکن ہندو کے روپ میں اسے نواسا شاہ سے پھر کھجوریاں بنانے کے لیے پریشان ہوں۔ اُس نے اپنی فوج کی توہین نہیں کی، اپنے مذہب کو ناپاک کر دیا ہے۔ ہم نے ہزاروں مسلمانوں کو ہندو بنایا ہے۔ اگر ہندو راجے ہمارے مسلمان ہونے لگے تو یہ مندر کھنڈر بن جائیگا۔ اور دیوی دیوتاؤں کا ہم پر قہر نازل ہو گا۔

”آپ ہماری رہنمائی کریں۔“ ایک اجنبی نے کہا۔ ہمیں بتائیں کہ کھجوریاں کب شہر سے باہر نکلے گا یا اسے شہر سے باہر نکالنے کا کوئی ذریعہ پیدا کریں۔ کیا آپ اسے کئی جال میں لا سکتے ہیں؟

بندت گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ”اُن میں ایک جال تیار کر سکتا ہوں۔ ہم مندر میں ہی گھرے رہیں۔ یہاں تھرپور کوئی شک نہیں کر سکتا۔ ایک دو دن انتظار کرو۔“

میں جہاں ہوں کہ وہ اتنی جلدی اتنا بھلا مسلمان کسی طرح بن گیا ہے۔

”بچے ذہن کا جوان آدمی ہے۔“ ایک آدمی نے کہا۔ مسلمانوں کے جھانے میں ایک بچہ برا خیال ہے کہ محمود سے یہاں کے ہندوؤں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کسے لادے۔ غزنی کا سلطان ایسی طاقت نہیں کر سکتا کہ کل جس نے اُس سے لڑ کر ہتھیار

مدد نہیں لے لی مگر انہوں نے فتح حاصل کرنی۔ یہ ایک قوت ہے جو ہم میں سے کسی میں بھی نہیں تھی۔۔۔

”میں نے وہ قوت حاصل کر لی ہے۔ میں تمہیں یقین دلاؤں کہ تمہیں اپنا مذہب بدلنے کے لیے کوئی نہیں کہے گا۔ یہ فیصلہ تم خود کرو۔ میں تمہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس کا تک کھا ہے ہو اُس کے ساتھ غداری نہ کرنا۔ میں نے تمہیں بہت بُری غلامی سے بچایا ہے۔ ہم جنگی قیدی بنے پھر غلام بنائے گئے۔ سلطان تمہیں غلاموں کی حیثیت سے غزنی لے جانا چاہتے تھے۔ بھیرہ سے ملتان تک کا سفر یاد کرو جب تم کھجوریاں اور جلیوں کی طرح رسد کی گاڑیاں دھکتے اور گھٹنے گئے تھے۔ تمہاری گردنوں میں لوہے کے کڑے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے وہ کڑے کٹوا کر تمہیں مویشی سے انسان بنادیا ہے۔ تم سپاہی ہو، جنگجو ہو۔ ہمدی عزت اسی میں ہے کہ تمہاری تلواریں تمہارے پاس ہوں۔ اپنی عزت کو قائم رکھنا تمہارا کام ہے۔ تمہیں کوئی تکلیف ہو کسی مسلمان کے خلاف کوئی شکایت ہو تو مجھے بتاؤ۔ اگر تم پہلے ہندو ہو تو پہنے بن کر دکھانا میرا باب مبارک انڈیا میں ہم پر حملہ کریگا۔ تم دیکھنا کہ میں اپنے باپ کے خلاف کس طرح لڑوں گا۔“

اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا کہ کئی آوازیں سنائی دیں۔ ہم غداری نہیں کریں گے۔ ہم مسلمانوں پر ثابت کریں گے کہ ہندو دھوکہ نہیں دیا کرتے۔

نواسا شاہ کے حکم سے ہر ہندو فوجی کو جاندی کے دس دس درہم العام دی گئے۔

ڈالے ہوں اور اپنا مذہب بھی تبدیل کر لیا ہو، اُسے محمود اتنے بڑے علاقے کا حکمران بنا دے۔ اپنے مذہب اور ملک کے لیے شکہ پال کو یہاں سے غائب کرنا لازمی ہے خواہ ہماری جانیں چلی جائیں۔

ان چھ آدمیوں کو راج گوبال اور راجہ انسند پال کی رانی پریم دلی ہی نے شکہ پال کے الفا کے لیے بھیجا تھا۔ یہ لاکھوں کی فوج کے پھٹے ہوئے بہادر اور ذہین آدمی تھے۔ رانی نے انہیں سونے کی صورت میں انعام دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ بھی کہ کامیابی کی صورت میں انہیں دو راتیں راج محل میں رکھا جائے گا جہاں وہ دلیسی ہی عیش و عشرت کریں گے جیسی بہادر راجہ کرتے ہیں۔ انعام کے لالچ کے علاوہ ان چھ آدمیوں میں مذہب کا جنون پیدا کیا گیا تھا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ ہندو راہکار کو مسلمانوں کے قبضے سے نہ چھڑائیں تو دیوتاؤں کا قہر انہیں بھیسم کر ڈالے گا۔

یہ چھ آدمی خالی ہاتھ واپس جانے کے لیے نہیں آئے تھے۔ وہ درویشوں کے لباس میں بھیرہ میں داخل ہوئے اور رات کے اندھیرے میں مندر میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے پنڈت کو بتایا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ انہوں نے یہاں تک کہا تھا کہ وہ نواسا شاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اُسے اٹھائے جانے کو تیار ہیں۔ پنڈت نے انہیں روک دیا تھا کیونکہ اس طریقے سے کامیابی کا کم اور مار بے جانے کا خطرہ زیادہ تھا۔ پنڈت نواسا شاہ کو کسی کھندے میں لانے کی سوچ رہا تھا۔

دو تین روز بعد پنڈت کو پتہ چلا کہ امیر بھیرہ کہیں سے واپس آتے ہوئے مندر کے سامنے سے گزر رہے ہیں۔ پنڈت مندر سے نکلا اور راستے میں کھڑا ہو گیا۔ نواسا شاہ گھوڑے پر سوار کر رہا تھا۔ دو گھوڑا سوار جو محافظ تھے، اُس کے آگے آگے تھے اور چار گھوڑا سوار اُس کے پیچھے تھے۔ پنڈت اور آگے ہو گیا۔ آگے والے محافظوں نے اُسے پیچھے ہٹ جانے کو کہا لیکن وہ نہ ہٹا۔ اس نے نواسا شاہ کی طرف دیکھ کر ہاتھ جوڑے پھر تعلیم میں جھجک کر دوبارہ ہو گیا۔ نواسا شاہ نے گھوڑا روک لیا۔ پنڈت کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ نواسا شاہ کو سلطان محمود غزنوی نے خاص طور

پر کیا تھا کہ وہ چونکہ ہندوستانی ہے اور ہندو بھی رہا ہے اُس لیے وہ یہاں کے لوگوں، خصوصاً ہندوؤں کی فطرت اور عادات سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ وہ بھیرہ اور گرد و نواح کے لوگوں سے ملتا ملتا رہنے اور ان کی شکایتیں سننے اور انہیں برہانا سے مطمئن اور خوش رکھنے کا کام یہاں کے لوگ اپنے آپ کو غلام رعایا نہ سمجھیں۔

اسی ہدایت کے تحت نواسا شاہ باہر نکلا تھا۔ وہ وہاں کے کسانوں سے مل کر آ رہا تھا۔ پنڈت کو اُس نے راستے میں ہاتھ جوڑے کھڑا دیکھا تو وہ گھوڑے سے اترا آیا اور پنڈت سے پوچھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے؟

پنڈت نے اُسے دعا میں دے کر کہا۔ میں خوشی ہے کہ آپ نے جو بہتر سمجھا وہ کیا ہے۔ ہم سلطان محمود غزنوی کے اس اقدام کی تعریف کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ کی حق کی ادھاپ کو یہاں کی حکمرانی مٹا کر دی۔

”اس کے علاوہ آپ کو کچھ کہنا ہے؟“ نواسا شاہ نے کہا۔ اُسی اور سلطان کی تعریف سننے کے لیے میرے پاس وقت نہیں باقی کوئی شکایت، کوئی تکلیف، کوئی مسئلہ بیان کریں۔

”کوئی شکایت نہیں۔“ پنڈت نے کہا۔ ”ایک عرض ہے حضور پرہیزگار ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ یہاں کی مسجدوں میں بھی گئے ہیں لیکن آپ مندر کو بھول گئے ہیں۔ کبھی وہاں بھی آئیں۔“

”مندرجہ مرتبت کی یا کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟“ پنڈت نے کہا۔ ”کبھی چیز کی ضرورت نہیں۔ اسے شکایت کہیں جو کچھ بھی کہیں، بات یہ ہے کہ شہر کے سرکردہ ہندو کہتے ہیں کہ امیر ہر جگہ جا کر لوگوں کی شکایتیں سنتے ہیں، مندر میں نہیں آتے۔ شاید میں پسند نہیں کرتے۔“

”میں کسی روز آؤں گا۔“ نواسا شاہ نے کہا۔ ”وہ اور وقت بتادیں۔“ پنڈت نے کہا۔ ”ہم آپ کے رتبے کے مطابق کوئی انتظام کر لیں گے۔ دست بستہ حاضر رہیں گے۔“

لڑائی کی آواز جس طرف آنسو آہستہ آہستہ ابھری تھی اسی طرح آہستہ آہستہ خاموش ہو گئی۔ نواسا شاو کی نظریں ابلیں سے ہٹ نہ سکیں۔

نواسا شاہ کی نظریں ان لڑکیوں میں اُکھ کر گر گئیں۔ بندت نے ٹھیک کہا تھا کہ وہ ہمارا جوں اور راجپاروں کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اُس نے اس راجپار کی دکھتی دُک اپنے اٹھ میں لینے کا اہتمام کر رکھا تھا اور یہ اہتمام اثر دکھاتا تھا....
فرشی درمی بکھیں، جوتی تھئی اور اس پر غل کی چادریں بکھی تھیں۔ گول یکے رکھے تھے ان

عی ہوں۔ انسانوں کے دلوں کی بات اُن کی آنکھوں میں پڑھ لیا کرتا ہوں۔ آپ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اچھا کیا ہے۔ آپ کو اسلام کے اصولوں کی پابندی کرنی چاہیے لیکن آپ جوان ہیں۔ اپنے دل پر سہتر نہ رکھیں، ورنہ آپ کا دل ان پابندیوں سے باقی ہو جائے گا اور آپ کی زندگی جہنم بن جائے گی۔ اپنی عادتیں اور اپنی فطرت آہستہ آہستہ بدلیں۔ یہ کہے ہو سکتا ہے کہ آپ عظمت شراب بھی ترک کر دیں اور وہ عیش و عشرت بھی جس میں آپ جنے پہلے اور جوان ہوئے ہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس ماحول کو اور ان رنگیوں کو دیکھ کر آپ دور اپنے برآز کے میں سب کے اندر مسلمان اور ہندو کا تصادم ہو رہا ہے۔ یہ ہون رہا ہے گا اور آہستہ آہستہ ختم ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مسلمان کو ہندو پر غالب آنے میں یکن ہندو کو راضی رکھ کر اس سے نجات حاصل کریں۔ نواسا شاہ پنڈت کی باتوں کے حسین حال میں آگیا تھا۔ اُس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ اُس نے بے ساختہ کہا۔ آپ کی باتیں میرے دل میں اتر رہی ہیں صاف بتائیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے آپ کے لیے یہ اہتمام صرف اس لیے کیلئے کہ آپ کو اس کی ضرورت ہے۔ پنڈت نے کہا۔ آپ کی یہ ضرورت پوری ہونی چاہیے لیکن جو سی چھپے میں نہیں جانتا کسی کو پتہ چلے کہ آپ نے مندر میں اپنے عمل کی باتوں کو سن لیا ہے۔ آپ کو سلطان نے جو رتبہ دیا ہے اس پر مجھے فخر ہے۔ میں آپ کی پروردہ پوشی کروں گا۔ آپ کی مدد بھی کروں گا کہ آپ کی جذباتی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں اور آپ کو مسلمانوں کی طرف سے جو نازک ذمہ داری سونپی گئی ہے، اس سے بھی آپ کو تباہی اور چشم پوشی نہ کر سکیں۔ پھر آپ آہستہ آہستہ ذہن سے عیش و عشرت کو نکالتے چلے جائیں۔ نواسا شاہ جوان تھا۔ چار پانچ ماہ پہلے تک وہ معاملات کی ان عیاشیوں میں رہتا تھا جنہیں جائز سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے مسلمان ہو کر اپنا دل مار لیا تھا۔ مولوی عبداللہ تاسمی اور امارت کے حکام نے اسے اسلامی سلطے میں رکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ نئی زندگی کو لے کر تہذیب کو خوشی قبول کر چکا تھا اور اُس نے فرائض سرانجام دینے شروع کر دیئے تھے مگر پنڈت نے اُس کے اس اقدام کو برا سمجھا۔ ان کی بات اُن کی بات اُن کی بات تھی۔

”ہم نے آپ کو اس لیے نہیں مانگا تھا کہ کوئی شکایت یا کوئی اپنی ضرورت آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ پنڈت نے کہا۔ ہم اپنے انداز سے آپ سے اپنی عقیدت اور اعتماد کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ ہمیں اپنا دفا وار سمجھیں۔“

”آپ کا انداز سبست حسین ہے۔“ نواسا شاہ نے کہا۔ اس کا لہجہ اب مسلمانوں کے امیر کا نہیں، ایک راجا کا تھا۔ اُس نے کہا۔ کیا یہ لڑکی اسی قسم کا ایک اور گانا سناسکتی ہے؟

وہ لڑکی ایک پیشہ ور گانے والی کی بیٹی تھی لیکن نواسا شاہ کو بتایا کہ ایک شہنشاہ گھرانے کی بیٹی تھی، اور مندر کی واسی ہے۔ زیادہ تر سمجھن کا تھی ہے۔

لڑکی نے ہندو کو چھوڑ کر ایک اور نغمہ شروع کیا۔ لڑکی کے گانے میں کوئی غیر معمولی کمال نہیں تھا۔ پنڈت نے ماحول ایسا طلسماتی بنا رکھا تھا کہ بھگت سی آواز بھی سیریل گنتی تھی۔ نواسا شاہ ایسا مسحور ہوا کہ اُسے پرہی نہ چلا کہ پنڈت کے سوا تمام میزبان کمرے سے نکل گئے ہیں۔

لڑکی کی آواز خاموش ہو گئی تو نواسا شاہ تصور فعل کی مترنم گونج میں کھویا رہا۔ اچانک بیدار ہوا اور بولا۔ ”بالی سب کہاں گئے؟“

”وہ آپ کی اس کیفیت میں غل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ پنڈت نے کہا۔ میں نے انہیں اشارہ کر کے اٹھا دیا ہے۔“

پنڈت نے ایک لڑکی کو اشارہ کیا اور چاروں لڑکیاں جھک کر اُن کے قدموں کو مس کرے میں چلی گئیں۔ نواسا شاہ۔ ”دیکھا رہا گیا۔“

”یہ چلی کیوں گئی ہیں؟“ اُس نے تشہیسی آواز میں پوچھا۔

”مسلمانوں کے ہاں یہ راگ رنگ حرام ہے۔ پنڈت نے کہا۔ میں نے انہیں کمرے سے نکل جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اگر آپ چاہیں تو بلا لیتا ہوں۔“

”نہیں۔“ نواسا شاہ نے کہا۔ یہ راگ رنگ حرام ہے۔“

”حضور! پنڈت نے کہا۔ ایک بات کہوں۔ بڑی بگے تو معاف کر دینا۔“ آپ نے دل سے میں کہا کہ یہ سب حرام ہے۔ اپنے دل پر خبر نہ کریں۔ میں پوچھا ہوں۔

ادب چہرہ نہ کریں سمجھی کبھار یہاں آجایا کریں مجھے آپ اپنا مخلص رہو سنت بایں گے۔
”میں کیا ہوا تو ہوں۔“ نواسا شاہ نے کہا۔

”نہیں۔“ پنڈت نے کہا۔ ”باہر آپ کے محافظ کھڑے ہیں۔ آپ کے غلے کو
مطمئن ہے کہ آپ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ جو سکتا ہے ایک دو جاسوس بھی موجود ہوں۔
میں آپ کے خلاف کوئی بات نہیں ہونے دوں گا۔ اب آپ چلے جائیں۔ رات کو اس
طرح یہاں آئیں کہ کوئی آپ کو باہر نہ نکلتے اور یہاں آتے نہ دیکھ سکے۔ آپ کے لیے یہ کوئی
مشکل کام نہیں۔ یہاں سے آپ کو نصرت سے واپس لے جانا میرا کام ہے۔“
”یہ لڑکیاں موجود ہوں گی؟“ نواسا شاہ نے کہا۔ ”میں یہ گانا سننا چاہتا ہوں۔“
”آپ آئیں گے تو انہیں حاضر کر لیا جائے گا۔“ پنڈت نے کہا۔ ”اود شرب وہ
پیش کردوں گا جس کی بو نہیں ہوگی یہ شراب راجہ کی رائے کے لیے قنوج سے آیا
کر رہی تھی۔“

”میں کل رات آؤں گا۔“ نواسا شاہ نے کہا۔ ”میں ضرور آؤں گا۔“

”وہ آئے گا۔“ پنڈت نے نواسا شاہ کو اٹھانے والے چھ آدمیوں سے کہا
”مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اس حال سے نہیں نکل سکے گا۔ میں نے یہ بال ہوب
میں سید نہیں کیے۔ کچھ بڑھا کچھ دیکھا ہے۔ نیکی اور گناہ کے درمیان باریک سی ایک
کیر ہے۔ انسان اس پر چلتا رہتا ہے۔ اسے گناہ کی دعوت اور انکیت نہ ملے تو اس
کیر سے اُس کا پاؤں نہیں پھٹتا۔ اگر پھلے گا تو نیکی کی طرف گرے گا، اور اگر حسین
اشتعال یا انکیت مل جائے تو اسے گناہ کی طرف گرا لینا بہت آسان ہوتا ہے۔ سلطان
کو ہم اسی حربے سے گرا سکتے ہیں ضروری نہیں کہ انہیں جیتی جاگتی عورت دے دے
جائے عورت کے صرف حسین تصور سے انہیں گمراہ کیا جاسکتا ہے اور ہم ایسا کریں
گے۔“

”میں اُن والدین کی پوجا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی بیٹیاں آج منہ میں بھیج دی

کے اندر ہندو راہکار کو بیدار کر دیا۔ نواسا شاہ نے اتنی حسین لڑکیوں کو، اُن کے ہنر اور
اُن کے ظہار کی انداز کو دیکھا تو وہ ڈنگمانے لگا۔

”اگر میرے ماتحت حاکموں کو یہ سچ لگے تو میرا اعتماد ختم ہو جائے گا۔“ نواسا شاہ
نے کہا۔ ”وہ کچھ پر الزام عائد کریں گے کہ میں ہندوؤں کے ساتھ مل گیا ہوں۔“

”کسی کو یہ نہیں چلنے دیا جائے گا۔“ پنڈت نے اسے اپنی زنجیروں میں اٹھایا
مضبوطی سے بٹرنے کے لیے کہا۔ ”میں آپ کو زمرہ داروں سے بھی نہیں بٹنے دوں گا اور
میں آپ کو اسلام سے بھی منحرف نہیں ہونے دوں گا، لیکن میں آپ کو یہ بتا دوں کہ مسلمان
اُسرا بھی چوری چھپے عیاشی کرتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کی صرف ایک
بیوی ہو۔ انہوں نے تین تین چار چار بیویاں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ بیویاں بدلتے نہتے ہیں
جو برائی ہو جاتی ہے اُس کی جگہ نئی لے آتے ہیں۔“

نواسا شاہ کے چہرے پر ردی آتی جا رہی تھی۔ پنڈت نے زہر میں کچھا ہوا ایک
اور تیر چلایا۔ اُس نے کہا۔ ”آپ ایسے جن ماتحت حاکموں کی بات کر رہے ہیں کبھی
اُن کے گھر میں جھانکیں۔ وہ اپنی بیویوں کو ساتھ نہیں لائے یہاں اُن کی رائیں
ہندو لڑکیوں کے ساتھ بسر ہو رہی ہیں۔ وہ شراب بھی پیتے ہیں، اودھ جب آپ
کے سامنے آتے ہیں تو کچے مسلمان ہوتے ہیں۔“

”میں انہیں روک سکتا ہوں۔“ نواسا شاہ نے کہا۔ ”مجھے سلطان نے کہا تھا کہ کسی
کو نہیں دیکھتے ہیں نہ بڑے دنیا کی حاکم کا گناہ معاف نہ کرنا۔“

”اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ سازش کا شکار ہو جائیں گے۔“ پنڈت نے کہا
”یہ لوگ آپ پر ایسے الزام عائد کریں گے کہ سلطان محمود بھی چلا جائے گا اور آپ کو اس
جرم میں جلاؤ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ آپ نے دل سے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور آپ

اندرون ہندوہ کہ سلطنت کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ آپ نو عمر ہیں۔ انسانی فطرت
کو آپ پر یہ بھیہ سکتے۔ انسان اپنے نفس کا غلام ہے۔ اس کی انسانی ضروریات پوری نہ
ہوں تو وہ اپنے روزمرہ فرائض خوشامدلی سے سرائی نہیں دے سکتا۔ آپ اپنے

اگر سارے ہندوستان کو فتح نہ کر سکا تو یہاں تک کسی نہ کسی خطے میں اسلامی سلطنت قائم کرے گا۔ مسلمانوں کو جنگ کے ذریعے شکست دینا اور انہیں ہندوستان سے نکالنا آسان نہیں ہو گا۔ اگر سارے آئندہ راجوں مہاراجوں اور پنڈتوں نے عقل سے کام لیا تو وہ مسلمانوں کی سلطنت کو اس حربے سے کمزور کر لیں گے جو میں نے سکھ ہال پر استعمال کیا ہے۔ یہاں مسلمانوں کے ذہنوں اور ان کے ایمان پر ایسا حملہ کرنا ہو گا جسے نہ حملہ نہ کیس، پیارا اور محبت کا پیغام نہ سمجھیں۔

”بھیس کسکھ پال کی بات کرنی ہے۔“ لاہر ہوتے آئے ہوئے ایک ہندو نے کہا۔ ”آئے والے وقت میں کیا ہوگا، وہ آئے والی نسوں کا کام ہے۔ ہمارے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ کسکھ پال کو خواہ کر کے بھیرہ سے نکالنا ہے۔“
”وہ کل رات جو ری چھپے آ رہے۔“ بیٹت نے کہا۔ ”میری بھی کوشش تھی جو کامیاب ہو گئی ہے۔ آپ لوگ یہاں موجود ہوں گے۔“

اور بندت نے انہیں اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہ کس طرح اُسے دلوں میں لے کر
کے وقت اُسے شہر سے نکالنا مشکل تھا۔ کام دن کو کرنا تھا۔ کچھ بحث و مباحثے کے
بعد انہوں نے یکم تیار کر لیا۔

رات گہری سوچ کی تھی۔ بھیرہ شہر پر نیند کا غلبہ ہوتا جا رہا تھا۔ قہر امانت پر بھی غلبہ طاری تھی۔ اس عمارت میں جب راجہ کی رائے کی گندی تھی تو یہاں کلاں سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہوا کرتا تھا۔ ساز و آواز اور تھرکتے ہوئے نسوانی جسموں سے جادو جگمگ اُٹھتے تھے۔ شراب کا دھڑلہ اور سیاں سائی کی حکمرانی ہوتی تھی۔ اب یہ عمارت خاموش تھی۔ اس خاموشی میں ایک نیا فضا نشاہ کی رائیں گھاؤ کے دروازے پر کھڑا تھا اور دو مفاہد اور دو گشت کر رہے تھے۔ یہ مفاہد رات بھر مستعد رہتا تھا۔

نوابشاہ اٹھا۔ اُس نے دریا کے میں سے جہاز نکال گشت کرنے والے دو سمانظ
درا آگے چلے گئے تھے۔ نوابشاہ نے محسوس کیا کہ وہ ان سے نظر ہما کر نہلی نہیں

تھیں۔ اپنے دھرم اور اپنے ملک کے لیے اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ بہت بڑی قرانی ہے جو کلام ایک خوبصورت اور جوان لڑکی کر سکتی ہے، وہ پورا انگلیٹینس کر سکتا.... کچھ پال جوان بنے۔ کچھ یقین تھا کہ وہ اس جادو سے بچ نہیں سکے گا۔ جو میں نے اس کے لیے پیدا کیا تھا۔ آپ میں سے کسی کو کبھی معلوم نہیں کہ میں نے کمرے میں جو خوشبو چھوڑی تھی اس میں ایسا اثر ہے جو انسان کے نفس کو بیدار کر دیتا ہے۔ لڑکیوں نے ایسا اثر پیدا کیا اور اس اثر کو میری باتوں نے مکمل کیا۔ میں نے اُسے کہا کہ تمہارے تمام حاکم چوری چھپے عشق کر رہے ہیں اور اُن کی راتیں ہندو لڑکیوں کے ساتھ گزرتی ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ امارت میں میرے جاسوس موجود ہیں جو وہاں معمولی معمولی نوکریاں کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ سلطان معمولی عیاشی کے ترکہ بہ حاکم کے لیے ساری عمر کی قید و مقرّر کر رکھی ہے اور اُس نے ایسا انتظام کر رکھا

ہے کہ جان کوئی گتہ ہو رہا ہو، اُسے اطلاع مل جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مسلمان حاکموں پر مذہبی جذبات کا غلبہ ہے۔ انہوں نے بہت بڑی فتح حاصل کی ہے۔ انہوں نے عمان میں قرامطیوں کو ختم کر کے ہندوستان میں اسلام کو پک کر دیا ہے۔ انہوں نے راجہ کی رائے جیسے کہ ہندو اور جاٹ کو جو ایسی شکست دی ہے کہ اُس نے اپنی عمارت اپنے پیٹ میں گھونپ لی۔ اسے مسلمان خدا کی معجزہ کہتے ہیں، اور یہ ہے بھگت مت کی وجہ کہ جسے ہم دھرم اور مسلمان ایمان کہتے ہیں، اگر مضبوط ہو تو سمجھنے سے روکنا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا ایمان مضبوط ہے۔ اُن کے حاکم جو یہاں ہیں، وہ کوئی غشی و غشت نہیں کرتے لیکن میں نے نگاہ پال کو اُن کی جو تصویر دکھائی ہے، اس سے یہ جوان راجہ بوری طرح ہرے جال میں آ گیا ہے۔

”آپ ہمسایانِ حاکموں کو بھی ایسے ہی جال میں لاسکتے ہیں۔“ ایک ہندو نے کہا۔
 ”میں یہ جال بھیلادوں کا پتہ نہ دے سکتا۔“ محمدی بیٹوں کو پڑھانے کے لیے بھی یا
 ہے اور یہ جذبہ بھی کہ مسلمان کو اس جُن سے گمراہ کیا جاسکتا ہے۔ میری بڑھاپی آنکھیں
 آنے والے وقت کو دیکھ رہی ہیں۔ مسلمان اور ملکِ برغالبِ آجائیں گے۔ محمد

اُس نے مالی بھائی۔ اچانک سمجھنے سے ایک آدمی نے اُسے دلو توج لیا۔ ایک اور آدمی نے اُس کی انگلیں بازوؤں میں جکڑ لیں۔ نواسا شاہ جوان اور نومند آدمی بھاگا۔ اُس نے جسم کی پوری طاقت صرف کر کے اپنے آپ کو پیچھے کو دھکا دیا اور پیچھے آدمی کے سارے اگلے آدمی کو پاؤں سے دھکیلا۔ اس واقعے سے وہ آدمی جس نے اُسے پیچھے سے دبوچا تھا، پیچھے کو گر ا اور جس نے اُس کی انگلیں کڑنی تھیں وہ دوسری طرف گر ا۔

دو اور آدمی اُس پر چھپے۔ نواسا شاہ دروازے سے باہر آگیا اور اُس نے پھرتی سے تلواریں خنجر نکال لیا۔ ڈاؤر بھی تارک یک تھی۔ باہر سائے نظر آتے۔ تختے بتلاؤں کی روشنی کالی تھی۔ نواسا شاہ نے خنجر کا دار کیا اور ایک آدمی کی کمر میں ڈوبی۔ دہلی چیخ سائی دی۔ پھر کسی کی آواز آئی۔ ”زمہ کزنا“

اور قریب سے ہی آواز آئی۔ ”مشعل جلاؤ“

چھان کا شہزادہ اور تیل میں ڈوبی۔ دہلی مشعل کا شہر بھڑکا۔ پھر آواز سائی دی۔ مسکات دوا نہیں۔

ایک آدمی زخمی ہو کر گر پڑا تھا۔ باقی تین پر چار آدمی تلواروں سے ٹوٹ پڑے۔ نواسا شاہ حیران و پریشان ہو کر ایک طرف کھڑا تھا۔ مشعل کے رقص کرتے شعلے میں اُسے خون بہتا نظر آ رہا تھا۔ اُس پر حملہ کرنے والوں پر کس نے حملہ کیا تھا؟

”امیر محرم!“ ایک آدمی نے کہا۔ ”آپ ٹھیک ہیں؟ زخمی تو نہیں؟“

تب اُس نے سہانا کہ یہ تو اُس کے اپنے محافظ دتے کے جوان ہیں۔ اندر سے پنڈت لڑا آگیا۔ سخت گھبرایا ہوا تھا۔ بڑبڑا کر پوچھنے لگا کہ یہاں کیا سوراخ ہے۔ چار ہندو زمین پر خون میں ڈوبے پڑے تھے۔

”آپ انہیں پہچانتے ہیں؟“ ایک محافظ نے پنڈت سے پوچھا۔ ”انہوں نے امیر محرم پر حملہ کیا ہے۔“

”اوہ! پنڈت نے حیرت زدہ ہو کر نواسا شاہ کو دیکھا اور بولا۔ ”امیر بھیرہ!“

سکے گا۔ دن بھر وہ امارت کے کاحوں اور سٹلوں میں اس قدر مصروف رہا تھا کہ وہ سوچ بھی نہ سکا کہ وہ رات چوری چھپے کس طرح بھل کر مندر میں جائے گا۔ رات کو نکلے کا وقت آیا تو اسے خیال آیا کہ اس کی رہائش گاہ کے ارد گرد ہی فسطوں کا کھڑا پہرہ بھی ہے اور گشتی بھی۔

وہ مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ اُسے کمرے کی تنہائی میں وحشت محسوس ہونے لگی۔ اُس کے دماغ پر چار رکلیاں اور وہ شراب سالانہ دلی تھی جس کی بو نہیں ہوتی۔ وہ خوش تھا کہ یہ شراب ہل کر آئے گا تو کسی کو شراب کی بو نہیں آئے گی، مگر مندر تک پہنچنا بڑا مشکل مسئلہ بن گیا تھا۔

اُسے مایوسی کی تاریکی میں ایک چمک سی دکھائی دی۔ اُسے مولوی سعید اللہ ماسی کے یہ الفاظ یاد آ گئے۔ ”اسلام میں خلیفہ اہل اُس کے ماتحت چھوٹے چھوٹے علاقوں کے امرا کی ذمہ داریاں بڑی ہی نازک اور صبر آزما ہوتی ہیں۔ وہ راتوں کو بھیس بدل کر گلی کو چوں میں پھرتے اور دیواروں سے کان لگا کر سنتے ہیں کہ قوم میں کوئی گھرانہ یا کوئی فرد کتنی صعوبت میں تو مبتلا نہیں، اور کیا پوری قوم خلافت اور امارت سے مطمئن ہے؟“

نواسا شاہ اٹھا اور اُس نے بھیس بدل لیا۔ وہ باہر نکلا اور دروازے پر کھڑے محافظ سے کہا کہ وہ محافظ دتے کے کماندار کو بلاؤ۔ کماندار روڑا آیا۔

”ہم شہر کی گشت کو جا رہے ہیں۔“ نواسا شاہ نے کماندار سے کہا۔ کماندار کے لیے امیر کا یہ اقدام حیران کن نہیں تھا۔ یہ تو مسلمانوں کی روایت تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ کتنے امرا اُس روایت پر عمل کرتے تھے۔ کماندار نے گشتی محافظوں کو بتایا کہ امیر محرم گشت کے لیے جا رہے ہیں۔

نواسا شاہ معمول سا ایک چوبیس گھنٹہ کی رات سر پر کپڑا لپیٹ کر چل پڑا اور قصر امارت کے صدد دروازے سے نکل گیا۔

وہ مندر کے دروازے پر جا رہا۔ ادھر ادھر دیکھا اور دروازے میں داخل ہو گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ کس کمرے میں جانا ہے۔ ڈوڑھی میں اس کے استقبال کے لیے کوئی بھی نہیں تھا۔

کو بیروہ کے مندر میں مروا کر وہاں سے آگئے تھے۔ انہوں نے رانی کو تفصیل سے سنایا تھا کہ پینٹ نے سکھ پال کو بھانے کا کیا انتظام کیا تھا لیکن عین آخری لمحے ناکامی ہوئی۔ سینا سنی راج گوبال بھی وہاں موجود تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں کر رہا تھا۔

”اس سے ظاہر ہو کہ میرا بیٹا بیروہ کا امیر بنو تے ہوئے بھی مسلمانوں کا قیدی ہے۔“
 رانی پریم دیوی نے کہا۔ ”میں اسے رہا کر دوں گی۔ اگر وہ وہاں رہنا چاہے گا تو بھی اسے لے آؤں گی۔“ وہ اچانک گرج اٹھی۔ محل جلاسیاں سے دفع ہو جاؤں دو!

وہ دونوں آدمی باہر نکل گئے۔ راج گوبال وہیں کھڑا رہا۔ رانی نے اسے دیکھا اور پوچھا۔ ”تم میری محبت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ میرا ساتھ دو گے؟“
 ”نہی کرنا کیا چاہتی ہو؟“ راج گوبال نے کہا۔ ”اگر تم مجھے نزلے موت کی دھمکی دے کر کہو کہ میں بیروہ پر حملہ کر دوں تو میں صاف انکار کر دوں گا۔“
 ”سنو گوبال!۔“ رانی نے کہا۔ ”غور سے سنو میں کیا کرنا چاہتی ہوں۔“

اس کے دماغ میں جو آئی تھی، وہ اس نے راج گوبال کو سنائی،
 دس پندرہ دن گزرے ہوں گے کہ نواسا شاہ دن کے وقت فوج کا معائنہ کرنے واپس آیا تھا۔ اس کا راستہ ایک سیاہ کالے رنگ کے بوڑھے نے روک لیا۔ اس کے ساتھ اسی رنگ اور اسی عمر کی ایک عورت تھی۔ ان کے پرے بچے ہوئے تھے۔ سر اور منہ پر گرد کی تہ بکھی ہوئی تھی۔ دونوں کی کمریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بہت لمبی مسافت طے کر کے آئے لگتے تھے۔ نواسا شاہ نے گھوڑا روکا اور اتر کر، ان کے قریب چلا گیا۔

”بہت دور سے فریاد لے کر آئے ہیں۔“ بوڑھے نے تھکی ہوئی اور زخمی ہونے آواز میں کہا۔ ”ہماری کمائی لمبی ہے۔ اپنے گھر میں آنے کی اجازت دیں تینا میں لوٹ کر رہے۔“

نواسا شاہ نے اپنے محافظوں سے کہا کہ وہ دونوں کو ساتھ لے چلو، ہم ان کی زراعت سن رہے۔

... حضور! دھرا اور اس وقت کیسے آئے؟“

”میں گشت پر آیا تھا۔“ نواسا شاہ نے کہا۔ ”مند کے اندر چلا گیا۔ ڈیوڑھی کے دوڑنے میں داخل ہوا ہی تھا کہ انہوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔“

”پانی۔“ پینٹ نے حقارت سے کہا۔ ”پلیس۔ اچھا ہو امارے گئے۔ امیر مندر میں آئیں تو ہم ان کے قدموں میں پھول پکھا کر کریں۔ ان اچھوتوں نے امیر پر حملہ کیا ہے؟۔“ اس نے مشعل کی روشنی میں چاند کے چہرے دیکھ کر کہا۔ ”میں انہیں نہیں پہچان سکتا۔ یہ بیروہ کے معلوم نہیں ہوتے۔“

نواسا شاہ نے جانتا تھا کہ محافظ مندر کے اندر جائیں کیونکہ اسے خیال تھا کہ اندر لڑکیاں اور شراب ہوگی۔ مگر محافظوں کے کہانہ کو اپنے فرائض کا احساس تھا۔ وہ نواسا شاہ کو بتلے بغیر اندر چلا گیا۔ نواسا شاہ بھی لیا کہ مروں میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک کمرے میں دو آدمی تھے جو باہر مڑے جانے والوں کے ساتھی تھے۔ پینٹ نے نیلا کر یہ بتا دی ہیں۔

نواسا شاہ کا خیال تھا کہ وہ اکیلا مندر میں آیا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ گشت پر نکلا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کا محافظ دوست اس سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔ کمانڈر قلعہ تھا۔ اسے احساس تھا کہ امیر نو مسلم ہے اور بند اس پر قاعدا حملہ کریں گے چنانچہ نواسا شاہ راتس گاہ سے نکلا تو کمانڈر چار محافظوں کو عام کپڑوں میں ساتھ لے کر نواسا شاہ کے پیچھے غاصا غاصہ کر چلا گیا۔ یہ پانچوں فوجی پاؤں چل رہے تھے تاکہ ان کے امیر کو بھی پتہ نہ چلے کہ اس کے پیچھے کوئی آ رہا ہے۔ آخر دہریہ بڑا جس کا کمانڈر کو خدشہ تھا۔ وہ بروقت مندر کے دوڑے پر پہنچ گئے اور نواسا شاہ کی جان بچ گئی۔ دوسرے دن اس واقعہ کی تحقیقات ہوئی۔ پینٹ نے لاطینی کا اظہار کیا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ بات آئی گئی ہو گئی۔

لاہور کے راج محل میں رانی پریم دیوی سخت فتنے کے عالم میں اپنے کمرے میں بیٹھ کر دھرا اور چل رہی تھی کہ کمرے میں وہ دو آدمی کھڑے تھے جو اپنے چار ساتھیوں

نواسا شاہ اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا۔ بڑھیا کو اس کے کمرے میں داخل کیا گیا۔ نواسا شاہ نے کہا: ”کیا کہہ رہے ہو؟“

بڑھیا اُس کے قریب چلی گئی اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی: ”کیا تو نہیں جانتا کہ ماں کو اپنے گمراہ بیٹے سے کیا کہنا ہوتا ہے؟“ نواسا شاہ چونک اٹھا۔ وہ رانی پریم دیوی تھی۔ اُس نے کہا: ”مت نکاہیں پھر رحمت حیران ہو میری آنکھوں میں دیکھ۔ ماسٹا کی مدی بنو لی ماں کی آنکھوں میں دیکھ۔“

نواسا شاہ کی نظریں ماں کی آنکھوں میں گرفتار ہو گئیں۔

”ماں نے تجھے کیوں جتنا تھا؟“ رانی نے کہا۔ اس لیے کہ اپنے دلوں کے خون کا انتقام لے گا۔ اُن توبوں اور مورتیوں کی توہین کا انتقام لے گا جن کی بے حرمتی مسلمانوں نے کی تھی۔ تیرا باب بھال کر خمیر چلا گیا ہے، اور تو نے شکست کھا کر تھکنا ڈال دی ہے۔ تو نے اپنے دادا کی طرح اور راجہ کی رائے کی طرح خودکشی نہ کی۔ تو نے اپنے مذہب کے دشمن کا مذہب قبول کر لیا۔ تو نے یہ بھی نہ سوچا کہ تیری ماں کا رکھوالا کون ہے اگر مسلمان لاہور پر حملہ کر دیں تو وہ تجھے بھی قیدی بنالیں گے ایک ملن مسلمانوں کی اس لیے قیدی اور باندی ہو گی کہ اُس کا بیٹا بے غیرت اور بزدل ہے۔ لاپچی ہے۔ اُس نے اپنا دھرم عمدے اور رتبے کے عوض بیچ ڈالا ہے۔“

نواسا شاہ کے منہ سے کسی باز نہ چکا تھا۔ ”ماں.... ماما جی.... آپ۔“

لیکن ماں کی زبان بے قابو ہو گئی تھی۔ وہ بولتی جا رہی تھی اور نواسا شاہ اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ ماں نے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی تھی۔ پنڈت اُسے پہلے ہی گمراہ کر چکا تھا اُس رات کے بعد جس رات اُس پر حملہ ہوا تھا، وہ مندر میں دوبارہ جانے کی سوچ بھی نہیں سلاتھا۔ یہ ایک کانا تھا جو اُس کے دل میں اتر گیا تھا۔ پنڈت کی اس بات کو اُس نے فوج مان لیا تھا کہ مسلمان حاکم اور سالار دیو پر چوری چھپے عیش و عشرت کرتے ہیں اور اُسے کہتے ہیں کہ اسلام میں یہ حرام ہے۔

اب ماں نے اس جیلے میں آکر اُس کے جناب کو ایسا بلایا کہ اُسے چکر آئے

گئے۔ ماں نے اُسے نواسا شاہ سے کچھ پال بنا دیا تھا۔ ماں کہہ رہی تھی: ”دیکھ، تیری رانی کیا حلال اور کیا صورت بنائے کھڑی ہے۔ کپڑی جائے تو یہاں تیری کوئی نہیں نے گا.... اور سوچ کہ تجھے محمود یہاں کا حاکم کیوں بنایا ہے.... وہ تجھے ڈنٹا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ محکمہ پال اتنا باور اور دانشور ہے کہ غلٹی کی فوج کو کیا میٹ کر دے گا۔ تجھے بے پختہ کے لیے اُس نے تجھے سوسنے کے تجربے میں بند کر دیا ہے تیری شکست تیرے کچی گناہ کی سزا ہے۔ ہوش میں آ کچھ پال! اپنے دوتاؤں کے قبر سے ڈر۔“

”بہتر اسے ساتھ کون ہے ماں؟“

”سینا پتی راج گوبال۔“ رانی نے جواب دیا۔ اُسے بھی اندر بلاؤ۔

نواسا شاہ نے دربان کو بلا کر کہا: ”اس بڑھیکے ساتھ جو بڑھا ہے، اُسے

اندر بھیجو۔“

راج گوبال جھکا ہوا، کھنٹا ہوا، اندر آیا اور نواسا شاہ کو فرشی سلام کیا۔ دیوان باہر نکل گیا تو نواسا شاہ نے راج گوبال سے کہا: ”اب یہ سب کھڑے ہو جاؤ.... ماں تجھے ہوش میں لے آئی ہے۔ تجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ میں رات کو یہاں سے نکل جاؤں گا۔ آپ دونوں واپس چلے جائیں۔“

یہاں سے چوروں کی طشہ راج گوبال بھاگ کر کوئی کھائی نہیں۔ سینا پتی راج گوبال نے کہا: ”آپ راجپوت ہیں، راجہ کا رہیں۔ اگر آپ بہت کریں تو بھیدہ آپ کا ہو سکتا ہے.... مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے حکم سے راجہ کبھی رائے کی فوج کو سلطان کی فوج میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کیا کر سکتے ہیں۔“

رانی پریم دیوی اور راج گوبال بہت دیر بعد نواسا شاہ کے کمرے سے نکلے۔ دیوان اور محافظوں کو وہ پہلے سے زیادہ فورس اور تھکے ہوئے نظر آئے کسی کو شک نہ ہوا کہ انہوں نے چوروں، گردن اور ہاتھوں پر ایسا مکمل مل لکھا ہے جس سے اُن کے رنگ گہرے سانولے اور جلد بڑھی نظر آتی ہے۔ وہ قہر امارت سے نکلے اور مندر میں چلے گئے۔ وہ رات انہوں نے پنڈت کے ساتھ گذاری اور اگلے روز لاہور کو روانہ ہو گئے۔

رہے۔ تو اپنی فوج سینت ہزار قیدی ہے۔ اگر شہر میں کسی مسلمان باشندے پر ہاتھ اٹھایا گیا تو بھیرو کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور ایک بھی ہندو زندہ نہیں رہے گا۔

انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور دروازے توڑنے اور کہیں نقب لگانے کی کوشش شروع کر دیں۔

غزنی کی طرف جانے والا قاصد بہت تیز تھا۔ پشاور تک اُس نے دو گھوڑے مسافروں سے چھینے۔ جھکے ہوئے گھوڑوں کو وہ چھوڑ گیا۔ اُس نے آرام لینا اور کھانے پینے کی پرواہ نہ کی۔ سلطان والا قاصد جلدی منزل پر پہنچ گیا اور وہاں سے گنگ چل پڑی۔

غزنی میں حالت یہ ہو گئی تھی کہ ایک خان نے اس خوش فہمی میں غزنی پر فوج کشی کی تھی کہ سلطان محمود ہندوستان میں ہے اور غزنی میں فوج نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ بڑے تحمل سے بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اُسے گال تک نہ تھا کہ سلطان محمود کا پیغام رسائی کا نظام احاطہ کی فوج کے کوچ کی رفتار اتنی تیز ہے کہ وہ جیسے اڑ کر آ گیا ہو۔ محمد قاسم فرزند کھتا ہے کہ سلطان محمود جب غزنی پہنچا تو ایک خان نے یقین نہ کیا۔ محمود نے فوج کو آرام نہ کرنے دیا۔ سیدھا حملہ کر دیا۔

فرزند کھتا ہے: ”ایک خان نے ترک امرا اور حکمرانوں کو مدد کے لیے بلا لیا۔ یہ محمود غزنوی کے خلاف متحدہ محاذ تھا۔ محمود غزنوی نے اپنی فوج کے ایک حصے کی کمان اپنے بھائی نصیر الدین یوسف کو دی اور اپنے مشہور سپہ سالار ابو عبد اللہ الطائی کو اس کے ساتھ رکھ لیا۔ امیں باند کی کمان آل قناتش حاجب کے پاس اور بائیں بازو کی کمان سلطان حاجب کے پاس تھی۔ اس بازو میں افغان اور غلجی تھے۔“

”محمود کے دشمن کا ساتھ ملاؤ مکرر نہیں تھا۔ ایک خان نے اپنی قیادت میں سلطان محمود کی فوج کے قلب پر حملہ کیا۔ محمود گھوڑے سے کود کر اڑا اور مجہد ریز ہو گیا۔ اٹھارہ دھماکے لیے بھلائے اور گھوڑے پر سوار ہونے کی بجائے ایک اٹھتی پر جا چڑھا۔

دروازہ تک بھیرو کی فضا میں رُسا رُسا سا ٹھہراؤ طاری رہا۔ تیسرے روز امیر بھیرو نواسا شاہ نے فوج کے اعلیٰ حکام کو بلایا اور کہا کہ اپنی فوج میں جو چاہے ساتھ چار ہزار ہندو ہیں، انہیں محاصرے میں لے کر کافہ تجربہ نہیں جو غزنی کی فوج کو ہے۔ کل تک مسلمان فوج شہر سے باہر چلی جائے گی اور ہندو کماندار اور سپاہی شہر کے اندر رہیں گے۔ آپ لوگ باہر سے قلعہ توڑنے کی کوشش کریں گے اور ہم ہندوؤں کو سمجھائیں گے کہ قلعہ کا دفاع کس طرح کیا جاتا ہے۔

اُسی رات نواسا شاہ نے سپہ سالار اور اُس کے نائب سالاروں کو اپنے ان بلایا۔ انہوں نے اگر دیکھا کہ محافظ دستہ جو مسلمان ہو کر رہا تھا اس میں اب ہندو سپاہی ہیں تو نشتا نے جذباتیکہ سفافوں کو اندر لاکر سالاروں اور اُس کے دونوں نائبوں کو گرفتار کر لیا اور حکم دیا کہ انہیں قید خانے کی لنگ لنگ کو گھڑیوں میں بند کر دو۔

اگلی صبح حکم کے مطابق فوج کی تمام تر مسلمان نفری باہر چلی گئی۔ نواسا شاہ کے حکم سے شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے، اور ہندو نفری نے دیواروں پر جا کر سوچے پنہاں لیے۔ مسلمان اسے شش اور تربیت سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے حکم کے مطابق قلعہ توڑنے کی جھوٹ موٹ کی نقل و حرکت کی۔ اوپر سے ہندو فوجیوں نے ان پر تبر برسائے شروع کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی نواسا شاہ نے دیوار سے بلند آواز سے بار بار اعلان کیا۔ ”غزنی والو! زندہ رہنا چاہتے ہو تو غزنی والے چلے جاؤ۔ میں نواسا شاہ نہیں ہوں۔“

پال جوں میں مسلمان نہیں بند ہوئے۔ تمہارے دشمنوں سالار قیدی میں پڑے ہیں۔“

مسلمان فوج کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ مشہور مؤرخین، البرونی، فرزند گزینی، عنصری اور عطی کی تحریریں غزنی کے مطابق غزنی کے مسلمان فوجیوں نے بھاگ نکلنے کی بجائے لڑا کر مرنے کو ترجیح دی۔ کسی بھی مؤرخ نے یہ نہیں بتایا کہ سپہ سالار اور اُس کے نائبین کی غیر حاضری میں کمان کس نے سنبھالی۔ تو ایوں کہ مسلمانوں نے ایک قاصد سلطان کو مدد بلوانے کے پاس رسد اور مسلمان کی کمی تھی، لیکن ان کے باوجود انہوں نے کھیل کھیل قبول کر لیا، اور لاکر رکھنے پال کے اعلان کا جواب دیا۔ ”اے ملکہ

.... اور ایک بُت شکن پیدا ہوا

دوسرا حصہ

سلطان محمود غزنوی کے جہاد اور جاسوسوں کی جذباتی اور واقعاتی کہانیاں

عنایت اللہ

اس نے اپنی فوج کو اللہ کے نام پر لگا دیا۔ اُس نے پیادوں کے آگے ہاتھیوں کی پلویں کھڑی کر رکھی تھیں۔ اس نے حملہ رد کرنے کے لیے ہتھ بولنے کا حکم دے دیا۔ ہاتھیوں کے ساتھ گھوڑا سوار تھے۔ ایک خان کی فوج اس ہتھ بولنے کے آگے ٹھہر نہ سکی۔ فرشتے نے لکھا ہے۔ محمود کے ایک ہاتھی نے ایک خان کے اُس محافظ کو جس نے اُس کا پرچم اٹھا رکھا تھا سونڈ میں پکڑا اور دُور ادھر کو اُچھال دیا۔ محمود کے ہاتھیوں نے دشمن کو اس طرح پکڑا جیسے پاؤں سے لڈی دُل کو مسل رہے ہوں۔ دشمن کو گھبرا کر پیا ہوا محمود غزنوی نے اس کا تعاقب کیا اور چیدہ چیدہ امرا اور سالاروں کو پکڑ کر بیشک کے لیے ختم کر دیا۔ یہ اس کے بعد سے لاکر شروع ہوا کہ دشمن ختم ہو چکا تو بھیرہ کا قاصد اُس کے پاس پہنچا۔ اُسے کہہ دیا کہ کچھ پال لے دھوکہ دے کر بھیرہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ سلطان محمود نے کوئی وقت ضائع نہ کیا اور بھیرہ کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اُس کے سینے تک مسلمان بھیرہ کا ایک دروازہ توڑ کر شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ یقیناً سے کھٹک آگئی تھی۔ انہوں نے منہ و نفری پر جلدی قابو پالیا اور کچھ پال کو بھی انہوں نے گرفتار کر لیا۔ سلطان محمود پر ہراسی ہو گئی اور بوجھ لے کر آیا تھا، لیکن بھیرہ کی کیفیت دیکھ کر مش عیش کر اُٹھا۔ اُس نے کچھ پال کو بلایا اور اُسے اتنا ہی کہا۔ ”میں تمیں تمام عمر کے لیے قید میں ڈالتا ہوں۔ تمام عمر پسینے کی سزا بھگتے رہو۔“

علم و عرفان پبلشرز

34۔ اردو بازار، لاہور، فون: 7232336۔ 7352332
www.ilmairanpublishers.com. E-mail: ilmairanpublishers@hotmail.com